

آبی وسائل کا انتظام اور پالیسی

اسلام میں پانی کا انتظام

مدیران:

ناصر آئی فاروقی

اسیت کے بسواس اور

مراد جے بیٹو .

www.kitabosunnat.com



اوکسفرڈ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ
وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ

معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

اسلام میں پانی کا انتظام



Water Resources Management and Policy Series Editors

Dr. Juha I. Uitto
Monitoring and Evaluation Specialist,
Global Environment Facility,
Washington, D.C., USA

Prof. Asit K Biswas
President, Third World Centre for
Water Management,
Mexico City, Mexico

International Advisory Board

Dr. Mahmoud A. Abu-Zeid
Minister of Public Works and Water
Resources,
Giza, Egypt

Dr. Benedito P/ F. Braga
Professor of Civil Engineering,
Colorado State University,
Fort Collins, USA

Dr. Ralph Daley
Director, UNU/INWEH,
Hamilton, Ontario, Canada

Dr. David Seckler
Director-General, International Water
Management Institute,
Colombo, Sri Lanka

Dr. Ismail Seregeldin
Vice President, Special Programs,
The World Bank,
Washington, D.C., USA

Dr. Aly M. Shady
Canadian International Development
Agency (CIDA),
Hull, Quebec, Canada

Prof. Yutaka Takahashi
Professor Emeritus, Tokyo University,
Tokyo, Japan

Dr. Jose Galicia Tundisi
International Institute of Ecology,
Sao Carlos SP, Brazil

یونائیٹڈ نیشنز یونیورسٹی کے تحت طاس کے انتظام کا مربوط پروگرام (UNU Programme on Integrated Basin Management) پانی کے انتظام پر مرکوز ہے۔ یہ پروگرام پیچیدہ مسائل کو تین خصوصی نقطہ ہائے نظر سے دیکھتا ہے یعنی انداز حکومت، گنجائش بڑھانا اور انتظامی آلات۔ یہ پروگرام میدانی تحقیق کے ذریعے رو بہ عمل لایا جاتا ہے جو قدرتی اور معاشرتی سائنس دونوں کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ پروگرام ترقی پذیر اور صنعتی دونوں قسم کے ممالک کے اسکالرز اور اداروں کے وسیع نیٹ ورک سے استفادہ کرتا ہے۔ اس کام کا مقصد یہ ہے کہ پالیسی سازی میں اقوام متحدہ اور بین الاقوامی برادری کی مدد کی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ممالک سے بہتر گنجائش کی تعمیر میں تعاون کیا جائے۔

Water Resources Management and Policy کے سلسلے کی مطبوعات اس تحقیق کے نتائج کو عام کرنے کے لیے ہیں جو Integrated Basin Management کے پروگرام اور دیگر متعلقہ سرگرمیوں کے دوران کی گئی۔ مطبوعات کا یہ سلسلہ پالیسی سے منسلک ایسے موضوعات پر مرکوز ہے جو اسکالرز، پیشہ ور ماہرین اور پالیسی سازوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہیں۔

اس سے پہلے اس سلسلے کی درج ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

Hydropolitics Along the Jordan River: Scarce Water and Its Impact on the Arab-Israeli Conflict by Aaron T. Wolf

Managing Water for Peace in the Middle East: Alternative Strategies by Masahiro Murakami

Freshwater Resources in Arid Lands edited by Juha I. Uitto and Jutta Schneider

Central Eurasian Water Crisis: Caspian, Aral, and Dead Seas edited by Iwao Kobori and Michael H. Glantz

Latin American River Basins: Amazon, Plata, and São Francisco edited by Asit K. Biswas, Newton V. Cordero, Benedito P. F. Braga, and Cecilia Tortajada

Water for Urban Areas: Challenges and Perspectives by Juha I. Uitto and Asit K. Biswas

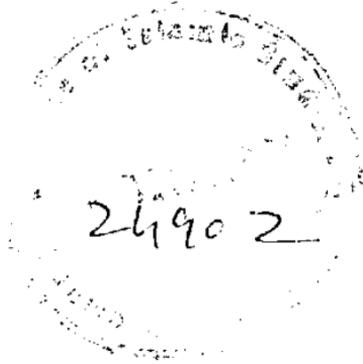
اسلام میں پانی کا انتظام

مدیران: ناصر آئی فاروقی، اسیت کے بسواس، اور مراد جے بیو

ترجمہ: سید سعید احمد

مدیر ترجمہ: صبیح محسن

نظر ثانی: شہباز آصف



 United Nations
University Press
TOKYO • NEW YORK • PARIS

IDRC  CRDI

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

اؤکسفورڈ یونیورسٹی پریس

Published in association with the United Nations University Press and the
International Development Research Centre.

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

گریت کلیر پرنٹ اسٹریٹ، اوکسفرڈ OX2 6DP

اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس یونیورسٹی آف اوکسفرڈ کا ایک شعبہ ہے۔ یہ دنیا بھر میں درج ذیل مقامات سے بذریعہ اشاعت کتب تحقیق، علم و فضیلت اور تعلیم میں اعلیٰ معیار کے مقاصد کے فروغ میں یونیورسٹی کی معاونت کرتا ہے:

اوکسفرڈ نیویورک

اوکسفرڈ کیپ ٹاؤن دارالسلام ہوٹل کوئٹہ کراچی

کوالا لپور میڈرڈ میلبرن سیکسکوسٹی نیروبی

نیو دہلی ٹنگھائی ٹی بی ٹورنٹو

درج ذیل ممالک میں اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کے دفاتر ہیں:

ارجنٹائن آسٹریا برازیل چلی چیک ریپبلک فرانس یونان

گوئے مالا ہنگری اٹلی جاپان جنوبی کوریا پولینڈ پرٹگال

سنگاپور سویٹزرلینڈ تھائی لینڈ ترکی یوکرین ویتنام

Oxford برطانیہ اور چند دیگر ممالک میں اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کا رجسٹرڈ ٹریڈ مارک ہے۔

© اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس ۲۰۰۶ء

مصنف کے اخلاقی حقوق پر زور دیا گیا ہے۔

پہلی اشاعت ۲۰۰۶ء

Originally published in English by the United Nations University Press and

the International Development Research Centre under the title

Water Management in Islam, edited by Naser Faruqi and others

ISBN 92-808-1036-7 (UNU Press)

ISBN 0-88936-924-0 (IDRC)

© United Nations University, 2001. All rights reserved

Urdu translation rights arranged with the United Nations University and

the International Development Research Centre

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کی پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس کتاب کے کسی حصے کی

نقل، کسی قسم کی ذخیرہ کاری جہاں سے اسے دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہو یا کسی بھی شکل میں اور کسی بھی ذریعے سے

ترسیل نہیں کی جاسکتی۔ دوبارہ اشاعت کے واسطے معلومات حاصل کرنے کے لیے اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس

کے شعبہ حقوق اشاعت سے مندرجہ ذیل پتے پر رجوع کریں۔

یہ کتاب اس شرط کے تحت فروخت کی گئی ہے کہ اس کو بغیر ناشر کی پیشگی اجازت کے بطور تجارت یا بصورت دیگر مستعار دوبارہ

فروخت یا عوضاً یا کسی اور طرح تقسیم اس کی اصل شکل کے علاوہ جس میں وہ شائع کی گئی ہے کسی دوسری وضع یا جلد وغیرہ میں اور

مماش اثرات کے بغیر شائع نہیں کیا جائے گا اور بعد کا خریدار بھی ان شرائط کا پابند رہے گا۔

ISBN-10: 0-19-597890-0

ISBN: 13: 978-0-19-597890-2

پاکستان میں ٹائم پریس پرائیویٹ لمیٹڈ کراچی میں طبع ہوئی۔

امینہ سید نے اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس

نمبر ۳۸، سیکٹر ۱۵، کورنگی انڈسٹریل ایریا،

پی او بکس نمبر ۸۲۱۳، کراچی۔ ۷۳۹۰۰، پاکستان سے شائع کی۔

- ج پیش لفظ
کیرو لین پیستو
- ح دیباچہ
- ڈ اظہارِ تشکر
- ذ تعارف
ناصر آئی فاروقی
- ض اسلامی مآخذ
ناصر آئی فاروقی اور عودہ الجیوسی
- ا ۱۔ اسلام اور پانی کا انتظام: عمومی نظر اور مبادیات
ناصر آئی فاروقی
- ۴۳ ۲۔ اسلامی انتظام آب اور بیانِ ڈبلن
عودہ الجیوسی
- ۵۰ ۳۔ اسلام اور ماحول
حسین لہ عامری
- ۶۳ ۴۔ مشرقی خطہ متوسط میں اسلامی تعلیمات پر مبنی تحفظ آب بذریعہ عوامی آگہی
صادق عطاء اللہ، ایم زیڈ علی خان، اور مازن ملکاوی

- ۵۔ پاکستان میں کمیونٹی اداروں کے ذریعہ تحفظِ آب: مساجد اور دینی مدارس ۷۷
ایس ایم ایس شاہ، ایم اے بیگ، اے اے خان، اور ایچ ایف گیبریل
- ۶۔ سعودی عرب میں طلبِ آب کا انتظام ۸۶
ولید اے عبدالرحمن
- ۷۔ فلسطین میں ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کی سماجی و ثقافتی قبولیت ۹۹
نادر الخطیب
- ۸۔ آبی حقوق اور آبی تجارت، ایک اسلامی تناظر ۱۰۶
ایم ٹی قدوری، وائی جبار، اور ایم نہدی
- ۹۔ اسلام میں پانی اور زمین کی ملکیت اور منتقلی ۱۱۸
دانقے اے کاپونیرا
- ۱۰۔ ایران میں پانی کی منڈیاں اور قیمتوں کا تعین ۱۲۹
کاظم صدر
- ۱۱۔ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں بین الشعبہ جاتی آبی منڈیاں ۱۴۴
ناصر آئی فاروقی
- ۱۲۔ مشترکہ پانی کا انتظام: بین الاقوامی اور اسلامی قانون کا موازنہ ۱۶۱
ایاد حسین اور عودہ الجیوسی
- کتاب کے مؤلفین ۱۷۱
- ورکشاپ کے شرکاء ۱۷۲

قدرتی وسائل کے انتظام کے بارے میں نظریات اور اس کی عملی اشکال بدل رہی ہیں۔ ماضی میں قدرتی وسائل کے انتظام کے مطالعہ کے جو واضح طور پر الگ الگ خانے تھے وہ اب غائب ہو رہے ہیں۔ جامعات میں سائنسدانوں نے مختلف علوم کے پس منظر میں قدرتی وسائل کا تجزیہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ عملی میدان میں وسائل کے منتظمین پر زور دیا جا رہا ہے کہ وہ ان سب کے اندیشوں کو رفع کرنے کی کوشش کریں جن کے مفادات ان سے وابستہ ہیں۔ سرکاری و نجی دونوں شعبوں کے فیصلہ ساز اب ان قوتوں کو تسلیم کرنے لگے ہیں جنہیں کچھ عرصہ پہلے تک غیر متعلق سمجھا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک قوت عالمگیریت ہے جس نے بیرونی اداروں اور باختیار افراد کو کسی بھی ملک کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ دوسری قوت بظاہر لا تعلق نظر آنے والی اقدار کے نظام کا پالیسیوں کے انتخاب پر پھر سے اثر انداز ہو جانا ہے۔ اقدار کے بہت سارے نظام ایسے ہیں جن کا سرچشمہ مذہب ہے۔ اس لیے مذہب کے کردار کو تسلیم کرنے سے ہم اس بات کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ ہم مذہب کے حوالے سے اپنے عمومی رویے یا کسی خاص مذہب کے سلسلے میں اپنے ذاتی اعتقادات سے بالاتر رہ کر کس طرح انفرادی یا اجتماعی سطح پر کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ”اسلام میں آبی نظام“ اٹھارہ سائنسدانوں کی ان تصریحات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے پانی کے انتظام کے سلسلے میں اسلام کے ممکنہ کردار پر کی ہیں۔ ہر مصنف کا موضوع کے کسی نہ کسی پہلو پر وسیع تجربہ ہے۔ چونکہ اسلام دنیا کی آبادی کے تقریباً پانچویں حصے کا مذہب ہے اور متعدد ایسے ممالک کا سرکاری مذہب ہے جن میں سے کئی کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ پانی کی قلت ہے، اس لیے اس دین کے حقیقی یا امکانی کردار کو سمجھنا اشد ضروری ہے۔

زیر نظر کتاب نے متعدد آبی انتظام کی مجوزہ پالیسیوں مثلاً طلب آب کا انتظام، ضائع شدہ پانی کا دوبارہ انتظام اور مناسب قیمتوں کے تعین کے بارے میں اسلامی تناظر کو پیش کر کے تعمیر و ترقی کی راہ میں ایک بیش قیمت خدمت انجام دی ہے۔ اس بات پر وسیع اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ یہ پالیسیاں زیادہ منصفانہ، کارگر اور پائیدار آبی انتظام کو ممکن بنا سکیں گی۔ چونکہ آبی انتظام کے طریقے اور پالیسیاں، سماجی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی عوامل کے مجموعے سے متاثر ہوتی ہیں، جو سب کے سب مذہبی اقدار کے نظام سے تعلق نہیں رکھتے، اس لیے اسلامی اصول اور وہ اصول جن کو آجکل فروغ دیا جا رہا ہے مثلاً ڈبلن کے اصول، دونوں میں مطابقت توجہ کی طالب ہے۔ یہ مطابقت اس سے کہیں زیادہ غیر معمولی درجے کی ہے جتنی کہ منصوبہ ساز یا کارکنان سمجھ پائے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب ان محققین کے درمیان وسیع تر مکالمے کی راہ کھولتی ہے جو آبی انتظام کی سب سے زیادہ موثر حکمت عملیوں کی نشاندہی اور ان پر فوری عملدرآمد کے لیے کوشاں ہیں۔ یہ کتاب رکی پالیسی اور غیر رکی طریقوں پر بعض اثرات کے بارے میں ہماری معلومات میں اضافہ کرتی ہے اور ان تصورات کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے میں بھی مدد دیتی ہے۔

کیرو لین پیسٹیو

نائب صدر، پروگرام

بین الاقوامی ترقیات کا تحقیقی مرکز (IDRC)

اولوا، کینیڈا

اس کتاب میں متعدد مجوزہ آبی انتظام کی پالیسیوں کے بارے میں اسلامی نکتہ نظر معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان میں اس پانی کی شرح محصول جو زندہ رہنے کے لیے ضروری ہو، تحفظ آب، ضائع شدہ پانی کا دوبارہ استعمال، کمیونٹی کی بنیاد پر پانی کا انتظام، منصفانہ قیمتیں اور پانی کی منڈیوں جیسے معاملات شامل ہیں۔ اسلام ان اقدامات کو جو زیادہ منصفانہ، کارگر اور پائیدار آبی انتظام کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، بالعموم بعض شرائط کے ساتھ جائز تسلیم کرتا ہے۔ اسلام کے حوالے سے ان مسائل کا مطالعہ کر کے ورکشاپ کے شرکاء نے اسلامی آبی انتظام کے اصول وضع کئے۔ یہ اصول موجودہ دور کے پائیدار آبی انتظام کے اصولوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔

یہ کتاب بنیادی طور پر عالم اسلام میں آبی وسائل کے انتظام پر منعقدہ ایک ورکشاپ کے نتائج کو سامنے رکھ کر ترتیب دی گئی ہے۔ یہ ورکشاپ دسمبر ۱۹۹۸ء میں اردن کے دارالحکومت عمان میں بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) کے زیر اہتمام منعقد ہوئی تھی۔ اس کے انعقاد میں بین الاقوامی آبی وسائل کی ایسوسی ایشن (IWRA) اور آبی وسائل کی طلب اور انتظام کے بین الاقوامی نیٹ ورک (INWRDAM) کا تعاون شامل تھا۔ لیکن اس کتاب میں جو خیالات پیش کیے گئے ہیں اور جو نتائج اخذ کیے گئے ہیں وہ ورکشاپ کے شرکاء کی متفقہ رائے اور ان کی تصریحات کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) بین الاقوامی آبی وسائل کی ایسوسی ایشن (IWRA) یا بین الاقوامی آبی وسائل کی طلب اور انتظام کے بین الاقوامی نیٹ ورک (INWRDAM) کی سرکاری پالیسیوں کا مظہر نہیں ہیں۔

بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) کا جو کہ ایک کینیڈین ”کراؤن کارپوریشن“

ہے، مشن ہے ”طاقت بذریعہ علم۔“ اس کے اغراض و مقاصد میں ترقی پذیر دنیا کی ان کے سماجی، معاشی اور ماحولیاتی مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے تحقیقی کاموں میں بھی مدد کرنا یا خود تحقیق کرنا شامل ہے۔ اس ادارے کے ایک پروگرام کا نام ہے ”عوام، زمین اور پانی۔“ اس کا مرکز توجہ ایسی تحقیق ہے جو مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے عوام کی اس طرح مدد کرے کہ وہ زمینی اور آبی وسائل کا انتظام بہتر طریقے سے کر سکیں۔ اس پروگرام کا ایک خاص مقصد یہ بھی ہے کہ مقامی اور قومی پالیسیوں اور ادارہ جاتی انتظامات کو تقویت پہنچائی جائے تاکہ آبی وسائل کا معیار بہتر ہو اور ان تک رسائی زیادہ منصفانہ ہو سکے۔ مزید برآں، بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) کا انداز کار عوام کے گرد گھومتا ہے جس کے لیے اسٹاف کی بھی ضرورت پڑتی ہے اور تحقیق کرنے والے ساتھیوں کی بھی، تاکہ ہر تحقیقی مسئلہ پر اس سے مستفید ہونے والوں کے سماجی اور معاشی حالات کے پس منظر میں غور و غوض ہو سکے۔ چونکہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے بیشتر ممالک کی غالب اکثریت مسلمان ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام جدید دور کی آبی انتظام کی بعض پالیسیوں کا مخالف ہے اس لیے بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) نے مندرجہ ذیل مقصد کو سامنے رکھ کر اس ورکشاپ کا انعقاد کیا:

منتخب آبی انتظام کے طریقوں کے بارے میں اسلامی تناظر کی بہتر تفہیم اور ایسی تحقیق کی بنیاد رکھنا جو آبی انتظام کی ان پالیسیوں کے فروغ کے لیے لازمی ہوں جن کے نتیجے میں غریبوں کی زندگیوں میں بہتری پیدا ہو سکے۔

امید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب محققین، پالیسی سازوں، عطیہ دینے والی تنظیموں اور ان غیر سرکاری اداروں کے لیے مفید ثابت ہوگی جو مسلم اکثریتی ممالک میں کام کر رہے ہیں۔ اگرچہ ورکشاپ کے شرکاء آبی انتظام کے ان اصولوں پر متفق ہو گئے تھے جنہیں اسلامی خیال کیا جاسکتا ہے تاہم یہ اصول منفرد نہیں ہیں۔ جب کوئی مذہب اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو یہاں بھی وہی اقدار نظر آتی ہیں جو دوسرے دوتوحید پرست ابراہیمی مذاہب، عیسائیت اور یہودیت میں بھی موجود ہیں اور جن کی مقدس کتابوں پر مسلمانوں کا بھی ایمان ہے۔ اس لیے بقائے آب کے منصوبے میں مقامی اقدار کو ساتھ لے کر چلنے کے لیے، مثال کے طور پر مصر میں جہاں عیسائیوں کی بہت بڑی اقلیت آباد ہے، انجیل کی آیات کو بھی قرآنی آیات اور احادیث کے ساتھ ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے جو ایک دوسرے کا تکملہ ثابت ہوں گی۔ چونکہ یہ اقدار آفاقی نوعیت کی ہیں اس لیے یہ شخص ان تینوں قریبی تعلق رکھنے والے مذاہب میں ہی مشترک نہیں ہیں بلکہ دوسرے نظام ہائے عقائد میں بھی پائی جاتی ہیں۔

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں آبی انتظام کے سلسلے میں اس کتاب کی ایک خاص اہمیت ہے۔ تاہم اس سے قطع نظر، یہ کتاب ترقی کو اقدار و ثقافت کے حوالے سے پرکھنے کے عمل سے

حاصل ہونے والے فوائد کی ایک ٹھوس مثال پیش کرتی ہے۔ یہ انداز فکر، بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) کے اس فلسفے سے مطابقت رکھتا ہے جس کے تحت تعمیر و ترقی کے تحقیقی مسائل کو اس کے جنوبی شرکائے کار کے تناظر میں پرکھا جاتا ہے اور انہیں بھی تحقیق کے عمل میں شریک کیا جاتا ہے۔ بہر حال اقدار کی پرکھ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بیشتر سائنسداں اور ترقیات کے پیشرو ماہرین اپنے کام کے سلسلے میں مذہب یا اقدار کو کریدنے سے گریز کرتے ہیں تاکہ کسی قسم کی بد مزگی نہ پیدا ہو اور بحث کی ”معروضی“ حیثیت برقرار رہے۔ تاہم جہاں سائنس، ترقیات اور اقدار کا آمناسامنا ہو جائے وہاں پچنا ممکن نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ماضی میں شاید سائنسی طریقوں سے ضائع شدہ پانی کو اس حد تک صاف کرنا ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اندیشے کے بغیر دوبارہ استعمال کیا جاسکے۔ لیکن اب بعض صورتوں میں ایسا کرنا ممکن ہے۔ تو پھر یہ معلوم کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ اسلام جیسا مذہب جو دوسرے نظام ہائے عقائد کی طرح طہارت پر بہت زیادہ زور دیتا ہے، اس بارے میں کیا کہتا ہے؟

مشرق وسطیٰ میں اقدار کی چھان بین کا کام کچھ زیادہ ہی حساس ہو سکتا ہے کیونکہ یہاں غالب مذہب تو اسلام ہے مگر دوسرے مذاہب مثلاً عیسائیت، آتش پرستی اور یہودیت کے ماننے والے بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ برداشت اور باہمی احترام کے جذبے کے تحت درکشاپ کے شرکاء اس بات پر متفق تھے کہ مختلف نظام ہائے عقائد کے ماننے والے ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

اگرچہ اس کاوش کے ٹھوس نتائج کا اصل تعلق مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں پانی کے انتظام سے ہے، تاہم یہ کوشش اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے نظام ہائے عقائد اور تقاضوں کی بہتر تفہیم کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ کام ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہو اور حساس بھی ہو مگر یہ یقیناً قابل قدر ہے۔ مثال کے طور پر لاطینی امریکا میں انسانی حقوق کے بارے میں حالیہ بحث میں رومن کیتھولک چرچ کی شرکت کو لے لیجئے۔ اس خطے کے بہت سے کیتھولک شہریوں کے نزدیک چرچ نے اس بحث میں اخلاقی جہت کو شامل کر کے اور فیملی کے کردار اور انسانی فرائض اور حقوق پر زور دے کر اس مباحثے کو جائز قرار دے دیا ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ اسلام اور پانی کے بارے میں یہ تلاش و جستجو مختلف ترقیاتی حوالوں سے دوسرے نظام ہائے عقائد کی چھان بین کی طرف رہنمائی کرے گی۔

ناصر آئی فاروقی

اسیت کے بسواس

مراد بے بیو

اظہارِ تشکر

مذہب جیسے حساس موضوع پر لکھی گئی کتاب کی ادارت ہمیشہ سے امرِ دشوار رہی ہے۔ پھر کسی ایسے موضوع پر ٹھوس بیانات دینا مثلاً ”اسلام اور پانی“ جس پر ماضی میں شاید ہی کوئی تلاش و جستجو کی گئی ہو، دوہرے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کے شکر کے علاوہ ان خواتین و حضرات کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کے تعاون کے بغیر اس کتاب کی اشاعت ممکن نہ تھی: میری معاون سعیدہ خان جناب نے ورکشاپ کے انعقاد اور اس کتاب کی ادارت میں پُر جوش معاونت کی؛ عبد عبدالائی سوہوں نے سعیدہ کی اسکول واپسی کے بعد اس کام کو سنبھالا؛ فرانسس تھامسن؛ ڈاکٹر جمال سلیمان (اولوا کی مسجد کے امام) اور بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) کے رفقائے کار جنہوں نے مسودہ پر نظر ثانی کر کے قیمتی آراء سے نوازا؛ یلین جبار، غازی نقشبندی، عودہ الجیوسی، حسین عامری اور علاؤ الدین احمد جنہوں نے بڑی محنت سے فرہنگ الفاظ و معنی پر نظر ثانی کی، عربی کتابوں کے ناموں کا انگریزی ترجمہ کیا اور احادیث کے حوالے تلاش کیے؛ اور میرے شریک مدیران اور وہ تنظیمیں جن کی وہ نمائندگی کرتے ہیں یعنی ڈاکٹر اسیت بسواس (IWRA) اور ڈاکٹر مراد بینو (INWRDAM)۔ اردن میں ہونے والی ورکشاپ کے تمام شرکاء اور بالخصوص اس کتاب کے مصنفین شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنی نگارشات سے نوازا اور اس کتاب کے پہلے باب ”عمومی نظر“ کی تالیف اور نظر ثانی میں حصہ لیا۔ آخر میں، میں اپنی شریک حیات مناشہ کاممنون ہوں جنہوں نے میرے اس کام کے دوران میری غیر متزلزل اعانت کی۔

ناصر آئی فاروقی

تعارف

ناصر آئی فاروقی

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ (MENA) میں پانی بڑی تیزی کے ساتھ ترقیات کا ایک کلیدی مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ یہ خطہ دنیا بھر میں آبادی میں اوسط اضافے کی بلند ترین شرح (قریب قریب ۲۷۸ فیصد) رکھنے والوں میں سے ایک ہے اور اسے قدرتی پانی کی فراہمی کی شدید قلت کا سامنا بھی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خطے میں قابل تجدید پانی کی دستیابی جو ۱۹۶۰ء میں ۳۳۰۰ مکعب میٹر فی کس سالانہ تھی وہ ۱۹۹۶ء میں گھٹ کر ۱۲۵۰ مکعب میٹر فی کس سالانہ ہو گئی ہے اور توقع ہے کہ یہ ۲۰۲۵ء تک ۷۲۵ مکعب میٹر فی کس سالانہ تک گر جائے گی۔

خطے میں بہت سے ممالک میں پہلے ہی پانی کی دستیابی ۵۰۰ مکعب میٹر فی کس سالانہ سے بھی کم ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۹۰ء کی دہائی کے اوائل میں اردن، تیونس اور یمن میں سالانہ قابل تجدید تازہ پانی کی فراہمی فی کس بالترتیب ۳۲۷، ۵۴۰ اور ۴۳۵ مکعب میٹر تھی اور ان اعداد و شمار کی ۲۰۲۵ء تک خطرناک حد تک کم ہو جانے کی توقع ہے (World Bank ۱۹۹۵ء)۔ جزیرہ نمائے عرب کے تمام ممالک کے علاوہ اسرائیل، اردن اور لیبیا پہلے ہی سالانہ قابل تجدید فراہمی کے مقابلے میں کہیں زیادہ پانی خرچ کرتے ہیں۔ مصر، مراکش، سوڈان، شام اور تیونس بھی اسی خطرناک صورتحال کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ مزید برآں، جو پانی دستیاب ہے وہ بھی بڑھتی ہوئی آلودگی اور پمپوں کے ذریعے بہت زیادہ پانی کھینچے جانے کی وجہ سے کمتر معیار کا ہو گیا ہے۔ عام طور سے ۱۰۰۰ مکعب میٹر فی کس سالانہ سے کم پانی والے ملک کو اکثر ایسی قلت آب کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کے نتیجے میں ترقیات میں رکاوٹ پیدا ہونے لگتی ہے اور انسانی صحت پر مضر اثرات پڑنے لگتے ہیں (Falkenmark and Lindh ۱۹۷۴ء)۔ اگر پانی کی فراہمی ۵۰۰ مکعب میٹر فی کس سالانہ رہ جائے تو یہ شدید آبی بحران کی نشاندہی کرتا ہے۔

آبادی میں بڑھتے ہوئے اضافے اور شہروں کی طرف آبادی کی تیزی سے منتقلی کے رجحان سے پانی کی طلب کا مسئلہ اور بھی گمبھیر ہوتا جا رہا ہے۔ اگرچہ کم ترقی یافتہ ممالک میں شہری آبادی میں اضافے کی مجموعی شرح ۱۹۹۵ء سے ۲۰۱۵ء کے دوران اندازاً ۲۹ فیصد رہی تاہم مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ (MENA) کے ممالک میں یہ شرح اس سے بھی زیادہ ہے یعنی ۳۲ فیصد۔ ۲۰۱۵ء تک شہری علاقوں میں رہنے والی کل آبادی کا تناسب ۶۶ فیصد ہو جائے گا جبکہ کم ترقی یافتہ ممالک کا مجموعی تناسب ۴۹ فیصد ہوگا (UNDP ۱۹۹۸ء)۔

یہی وہ صورتحال ہے جس کے تناظر میں قومی حکومتیں، غیر سرکاری تنظیمیں اور عطیہ دینے والے ادارے جن میں بین الاقوامی ترقیات کا تحقیقی مرکز (IDRC) بھی شامل ہے، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ (MENA) کی کل آبادی کو ان کی ضروریات کی تکمیل کے لیے مناسب مقدار میں تازہ پانی کی فراہمی کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے کام کر رہے ہیں۔

اقدار اور ترقیات

پانی جیسے وسیلے کے بارے میں لوگوں کے سوچنے کے انداز اور اس کے انتظام کے طریقوں پر ثقافت بشمول مذہب، واضح طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگرچہ ماضی میں ترقیاتی منصوبے بناتے وقت اس پہلو کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے تاہم آج کل تمام ترقیاتی ادارے پالیسی بناتے وقت مقامی ثقافت اور اقدار کی اہمیت کو تسلیم کرنے لگے ہیں۔ پھر بھی یہ لازمی نہیں ہوتا کہ ان کے منصوبوں میں ان کی عکاسی بھی ہو۔ جن منصوبوں میں ثقافت کو نمایاں جگہ دی جاتی ہے وہ عموماً چھوٹے گروہوں خاص طور پر دیہی علاقوں کی دیسی ٹولیوں تک ہی محدود ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کینیا کے مسائی جن کے عقائد اور ان کے خانہ بدوشوں کی طرح جنھوں کی طرز زندگی کے مابین ایک ربط موجود ہے۔ یا پھر یہ منصوبے کسی خاص معاملے پر مرکوز ہوتے ہیں مثلاً ان معاشروں میں جہاں مردوں کا غلبہ ہوتا ہے، عورتوں کی خواندگی پر اثرات۔ اگرچہ یہ مطالعے مفید ہیں مگر عطیہ دینے والے ادارے صرف مخصوص مسائل پر توجہ مرکوز رکھنے کی طرف مائل ہیں جیسے صنعتی عدل۔ انہیں وسیع تر ثقافتی حوالوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اس نوعیت کے مطالعے مشرق وسطیٰ میں بہت ہی کم کیے گئے ہیں۔ لیکن یہ صورتحال صرف اس خطے یا صرف مسلم آبادیوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ نہ تو لاطینی امریکا میں خاندانی منصوبہ بندی کی پالیسیوں پر کیٹھولک عقیدے کے اثرات کا کوئی مطالعہ کیا گیا ہے اور نہ ہندوستان میں زمین کے انتظام پر ہندومت کے اثرات پر کوئی تحقیق ہوئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ خیال پھیلتا جا رہا ہے کہ ایسے جامع اور

واقع مطالعے جن میں کسی مذہب یا ثقافت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہو، ایک ایسی دنیا میں جس میں عالمگیریت اور شہری زندگی کا دور دورہ ہو، غیر اہم ہوتے جا رہے ہیں کیونکہ یہ دنیا ایک مشترک مادہ پرست ثقافت کی طرف بڑھ رہی ہے جس میں مذہب اور عقائد کی حیثیت کم تر ہوتی جا رہی ہے۔

تاہم محققین، پالیسی ساز اور عطیات دینے والی تنظیمیں ان ترقیاتی منصوبوں کی ناکامی تسلیم کرنے لگی ہیں جو مقامی اقدار سے صرف نظر کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے ماحولیاتی پروگرام (UNEP) نے اخلاقیات پر مضامین کا ایک مجموعہ تیار کیا کیونکہ ”اگر ریوڈی جینرو میں حاصل شدہ اتفاق رائے کو کوئی معنی دینا ہے تو اسے اس تصور میں پیوست ہونا چاہیے کہ انسان کے لیے کون سا رویہ مناسب ہوگا تاکہ کرہ ارض اور اس کی نعمتیں سب کے کام آسکیں۔“ (UNEP ۱۹۹۳ء، ص: ۲) اقوام متحدہ کے ادارہ خوراک و زراعت (FAO) نے ۱۹۵۳ء میں پہلی بار مسلمان ملکوں میں پانی کے حقوق کے مسئلہ پر نظر ڈالی اور بعد میں ۱۹۷۳ء میں ”مسلم ممالک میں آبی قوانین“ کے موضوع پر ایک مطالعہ شائع کیا۔ ۱۹۹۶ء میں عالمی ادارہ صحت (WHO) نے مذہب کے ذریعہ صحت کی تعلیم پر کتابچوں کا ایک سلسلہ شائع کیا تھا جس میں اسلام میں پانی اور ماحولیاتی صحت کے مضامین کو موضوع بحث بنایا گیا تھا۔ ۱۹۹۵ء میں عالمی بینک نے ”اخلاقیات اور روحانی اقدار: ماحولیات کے اعتبار سے پائیدار ترقی کا فروغ“ کے موضوع پر ایک کانفرنس کا انعقاد کیا۔ آج کل یہ بینک دنیا کے نو مذاہب کے رہنماؤں سے صلاح مشورہ کر رہا ہے تاکہ عالمی غربت کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے افہام و تفہیم اور عمل کا دائرہ کار وسیع کیا جاسکے۔ کینیڈا کی بین الاقوامی ترقیاتی ایجنسی (CIDA) نے بھی ۱۹۹۶ء میں ”پائیدار ترقی میں روحانیت“ کے موضوع پر ایک ڈائلاگ کا اہتمام کیا تھا۔ حال ہی میں قائم شدہ عالمی آبی کمیشن (WWC) جس میں عالمی بینک کے راک فیملر فاؤنڈیشن، کارنیگی انڈومنٹ، ورلڈ کنزرویشن یونین اور عرب فنڈ برائے معاشی و معاشرتی ترقی کے سینئر نمائندے شامل تھے، مذہب اور پانی کے انتظام کے طریقوں کے درمیان ربط پر تحقیق کر رہی ہے۔

بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) میں بھی آج کل سائنس، مذہب اور ترقیات کے بارے میں ایک منصوبے پر کام ہو رہا ہے جو دراصل ثقافت، روحانیت اور معاشی ترقی کے موضوع پر ایک مطالعے کے نتیجے میں شروع کیا گیا ہے۔ اس مطالعے کا مقصد یہ ہے کہ بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) کی انسانی اقدار اور عقائد کے نظام اور مستقبل کے ترقیاتی کام کو اچھی طرح مربوط کرنے میں اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے، معاونت کی جائے (Ryan ۱۹۹۵ء)۔ بین الاقوامی ترقیات کا تحقیقی مرکز (IDRC) ماضی میں بھی اقدار کے موضوع پر کئی مطالعوں کا مہتمم یا شریک مہتمم

رہا ہے جس میں ۱۹۸۸ء میں تھائی لینڈ میں منعقدہ کانفرنس جس کا موضوع تھا ”خاندانی منصوبہ بندی میں اخلاقیات اور انسانی اقدار“ ۱۹۸۵ء میں ایتھوپیا میں منعقدہ مطالعہ جس کا موضوع تھا ”علم کے حصول میں روایتی اور مذہبی عقائد کے اثرات“ اور ۱۹۷۶ء میں افریقہ کی لواپلان (Luapulan) ماہی گیروں کی آبادیوں میں مذہب، قرابت داری اور محنت اور ان کے اثرات پر مقالہ شامل ہیں۔

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ (MENA) میں اسلام

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں اساسی اقدار پر غور و خوض خاص طور سے اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس خطے میں تیس کروڑ مسلمانوں کے علاوہ مختلف مذاہب سے وابستہ بڑی بڑی اقلیتیں بھی آباد ہیں۔ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام بھی محض عبادات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ لفظ مذہب کے مضمرات میں ذاتی اخلاق اور رویے بھی آجاتے ہیں (Bankowski et al. ۱۹۸۸ء، ص: ۲۲۲)۔ مذہب درحقیقت انسانی زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے مثلاً خرید و فروخت، معاہدے، شادی بیاہ، خاندان اور انتہائی قریبی تعلقات کے معاملات کے علاوہ دیگر بنیادی مسائل مثلاً خورد و نوش اور ذاتی صحت و صفائی بھی اسی زمرہ میں آتی ہیں۔

اسلام میں بطور مذہب^۲ سیکولرزم یعنی مسجد اور ریاست میں علیحدگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اگرچہ اب معدودے چند مسلم ممالک ہی اپنے سیاسی، عدالتی، معاشی یا دستوری نظاموں کو مکمل طور پر اسلامی قوانین کی بنیاد پر استوار کیے ہوئے ہیں تاہم اسلام کا اثر اتنا گہرا ہے کہ ”مغرب زدہ“ ممالک مثلاً تیونس اور مراکش کو بھی ”سیکلر“ نہیں کہا جاسکتا۔ درحقیقت ترکی کے سوا مشرق وسطیٰ میں کسی دوسرے ملک کو خالصتاً سیکولر کہنا مشکل ہے۔ اس کے مقابلے میں نیم سیکولر ممالک میں بھی مذہبی اقدار کی طرف جھکاؤ جن پر عموماً اسلام کی چھاپ ہوتی ہے، بہت عام ہے۔ یہ چیز کسی مغربی ملک میں آج بھی عجیب و غریب معلوم ہوگی۔ مثال کے طور پر کینیڈا میں بلدیہ کا آب رسانی کا ادارہ یعنی گریٹر ویکوور ریجنل ڈسٹرکٹ (Greater Vancouver Regional District) پانی کے تحفظ کی اپیل کرتے ہوئے کبھی بھی بائیسل کی کسی آیت کا حوالہ نہیں دے گا۔ تیس سال پہلے کے کینیڈا میں بھی جبکہ وہ آج کے مقابلے میں کہیں کم سیکولر تھا، ایسا نہیں ہو سکتا تھا تاہم اردن میں جو ایران اور سعودی عرب کے مقابلے میں نسبتاً سیکولر ملک ہے اور جہاں مذہبی اقلیتیں قابل لحاظ تعداد میں موجود ہیں، وزارت آب، آبادی میں تحفظ آب کی تشہیر کے لیے سیکولر نعروں کے ساتھ ساتھ اسلامی مآخذ سے لیے ہوئے اقوال بھی استعمال کرتی ہے۔

مزید بر آں نخلے میں گزشتہ بیس سال کے عرصے میں اسلام کا اثر بڑھ گیا ہے۔ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ (MENA) کی گھٹی ہوئی فی کس فراہمی آب کا شدید چیلنج دو باتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

• پالیسی سازوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ ان مسائل کے حل کے لیے تمام دستیاب آلات استعمال کریں جن میں وہ بھی شامل ہیں جنہیں ماضی میں نظر انداز کیا گیا مثلاً ثقافت اور اقدار؛ اور

• شعبوں میں بڑھتا ہوا مقابلہ اور ایک ہی پانی پر افراد اور گروہوں کے دعوؤں کا مطلب یہ ہوگا کہ فیصلے اور قربانیاں بھی مقامی سطح پر ہی کرنی ہوں گی اور ان قربانیوں کی نوعیت اور حدود، ذاتی اور آبادی کی اقدار پر منحصر ہوں گی۔

ڈبلن کے اصول

آبی انتظام پر ابھرتے ہوئے اتفاق رائے کا تازہ ترین خاکہ ڈبلن، آئرلینڈ میں منعقدہ UNEP آبی کانفرنس (۱۹۹۲ء) میں بتایا گیا۔ اس کانفرنس میں جن اصولوں پر اتفاق رائے ہوا اور جن کا حوالہ اکثر دیا جاتا ہے وہ یہ ہیں:

- پانی ایک سماجی بھلائی ہے۔
- پانی ایک معاشی بھلائی ہے۔
- پانی کا انتظام شراکتی اور مربوط ہونا چاہیے؛ اور
- پانی کے انتظام میں خواتین مرکزی کردار ادا کرتی ہیں۔

چونکہ یہ اصول یا مقاصد بڑے عمومی نوعیت کے ہیں اس لیے آبی انتظام کے ماہرین نے ان پالیسیوں کی نشاندہی کر دی ہے جن سے ان کو حاصل کیا جاسکتا ہے مثلاً حیات بخش پانی کے محصولات، پانی کا تحفظ، شرجوں میں اضافہ، ضائع شدہ پانی کا دوبارہ استعمال، نجکاری، آبی منڈیاں اور کیوٹی کی بنیاد پر پانی کا انتظام۔ پالیسی ساز عام طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ یہ طریقہ کار بعض شرائط کے ساتھ بڑے قابل قدر ہیں اور عدل کے فروغ میں مدد دیں گے۔ مگر بعض مسلمانوں نے ڈبلن کانفرنس سے پہلے اور بعد میں یہ کہا ہے کہ اسلام پانی کی فروخت اور ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کے خلاف ہے۔ اس قسم کے بیانات پر مشتمل لٹریچر پھیلا یا گیا ہے مثلاً ”ایسے مذاہب ہیں (مثال کے طور پر اسلام) جو منڈی کی قوتوں کے ذریعہ پانی کی مختص کاری کو ممنوع قرار دیتے ہیں“ (Webb and Iskandarani ۱۹۹۸ء، ص: ۳۴)۔ اس لیے ہماری ورکشاپ کا مقصد یہ تھا کہ ان

مجوزہ طریقوں کے بارے میں اسلامی تصورات کو جانچا جائے، آیا اسلام ان سے اتفاق کرتا ہے یا نہیں؟ اگر اتفاق کرتا ہے تو کن حدود کے ساتھ؟ اسلام میں ان بنیادی اقدار کا جائزہ لیے بغیر ڈبلن کانفرنس کے مقاصد کو حاصل کرنا دشوار ہوگا۔ یعنی مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے بہت سے حصوں میں فراہمی آب کے بارے میں عدل میں اضافہ، بہتر کارکردگی اور پائیداری ممکن نہیں ہو سکے گی۔

ورکشاپ کا دائرہ کار

ان خیالات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ورکشاپ کے لیے مقالات کی درخواست کرتے ہوئے چار خاص موضوعات اور متعدد ذیلی موضوعات پر خلاصے لکھنے کی دعوت دی گئی:

- ۱۔ پانی بطور سماجی بھلائی
اسلام میں عدل کی اہمیت؛
حقوق کی درجہ بندی اور ترجیحات؛ اور
ماحول کے حقوق
- ۲۔ طلب آب کے انتظام کے غیر معاشی وسائل
اسلام میں تحفظ آب؛
عوامی شعور؛ اور
ضائع شدہ پانی کا دوبارہ استعمال اور انتظام
- ۳۔ طلب آب کے انتظام کے معاشی وسائل
اسلام میں پانی کی تجارت اور لاگت کی وصولی کی اجازت؛
پانی کی قیمتوں کا تعین؛
بین الشعبہ جاتی آبی تجارت؛
ترسیل آب کی خدمات کی نجکاری؛ اور
بین الشعبہ جاتی پانی کی منڈیاں اور دوبارہ مختص کاری
- ۴۔ مربوط آبی انتظام
پانی کے انتظام میں کمیونٹی کی شرکت؛
بین الاقوامی آبی انتظام؛ اور
قومی سطح پر پالیسی سازی

اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ مینٹگ چھوٹی ہو مگر مقالے اعلیٰ معیار کے ہوں جنہیں ایسے ماہرین نے تیار کیا ہو جو اسلام سے پوری واقفیت رکھتے ہوں اور انگریزی زبان پر بھی قادر ہوں، بہت تھوڑے سے جواب دہندگان کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے خلاصوں کو مکمل مقالوں میں تبدیل کر کے ورکشاپ میں شریک ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگرچہ ورکشاپ نے ان موضوعات پر نئے نقطہ ہائے نظر پیش کیے جن پر توجہ مرکوز رکھنے کی درخواست کی گئی تھی مگر دوسرے موضوعات مثلاً اسلام اور کمیونٹی کی بنیاد پر آئی وسائل کا تقاضا، مزید تحقیق کے متقاضی ہیں۔ اگرچہ مقالہ نگاری کی دعوت ساری دنیا میں دی گئی تھی لیکن زیادہ تر جواب دہندگان کا تعلق مشرق وسطیٰ سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مقالات میں زیادہ تر مثالیں اسی خطے سے دی گئی ہیں۔ لیکن اس کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) کی پانی کے حوالے سے سب سے بڑی کوشش ”لوگ، زمین اور پانی“ مشرق وسطیٰ اور افریقہ پر ہی توجہ مرکوز رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ مسلمانوں کی اکثریت والے دنیا بھر کے تمام خطوں میں یہی خطہ پانی کے چیلنج کا شدید ترین مقابلہ کرتا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اسی خطے پر توجہ مرکوز رکھی جائے۔ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ (MENA) اور ”مسلم ممالک“ کی اصطلاحیں اس کتاب میں کہیں کہیں ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال کی گئی ہیں۔ تاہم اخذ شدہ نتائج اکثریت والے مسلم ممالک پر ہی منطبق نہیں ہوتے بلکہ ان کا اطلاق دوسرے ممالک پر بھی ہوتا ہے اور یقیناً ان مسلم ممالک پر بھی جو مشرق وسطیٰ میں نہیں ہیں۔ اس کتاب کا پہلا باب ورکشاپ میں پڑھے گئے مقالوں کا اور ان اصولوں کا جن پر اتفاق رائے ہوا، ایک عمومی جائزہ پیش کرتا ہے، ساتھ ہی ساتھ بحث و تجویز کے نتیجے میں سامنے آنے والے نکتوں پر مزید تحقیق کے لیے مشورے بھی دیتا ہے۔ اس کے بعد مقالات دیئے گئے ہیں۔ قارئین کی سہولت کے لیے اسلامی مآخذ کا مختصر تذکرہ بھی دیا گیا ہے۔

حواشی

- ۱۔ اس کتاب میں مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ (MENA) کی اصطلاح خطے کے ان ممالک کے لیے استعمال کی گئی ہے جہاں بین الاقوامی ترقیات کا تحقیقی مرکز (IDRC) مختلف منصوبوں میں مدد دے رہا ہے: الجزائر، مصر، اردن، لبنان، مراکش، فلسطین، سوڈان، شام، تیونس اور یمن۔
- ۲۔ پوری کتاب میں ’اسلام‘ (بطور مذہب) اور مسلمان (بطور معتقدین) میں فرق ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ’اسلامی‘ اور ’مسلم‘ کی اصطلاحات ہم معنی نہیں ہیں کیونکہ انفرادی طور پر مسلمان کے افعال ہمیشہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق نہیں ہوتے۔ یہ بیان ان پر رائے زنی نہ سمجھی جائے۔ یہ محض ایک مشاہدہ ہے کہ کچھ مسلمان مذہب کے

حوالے سے زیادہ باعمل ہوتے ہیں اور کچھ کم۔

۳۔ ”پانی اور ماحول: ۲۱ ویں صدی کے ترقیاتی مسائل“ کے موضوع پر منعقدہ کانفرنس نے تازہ پانی کے وسائل کے اندازے لگانے اور ترقیات اور انتظام پر نئے انداز فکر کا مطالبہ کیا۔ آبی وسائل کے انتظام میں اصلاحات کی اس ضرورت کی جون ۱۹۹۲ء میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام ارضی سربراہی کانفرنس (ارتھ سمٹ) ریوڈی جینرو، برازیل میں تصدیق کر دی گئی۔

REFERENCES

حوالے

- Bankowski, Z. Barzelatto, J., and Capron, A. M. (eds.) (1988), *Ethics and Human Values in Family Planning: Conference Highlights, papers and Discussion: 22nd Council for International Organizations of Medical Sciences (CIOMS) Conference, Bangkok, Thailand, 19-24 June*, WHO, Special Programme of Research, Development and Research Training in Human Reproduction, Geneva.
- Falkenmark, M., and Lindh, G. (1974), "How Can We Cope with Water Resources Situation by the Year 2050?" *Ambio* 3 (3-4), pp. 114-22.
- Ryan, William F. (1995), *Culture, Spirituality and Economic Development: Opening a Dialogue*. International Development Research Centre, Ottawa.
- UNDP (United Nations Development Programme) (1998), *Human Development Report 1998*, Oxford University Press. New York.
- UNEP (United Nations Environment Programme) (1994), *Ethics and Agenda 21: Moral Implications of a Global Consensus*, UNEP, Nairobi.
- Webb, Patrick and Maria Iskandarani (1998), *Water Insecurity and the Poor: Issues and Research Needs*. Center for Development Research, Universität Bonn, Bonn.
- World Bank (1995), "Earth Faces Water Crisis" (press release), World Bank, Washington, D.C.
- Yusuf Ali, A. (1977), *The Holy Qur'an: text translation, and commentary*. American Trust Publications for The Muslim Student Association of the United States and Canada, Plainfield, Ind.

اسلامی مآخذ

ناصر آئی فاروقی اور عودہ الجیوسی

ممکن ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اسلام کے بارے میں بطور دین کچھ عام معلومات حاصل ہوں یا وہ اس قابل ہوں گے کہ دوسرے ذرائع سے اس کے متعلق معلومات حاصل کر سکیں، مگر اس کا امکان قدرے کم ہے کہ وہ ان اسلامی مآخذ سے واقفیت رکھتے ہوں گے جن پر ہماری تحقیق، استدلال اور حاصل شدہ نتائج مبنی ہیں۔

شریعت یا اسلامی قانون جس کا حوالہ اس کتاب میں جا بجا ملتا ہے، مذہب اسلام کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، اس میں عقائد اور اعمال دونوں شامل ہیں۔ شریعت کو بنیادی طور پر قرآن کریم اور سنت نبوی سے اخذ کیا جاتا ہے (سنت کا مطلب نبی کریم ﷺ کا وہ طرز زندگی ہے جس کا احادیث سے یعنی نبی کریم ﷺ نے جو کچھ فرمایا یا کیا، اس کے مستند بیان سے پتا چلتا ہے) علاوہ ازیں اجتہاد (ملاش و جستجو، تشریح اور مسلمان اسکالروں کی جدت طرازی) کے ذریعے۔ اگر کسی بات کو عملی طور پر مستند تسلیم کرنا ہے تو اس کے اسلامی تناظر کو انہی مآخذوں کی بنیاد پر پیش کرنا لازمی ہے بالخصوص پہلے دو مآخذ۔ اس لیے اسلام کے بارے میں تمام معقول مباحثوں کی طرح اس کتاب میں بھی قرآن و سنت کے حوالے بار بار دیئے گئے ہیں۔

اسلامی اقدار کا بنیادی مآخذ قرآن کریم ہے۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ نبی کریم ﷺ پر نازل کیا گیا۔ قرآن بلاشبہ چند ایسے مخصوص نسخے تجویز کرتا ہے جو قانون کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن بنیادی طور پر یہ ایسے عمومی اخلاقی رہنما اصول دیتا ہے جو مسلمانوں کو اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں مدد دے سکیں۔ قرآن خود اپنے بارے میں کہتا ہے ”یہ قرآن مردوں کے لیے بیان صریح اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت اور

نصیحت ہے،^۲

سنت نبی کریم ﷺ کے ارشادات، افعال یا جس عمل کو انہوں نے پسند فرمایا، اس پر مبنی ہے۔ اسلام میں سنت نبوی کا اتباع کرنے کی اس قدر اہمیت اس لیے ہے کیونکہ قرآن نے اس کی ہدایت کی ہے۔ مثلاً ”اے مومنو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو“۔ مسلمانوں کے لیے نبی کریم ﷺ کی ذات ایک مکمل نمونہ عمل اور قائد کی حیثیت رکھتی ہے اور جو معاشرہ انہوں نے اپنے گرد قائم کیا وہ بھی مشفقانہ اور عادلانہ معاشرے کی ایک مثال ہے۔ اسلام میں نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو جس درجہ اہمیت حاصل ہے اس کی مثال بعض دوسرے مذاہب میں ملتی مشکل ہے۔ اگر قرآن مسلمانوں کے لیے قطب نما کی حیثیت رکھتا ہے تو سنت نبوی اس کرۂ ارض پر انسانی سفر کے لیے ایک بڑے تفصیلی نقشے کی طرح ہے۔

نبی کریم ﷺ کے بعض صحابہ یا ساتھی حضور کے ارشادات یا افعال کو یاد کر لیا کرتے تھے اور انہیں لکھ لیا کرتے تھے۔ یہ تحریری بیانات حدیث کہلاتے ہیں جن کے مستند ہونے کی بعد میں چھان بین کی گئی۔ اس کام میں چند عوامل کو بنیاد بنایا گیا جیسے آزادانہ تصدیق، روایتوں کے سلسلے کی صحت، سلسلے کے تمام راویوں کا قابل اعتبار ہونا اور قرآن اور دوسری احادیث سے مطابقت ہونا۔ بعض مخصوص احادیث کو حدیث قدسی کہا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ احادیث درحقیقت وحی الہی ہیں جنہیں رسول کریم ﷺ کی زبان مبارک سے ادا کر دیا گیا۔ علم تنقید حدیث (مصطلح الحدیث) جس پر محدثین عمل کرتے ہیں، اس میں اس پر بھی غور کیا جاتا ہے کہ کیا یہ حدیث کسی مخصوص حالات یا زمانے کے لیے ہے یا اس کا اطلاق دوسرے حالات میں بھی ہو سکتا ہے؟ احادیث کے بہت سے مجموعے ہیں جن میں سے چھ کو زیادہ صحیح اور معتبر تصور کیا جاتا ہے۔ ان کے جامعین کے نام یہ ہیں: امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام مالک، امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ۔ اس کتاب میں ہم نے عالم CD-ROM کے مجموعہ احادیث پر انحصار کیا ہے تاکہ یکسانیت رہے اور بعد کے محققین کو آسانی ہو؛ بعض مقامات پر ہم نے حدیث انسائیکلو پیڈیا سی ڈی سے بھی استفادہ کیا ہے۔^۳

قرآن کریم اور سنت نبوی کے علاوہ بدلتے ہوئے حالات میں پیدا ہونے والے نئے سوالات سے نمٹنے کے لیے اجتہاد کی مدد بھی لی جاسکتی ہے۔ بنیادی طور پر اجتہاد کے ذریعہ شریعت کا ارتقاء اپنے مصادر (یعنی قرآن و حدیث) سے ہی ہوتا ہے۔ اجتہاد کے لیے پانچ ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں: قیاس (مماثلت)، اجماع (ماہرین شریعت کا اتفاق رائے)، استحسان (ماہرین شریعت

کی ترجیح)، مصلحت یا استصلاح (عوامی مفاد یا انسانی بہبود) اور استصحاب (تواتر یا استقلال)۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام میں 'بدعت سینہ' کی ممانعت ہے یعنی اسلام کے بنیادی ارکان مثلاً وحدانیت خداوندی کے بارے میں شک و شبہ پیدا کرنا۔ تاہم مختلف النوع زاویوں سے نئے مسائل اور سوالات کے بارے میں جو آج کے متحرک معاشرے میں جنم لے رہے ہیں، تخلیقی تلاش و جستجو کی شدید ضرورت ہے۔ البتہ یہ قرآن اور حدیث کے مقرر کردہ رہنما اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے۔ اسی قسم کے جذبہ تحقیق کے تحت اس کتاب کی تالیف کا کام شروع کیا گیا تھا۔

حواشی

۱۔ قرآن کریم کی مستند شکل تو عربی کے متن میں ملتی ہے اور عربی زبان میں ہر لفظ کی تذکیر و تانیث کی شکلیں الگ الگ ہوتی ہیں اور قواعد کی رو سے مذکر مؤنث سے پہلے آتا ہے۔ اس لیے جہاں کہیں قرآن و حدیث کے حوالوں میں لفظ وہ مذکر کے طور پر استعمال ہوا ہے، فی الواقع مرد و عورت دونوں کے لیے ہے۔ اس کی مندا یک حدیث سے بھی ملتی ہے جس میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ کسی عورت نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ آپ نے جو عمومی احکامات مردوں کو مخاطب کر کے دیے ہیں کیا وہ عورتوں پر بھی نافذ ہوتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا "ہاں! عورتیں، مردوں کی ہم منصب ہیں۔" (ابوداؤد: ۲۳۶)

۲۔ ۱۳۸:۳

۳۔ ۵۹:۴

۴۔ عالم سی ڈی روم (CD-ROM) میں احادیث قدسی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری، موطا اور صحیح مسلم، ترمذی اور سنن ابوداؤد کی تفصیص موجود ہے (شاہ ۱۹۸۶ تا ۱۹۹۶ء) Hadith Encyclopedia میں بھی سوار موجود ہے۔ (Sakhr ۱۹۹۲ء)

REFERENCES

حوالے

- Sakhr (1992), *Hadith Encyclopedia* (CD version 2.0), Sakhr Software Company, Sakhr Building, Nasr Company, Free Zone, Cairo.
- Shah, Shahid N. (1986-96). *The Ailm for Windows* (release 4.5), ISL Software Corporation.
- Yousuf Ali, A. (1977), *The Holy Qur'an. Text, Translation, and Commentary*, American Trust Publications for The Muslim Student Association of the United States and Canada, Plainfield, Ind.

اسلام اور پانی کا انتظام: عمومی نظر اور مبادیات

ناصر آئی فاروقی

یہ باب بنیادی طور پر ان مقالات اور مباحث پر مشتمل ہے جو عالم اسلام کے آبی وسائل کے انتظام پر منعقدہ ورک شاپ میں پیش کیے گئے۔ علاوہ ازیں دوسرے ذرائع سے حاصل شدہ تجزیے اور جائزے بھی اس میں شامل کیے گئے ہیں۔ عمومی جائزے کے بعد پانی کے انتظام کے اسلامی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ سفارشات بھی ہیں۔ مزید اہم تحقیق کا ذکر بھی ہے اور حاصل شدہ نتائج بھی درج کیے گئے ہیں۔

پانی بطور سماجی بھلائی

اسلام میں پانی کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت تصور کیا جاتا ہے جو حیات آفریں بھی ہے اور حیات پرور بھی۔ یہ بنی نوع انسان اور کرہ ارض کی تطہیر کرتا ہے۔ پانی کے لیے عربی لفظ ”ماء“ ہے جو قرآن کریم میں تریسٹھ بار آیا ہے۔ عرش الہی کو پانی کے اوپر قائم ہونا بتایا گیا ہے اور بہشت کے بارے میں یوں مذکور ہے ”باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں“۔^۱ جیسا کہ کیونیرا (اس کتاب میں شامل اپنے مقالے میں) اشارہ کرتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ قرآن کریم میں ’انسان‘ کے بعد سب سے زیادہ قیمتی تخلیق ’پانی‘ بتائی گئی ہے۔ پانی کا حیات افزا وصف اس آیت سے ظاہر ہے ”اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا“۔^۲ پانی نہ صرف زندگی بخشتا ہے بلکہ ہر ذی حیات پانی سے ہی بنا ہے۔ ”ہم نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا ہے“۔^۳

یوں تو تمام نوع انسانی اپنی زندگی اور صحت کے لیے پانی پر انحصار کرتی ہے لیکن مسلمانوں میں وضو اور غسل کے حوالے سے اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک، نماز کے فائدے بتاتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے اس کو پانی کی تطہیری صفت سے تشبیہ دیتے ہوئے یوں فرمایا ہے ”بیخ وقتہ نمازوں کی مثال ایک ایسی نہر کی سی ہے جو تم میں سے کسی ایک کے گھر کے دروازے پر بہ رہی ہے اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہے“۔^{۱۲}

پانی اور عدل

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ معاشرے میں سماجی انصاف یا عدل کو یقینی بنانا اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اس حوالے سے خود سب کے لیے مثال قائم کی ہے۔ تقریباً تمام احادیث عدل کے تحفظ کا ذکر کرتی ہیں اور پانی کے بارے میں احادیث ان سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ”تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے“^{۱۳} ظاہر ہے کہ اس کا اطلاق وافر مقدار میں صاف اور تازہ پانی کی خواہش پر بھی اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ کسی اور شے کی آرزو پر۔ ایک مسلمان کو ضرورت سے زیادہ پانی ذخیرہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کو لازم ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اس پانی سے مستفید ہونے کا موقع دے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان تین (طرح کے) لوگوں میں جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نظر انداز کر دے گا ایک وہ ہوگا ”جس کے پاس راہ گزر کے قریب فالتو پانی (کا ذخیرہ) ہو اور وہ مسافروں کو اس سے فائدہ نہ اٹھانے دے“۔^{۱۴} قرآن کریم لوگوں کو دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے خلاف متنبہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ دنیا کی تمام دولت، اللہ، اس کے رسول، یتامی، حاجت مندوں اور مسافروں کے تصرف میں آنے کے لیے ہے اور یہ کہ یہ مال و دولت (محض) انہی کے درمیان نہ گردش کرتی رہے جو تم میں دولت مند ہیں“۔^{۱۵} فی الواقع پانی کو ایک ایسے ضروری وسیلے کی حیثیت سے جس پر ہر شخص کو ایک منصفانہ حصہ ملنے کا حق ہے، تسلیم کرانے پر اس حدیث میں زور دیا گیا ہے جو دراصل پانی کو اجتماع و وسیلہ قرار دیتی ہے جس پر امیر غریب سب کا حق ہے ”تین چیزوں میں مسلمان مشترک حصہ دار ہیں: گھاس (چراگا ہیں)، پانی اور آگ (بطور اپنڈھن)“۔^{۱۶}

نبی کریم ﷺ کی ہدایت پر آپ کے صحابی حضرت عثمان غنی نے جو بعد میں مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ راشد بنے رومہ (جزیرہ نمائے عرب کی ایک بستی) کا ایک کنواں خرید کر اس کا پانی

عام مسلمانوں کے لیے مفت فراہم کر دیا اور کنویں کو وقف کر دیا یعنی مذہبی مقاصد اور عام استعمال کے لیے اجتماعی ملکیت میں دے دیا۔

ماحول کے حقوق

عیسائیت اور یہودیت کی طرح اسلام نے بھی اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ وسائل پر جو اس نے اپنی مخلوق کے لیے مہیا کیے ہیں بنی نوع انسان کا پہلا حق تسلیم کیا ہے۔ مسلمان اسکالروں (Mallat ۱۹۹۵، ص: ۱۲۹) نے تسلیم کیا ہے کہ پانی کے استعمال کے حق کی ترجیحات یوں ہونی چاہئیں: اول حق شہفہ یا حق الشرب یعنی قانونِ عطش یا انسانوں کا پانی پینے یا پیاس بجھانے کا حق، دوم حق شہفہ یعنی مویشی اور پالتو جانوروں کا حق، سوم زراعت کے لیے آبِ پاشی کا حق۔ بہر کیف، جیسا کہ بعد میں اس موضوع پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے، اسلام میں ماحول کو ایسے حقوق حاصل ہیں جو واضح ہیں اور جن میں کسی غلطی کی گنجائش نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ انسانوں کو جانوروں کے حقوق سے آگاہ کرنے کے لیے ان (جانوروں) کا انسانوں سے موازنہ کرتا ہے: ”زمین پر (رہنے والا) کوئی ایسا جانور نہیں ہے اور نہ کوئی اپنے پروں پر اڑنے والا مگر وہ جو تمہاری طرح (حصہ ہیں) برادریوں کا“^۱۔ جانوروں کو پیاس سے مرنے نہیں دیا جاسکتا اور انسانوں کی پیاس بجھانے کے بعد جو پانی بچ جائے وہ ان کو دے دیا جانا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”کسی بھی جاندار کی خدمت پر اجر و ثواب ہے“^۲ اور ”جو صحرا میں کنواں کھودتا ہے... وہ کسی جانور کو اس کنویں پر اپنی پیاس بجھانے سے روک نہیں سکتا“^۳۔ مخلوقات میں سے کسی کو بھی پانی پلانے والے کا مرتبہ مندرجہ ذیل حدیث سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ ”ایک طوائف کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے بخش دیا کہ اس نے ایک کنویں کے قریب ایک نڈھال کتے کو پیاس سے مرنے کے قریب ہوتے دیکھ کر اپنا جوتا اتارا اور اسے اپنے دوپٹے سے باندھ کر اس کے لیے پانی نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس عمل کے عوض معاف کر دیا“^۴۔

قرآن کریم اس بات کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ پانی کا تحفہ نباتات کے لیے بھی ہے۔ ”ہر قسم کی روئیدگی“^۵ اور ”مختلف رنگوں“^۶ کی سیرابی بارش کے پانی سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ برساتا ہے۔ یہ آیات تصدیق کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پانی اس لیے مہیا کیا ہے تاکہ ہر ذی حیات چاہے وہ انسان ہو یا جانور یا پیڑ پودے، سب کو اس کی ضرورت کے مطابق پانی ملتا رہے۔ (Yusuf Ali ۱۹۷۷، نمبر ۳۱۰) جیسا کہ عامری نے (اس کتاب میں شامل اپنے مقالے میں) واضح کیا ہے،

غیر انسانی مخلوق کا حق ہے کہ وہ ایسا پانی کافی مقدار میں حاصل کر سکیں جو اچھا ہو کیوں کہ پانی کو روئیدگی کی نمونہ اور جانوروں کے پینے کے لیے موزوں ہونا چاہیے۔

انسان کا کردار بطور مہتمم

گرچہ انسان اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ پسندیدہ مخلوق ہے، ہم پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں تمام جانداروں تک پہنچ سکیں۔ جیسا کہ عامری نے (اس کتاب میں شامل اپنے مقالے میں) نشان دہی کی ہے اسلام کے مطابق انسان اور اس کے گرد و پیش جو کچھ ہے، اس کے باہمی تعلقات اس تصور کے گرد گھومتے ہیں کہ انسان اس کرۂ ارض پر اللہ کا خلیفہ یا اس کی طرف سے مقرر کردہ مہتمم ہے۔

خالد (۱۹۹۶) کہتے ہیں کہ اگرچہ ”ہم (انسان) قدرت کے اس کارخانے میں سب دوسروں کے ساتھ برابر کے حصے دار ہیں تاہم ہم پر کچھ اضافی ذمے داریاں بھی ہیں۔ ہم قطعاً اس کے مالک و مختار نہیں ہیں۔ ہم تو اس کے دوست اور نگہبان ہیں۔“ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ عربی لغت کے مطابق لفظ ”اسلام“ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں امن اور سلامتی، قرآن کریم اور احادیث میں ماحول کو جو خصوصی حقوق دیئے گئے ہیں ان کے بارے میں انصاری (۱۹۹۴ ص: ۳۹۴) یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ ”اسلامی طرز زندگی امن و سلامتی کا متقاضی ہے“ نہ صرف ماحولیات کے حوالے سے بلکہ انفرادی اور سماجی سطحوں پر بھی۔

انسانوں کی طرف سے ماحول کو آلودہ کرنے یا ان کی دوسری سرگرمیوں سے اس کے حسن ترتیب کو پرانگندہ ہونے سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے خصوصی احکامات موجود ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ ”زمین پر فساد نہ پھیلاؤ“^{۱۵} فساد کے معنی (اس کتاب میں شامل عامری کے مقالے کے مطابق) کرۂ ارض کے قدرتی نظام میں خلل ڈالنا یا قدرتی وسائل کو ناکارہ یا کم موثر بنانا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک بار اپنے صحابیوں کو ہدایت کی کہ وہ چڑیا کے انڈے اُسی گھونسلے میں واپس رکھ آئیں جہاں سے انہیں لائے تھے۔

اسلامی اسکالر اور حکمران پانی کے بے جا استعمال یا صاف پانی کو آلودہ بنانے یا گدلا کرنے کو جرم سمجھتے رہے ہیں اور اس کے لیے جرمانے تجویز کیے گئے ہیں۔ اس سے پانی کو آلودہ کرنے والوں پر جرمانے یا سزائیں عائد کرنے کے لیے قانون سازی کی اجازت حاصل ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت محمد الرسول ﷺ نے بجا طور پر کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے^{۱۶} اور تین

حکومتوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے یعنی ”پانی کے منبع کے پاس یا سڑک کے کنارے یا سائے تلے اجابت کرنے سے۔“ (الشیخ ۱۹۹۶ء)۔

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کی صورت حال

اسلام میں عدل پر جس شد و مد سے زور دیا گیا ہے اس کے پیش نظر مناسب ہوگا کہ پانی تک رسائی کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا جائے۔ کم ترقی یافتہ ممالک کے دیہی علاقوں میں آب رسانی، نکاسی اور صفائی کی خدمات کی کمی کا ذکر تو مختلف دستاویزات میں موجود ہے، مشرق وسطیٰ کے غریب اور خشک مسلم ممالک کی صورت حال بھی کچھ بہتر نہیں ہے۔ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ترقی پذیر مسلم ممالک (یعنی الجزائر، مصر، اردن، لبنان، مراکش، فلسطین، سوڈان، شام، تیونس اور یمن) کی تقریباً ۲۰ فیصد آبادی کو ۱۹۹۰ تا ۱۹۹۶ کے دوران صاف پانی میسر نہیں تھا اور اسی مدت میں تقریباً ۷۳ فیصد آبادی کو صحت و صفائی کی سہولت حاصل نہیں تھی (UNDP ۱۹۹۸ جدول ۷)۔

چونکہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے شہری علاقوں کے پھیلنے کی رفتار کم ترقی یافتہ ممالک کی اوسط رفتار سے زیادہ ہے^{۱۷} اس لیے پورے خطے کے شہروں کے اندر اور ان کے مضافات میں غیر منظور شدہ آبادیاں تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ ان کچی آبادیوں کو صاف پانی شاذ ہی میسر آتا ہے۔ اس طرح گندے پانی کی نکاسی کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو یہ آبادیاں منصوبہ بندی کے بغیر وجود میں آئی ہیں یا پھر ان میں شہری سہولتوں کی فراہمی میں قانونی یا سیاسی رکاوٹیں ہیں۔ نتیجتاً ان آبادیوں کے مکینوں کو نجی فروخت کنندگان سے پانی خریدنا پڑتا ہے۔ کم ترقی یافتہ ممالک میں ایسے محروم رہائشیوں کو پانی کی قیمت نکلنے کے ذریعے پانی حاصل کرنے والوں کے مقابلے میں اوسطاً ۱۰ تا ۲۰ گنا فی لیٹر زیادہ دینا پڑتی ہے۔ قیمت کا یہ تناسب بعض میونسپلٹیوں میں ۸۰ تا ۱۰۰ گنا تک بڑھ جاتا ہے (Bhatia and Falkenmark ۱۹۹۳ء)۔ مشرق وسطیٰ کے ان محروم مضافاتی غریب باشندوں کے پانی پر اخراجات کے اعداد و شمار انتہائی تلاش و جستجو کے باوجود حاصل نہ ہو سکے۔ البتہ اردن کے دارالحکومت عمان میں ۱۹۹۸ کے موسم گرما میں جب سخت گرمی پڑی تو وہ شدید قلت آب سے دوچار ہوا۔ یہی نہیں بلکہ پانی میں بدبو کی شکایت نے صورت حال کو اور رگڑ دیا۔ تب لوگوں کو مجبوراً بلیک مارکیٹ میں میٹکر والوں سے پانی خریدنا پڑا جس کی قیمت ۱۳ امریکی ڈالر فی مکعب میٹر تک پہنچ گئی تھی۔ (Bino and Al-Beirut ۱۹۹۸ء)۔ اردن میں عام موسمی حالات میں بھی غریبوں کو کافی مہنگا پانی ملتا ہے۔ ایک غیر رسمی جائزے (جو ۱۹۹۸ میں بین الاقوامی

ترقیات کے تحقیقی مرکز کے دورہ عمان کے موقع پر کیا گیا) کے مطابق عمان کے ”الحسین“ پناہ گزین کیمپ کے کیمپوں کو جنہیں میونسپلٹی سے پانی نہیں ملتا تھا، اپنے ان پڑوسیوں سے جنہیں نلکے سے پانی ملتا تھا، ۱۲ امریکی ڈالر فی مکعب میٹر پانی خریدنا پڑا۔ یہ قیمت ان صارفین کے مقابلے میں چوگنی تھی جنہیں حکومت پانی فراہم کرتی ہے جبکہ سرکاری قیمت میں پانی کے علاوہ نکاسی آب اور صفائی کی خدمات بھی شامل تھیں۔ ۱۲ امریکی ڈالر فی مکعب میٹر اس لاگت سے بھی کہیں زیادہ ہے جو میونسپلٹی کو سمندر کے کنارے پانی کو صاف کرنے اور اسے تقسیم کرنے پر پڑتی ہے۔ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں پانی اور اس کی عادلانہ تقسیم کا مسئلہ دراصل ایک باقاعدہ اور گہرے مطالعے کی بنیاد پر مزید تحقیق چاہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سہولتوں سے محروم لوگ اُن بھولی بھری کچی آبادیوں میں رہتے ہیں جو اکثر بڑے بڑے تحقیقی مطالعوں کے دوران نظر انداز کر دی جاتی ہیں۔ بہر کیف یہ سمجھنے کی تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ان شہری کچی آبادیوں کے سہولتوں سے محروم غریب لیکن پانی کے لیے اس سے کم قیمت ادا کرتے ہوں گے جو ان ممالک کے ایسے ہی شہری ادا کرتے ہیں جن کے بارے میں اس طرح کی معلومات موجود ہیں۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ موجودہ صورت حال غیر منصفانہ ہے اور اسلام کے عطا کردہ پانی کے حوالے سے بنیادی حق یعنی حق شفعہ (پیس بجھانے کا حق) کا احترام نہیں کیا جا رہا ہے۔

طلب آب کا انتظام

اس سیکشن میں طلب آب کے انتظام کے موضوع پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معاشی اور غیر معاشی دونوں زاویوں سے بحث کی گئی ہے۔ ورک شاپ میں غیر معاشی نقطہ نظر سے جو گفتگو ہوئی اس میں پانی کا تحفظ اور استعمال شدہ پانی کا دوبارہ استعمال شامل تھا۔ یہاں اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی کے موضوع پر بھی مختصر بات کی گئی ہے اگرچہ ورک شاپ میں اس کا ذکر نہیں آیا تھا۔

غیر معاشی طریقے

پانی کی بچت

قرآن کریم میں پانی کے بارے میں دو واضح ہدایات ملتی ہیں جو طلب آب کے انتظام کا جواز مہیا کرتی ہیں۔ پہلی یہ کہ فراہمی آب تعین شدہ ہے، دوسرے یہ کہ اسے ضائع نہ کیا جائے۔ یہ بات کہ فراہمی آب متعین ہے اور یہ کہ اس کے نتیجے میں طلب آب کا انتظام کسی نہ کسی مرحلے پر ناگزیر ہے

کیونکہ فراہمی آب میں لامحدود اضافہ نہیں کیا جاسکتا، اس طرح کہی گئی ہے۔ ”اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا مقررہ مقدار میں“^{۱۸} اس کے بعد قرآن انسانوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطیات کو اپنی بقا کے لیے استعمال کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس میں اعتدال ہو اور اسراف نہ ہو۔ ”اے بنی آدم! کھاؤ اور پیو لیکن فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا“^{۱۹} اس موضوع پر احادیث میں اور زیادہ وضاحت ملتی ہے۔ نبی کریم ﷺ ”ایک مد (۲۷۳ لیٹر) پانی سے وضو کرتے تھے اور ایک صاع سے جو پانچ مدوں کے برابر ہوتا ہے (۲۲ تا ۲۳ لیٹر) غسل فرماتے تھے“^{۲۰} جزیرہ نمائے عرب کے ریگ زار میں جسے حضور کا وطن ہونے کا شرف حاصل تھا، حیات افروز پانی کے استعمال کے متعلق یہ حدیث ایک منطقی انداز فکر کا مظہر ہے تاہم نبی کریم ﷺ نے ان حالات میں بھی جب پانی کی بظاہر بہتات ہو اس کے ضیاع سے یوں منع فرمایا ہے۔ ”پانی ضائع نہ کرو خواہ تم کسی تیز بہاؤ والے دریا کے کنارے ہی وضو کیوں نہ کر رہے ہو“^{۲۱} ان واضح مثالوں کے باوجود حیرت ہے کہ ان ممالک میں جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے، پانی کے تحفظ کے سلسلے میں ان احکامات کی بڑے پیمانے پر تشہیر نہیں کی جاتی۔ جیسا کہ (اس کتاب میں شامل ایک مضمون میں) عطا اللہ کہتے ہیں، عام مسلمان اس خیال کے حامی ہیں کہ دینی رہنما انہیں ماحولیات کی تعلیم دیں۔ اردن میں ۱۹۹۳ء کے ایک جائزے کے مطابق ۶۳ فیصد جواب دہندگان اس بات کے حامی تھے کہ ماحولیاتی تعلیم اور عوامی شعور کی بلندی کے لیے امام صاحبان کو نمایاں کردار ادا کرنا چاہیے لیکن محض ۳۴ فیصد کا یہ خیال تھا کہ ائمہ اس سلسلے میں اپنی ذمے داریاں پوری کر رہے ہیں۔ بہر کیف، پالیسیاں بنانے والے اب یہ تسلیم کرنے لگے ہیں کہ عوامی آگہی اور فروغِ تعلیم کی حکمت عملیوں میں مذہبی اور ثقافتی اقدار کو بھی اہمیت دی جائے۔ حال ہی میں (Falkenmark) نے کہا ہے کہ اس بات سے قطع نظر کہ وہ کس مذہب کے ماننے والے ہیں اور کس ثقافت کا حصہ ہیں ”لوگوں کے رویوں کو متاثر کرنے کے لیے روحانیت اور اخلاقیات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔“ پانی کی بچت کے بارے میں ”طلب آب کے انتظام“ کی حکمت عملیوں میں اب مسلمانوں کی غالب اکثریت والے ممالک میں اسلامی تعلیمات کو بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ عالمی ادارہ صحت نے افغانستان میں مساجد کے ذریعے فروغِ صحت کے بارے میں ایک تعلیمی پروگرام شروع کیا ہے۔ اس پروگرام میں بیماریوں سے بچاؤ کی خاطر فروغِ صحت کے لیے مناسب اقدامات، پانی کا تحفظ، صاف پانی کی اہمیت، مناسب صفائی ستھرائی اور حفظانِ صحت کے لیے ائمہ کی تربیت شامل تھی۔ امام صاحبان نے ان خطوط پر تیاری بھی کی اور نماز جمعہ کے اجتماعات میں ان موضوعات پر تقریریں کیں (دیکھئے

عطا اللہ، اس کتاب میں شامل مضمون میں)۔ اردن کے دار الحکومت عمان میں ائمہ مساجد کو ملک میں پانی کی قلت اور اس سلسلے میں عوامی تعاون کی ضرورت کے بارے میں وزارت آبی وسائل اور وزارت اوقاف و اسلامی امور کے ایک مشترکہ پروگرام کے تحت تعلیم دی گئی۔

چونکہ ان پروگراموں کے نتائج کا اندازہ کرنے کے لیے معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں اس لیے اس موضوع پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ تاہم اس معاملے میں شاہ کا مضمون (اس کتاب میں شامل) ایک اہم آئینہ ہے۔ انہوں نے پاکستان کے ایک چھوٹے سے قصبے دیکھوٹ اور اس کے گرد و نواح میں ایک آزمائشی منصوبے کا ذکر کیا ہے۔ اس منصوبے کا مقصد قصبے میں گھریلو استعمال کے لیے اور ملحقہ کھلی آراضی کی آب پاشی کے لیے پانی کی کمی پر قابو پانا تھا۔ دونوں صورتوں میں پانی کی تقسیم کے نظام کے ابتدائی حصے (علاقے کے نہری سسٹم کے ہیڈورکس کے قریب) کے صارفین غیر قانونی پمپ نصب کر کے سسٹم سے براہ راست پانی کھینچ کر اپنے جائز حصے سے زیادہ پانی لے رہے تھے۔ پھر ایک غیر سرکاری گروپ نے مقامی مساجد کے اماموں اور مدرسے کے طلباء کے تعاون سے ایک مہم شروع کی۔ امام صاحبان جمعہ کے خطبات اور اپنے روزانہ کے درس کے دوران اس بات پر زور دیتے رہے کہ ”دوسروں کے حصے کا پانی غصب کرنا گناہ اور اخلاقی طور پر غلط ہے۔“ اس مہم کے حیران کن نتائج سامنے آئے ہیں۔ قصبے میں پانی کی قلت کی شکایتوں میں ۳۲ فیصد اور آبپاشی کے سلسلے کی شکایتوں میں ۲۶ فیصد کمی ہوئی۔ یہ نتائج ظاہر کرتے ہیں کہ کم از کم پاکستان کے دیہی علاقوں میں جہاں مقامی مولویوں (ہندوستان کے مسلم رہنماؤں اور ائمہ کے لیے اعزاز کا لقب) کو ایک خاص عزت کا مقام حاصل ہے اور جن کے معتقدین کی تعداد بہت بڑی ہے، دینی اقتدار پر زور دینا حیران کن حد تک موثر ثابت ہو سکتا ہے۔

شاہ اور عطا اللہ (اس کتاب کے صاحبان مضمون) دونوں کے مطابق عوامی آگاہی کے پروگراموں کو عام طور سے مکمل اور کثیرالاجتی ہونا چاہیے۔ انہیں محض مساجد یا دینی مدارس تک محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے پورے تعلیمی نظام پر محیط ہونا چاہیے۔ مزید برآں، ان پروگراموں کی منصوبہ بندی وزارت ہائے تعلیم، پانی اور مذہبی امور کو مشترکہ طور پر کرنا چاہیے تاکہ یہ کثیرالاجتی ہوں اور اس میں اطلاقی سائنس، معاشیات، صحت اور مذہب بھی شامل ہوں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ایسی منصوبہ بندی بہت ہی کم ہوتی ہے۔ ۱۹۹۳ تا ۱۹۹۶ء کے دوران مصر کے قومی کمیونٹی آبی تحفظ کا پروگرام اس نتیجے پر پہنچا کہ ”پانی کے تحفظ کے بارے میں معلومات کے تبادلے کی حکمت عملی کو عالمگیر بھی ہونا چاہیے اور باہم متعامل بھی... اور اس میں وہ تمام افراد شامل ہوں جو اس معاملے میں کوئی

کردار ادا کر سکتے ہیں مثلاً مذہبی اور سیاسی نمائندین اور مقامی آبادیوں کے غیر سرکاری قائدین۔“
دوسرا سبق یہ حاصل کیا گیا ہے کہ یہ پروگرام نہ تو مختصر ہو سکتے ہیں اور نہ صرف ایک دفعہ کا قصہ (Affi ۱۹۹۶ء)۔ تحفظ آب ساجی سطح پر رویوں کی تبدیلی کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کے لیے احتیاط کے ساتھ تیار کیے گئے طویل میعاد کے عملی منصوبوں کی ضرورت ہے۔

گندے پانی کا دوبارہ استعمال

گھروں کے استعمال شدہ گندے پانی کو آپاشی کے لیے استعمال کرنے کا دستور دو ہزار سال قبل کی قدیم یونانی تاریخ میں ملتا ہے۔ طلب آب کے انتظام کی حکمت عملی کا ایک اہم جزو گندے پانی کا دوبارہ استعمال ہے کیونکہ اس طرح تازہ پانی کو اعلیٰ ترین مقاصد میں استعمال کے لیے بچایا جاسکتا ہے۔ لیکن گھروں کے استعمال شدہ گندے پانی کو صاف کرنے اور دوبارہ قابل استعمال بنانے کے دوسرے دو فائدے بھی ہیں۔ اول، ماحولیاتی آلودگی میں کمی؛ دوم، اجناس کی پیداوار میں اضافہ اور مصنوعی کھاد کے استعمال میں کمی کیونکہ گندے پانی میں کھاد کے کئی اجزا موجود ہوتے ہیں۔

تاہم گندے پانی کا دوبارہ استعمال صحت کے حوالے سے خطرات یا رکاوٹوں سے خالی نہیں ہے۔ استعمال شدہ پانی دیکھنے میں بھی گندا ہوتا ہے اور بدبودار بھی ہوتا ہے۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس میں Pathogens یعنی بیماریاں پیدا کرنے والے جراثیم شامل ہوتے ہیں مثلاً بیکٹریا، وائرس اور Helminths یعنی طفیلی کیڑے جو بیماری ہی نہیں موت کا سبب بھی بن سکتے ہیں۔ اسلام نے صفائی کو جو اہمیت دی ہے^{۲۲} اس کے پیش نظر اور اس حقیقت کو بھی ذہن میں رکھتے ہوئے کہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ممالک میں گندے پانی کی صفائی کے انتظامات برائے نام ہی ہیں، مسلمانوں کو عام طور سے یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ گندے پانی کا دوبارہ استعمال مکروہ ہی نہیں حرام ہے۔ تاہم جیسا کہ عبدالرحمن (اس کتاب میں) سعودی عرب کے بارے میں ایک بصیرت افروز مطالعے میں لکھتے ہیں کہ گندا پانی اگر مضر رساں نہیں ہے تو اس کا دوبارہ استعمال حرام نہیں ہے۔ سعودی عرب کے ممتاز اسکالرز کی ایک مجلس (CLIS) نے تفصیلی مطالعے اور سائنس دانوں اور انجینئروں سے مشورے کے بعد ایک خصوصی فتویٰ ۱۹۷۸ء میں جاری کیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ صاف شدہ گندا پانی اصولی طور پر وضو اور پینے کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس سے صحت کو کوئی خطرہ نہ ہو (CLIS ۱۹۷۸ء)۔

خلائی سفر کے علاوہ کسی بھی استعمال شدہ پانی کو اس قدر صاف کرنا کہ وہ پینے کے قابل بن جائے، نہ تو باکفایت ہوتا ہے اور نہ ضروری۔ اسی لیے سعودی عرب کے علماء عام حالات میں اس کی

حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔ تاہم صاف شدہ گندہ پانی زراعت کے لیے یقیناً استعمال کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ عالمی ادارہ صحت کے رہنما اصولوں پر (Mara and Cairncross ۱۹۸۹ء) جو انسانی صحت کے تحفظ کے لیے مرتب کیے گئے ہیں، سختی سے عمل کیا جائے۔ یہ رہنما اصول آب پاشی کو دو بڑے درجوں میں تقسیم کرتے ہیں، پابند اور غیر پابند۔ گندے پانی کی صفائی کے معیار کا تعین دو حوالوں سے کیا جاتا ہے، آلائش کی جالی اور طفیلی کیڑوں کے انڈوں کی تعداد۔ ان دونوں کی مقدار یا تعداد میں کمی بیشی مقصد استعمال پر منحصر ہوتی ہے۔ گندے پانی کا غیر پابند استعمال برائے آب پاشی بہت زیادہ صفائی کا متقاضی ہوتا ہے کیونکہ اس میں یہ امکان ہوتا ہے کہ یہ پانی زمین پر اُگی ہوئی خوردنی فصلوں کو نہ چھو لے۔ علاوہ ازیں اس نوعیت کے استعمال کے نتیجے میں یہ پانی کھیل کے میدانوں اور پبلک پارکوں میں بھی پہنچ سکتا ہے۔ گندے پانی سے پابند آب پاشی (برائے پھل دار درخت، چراگاہیں اور چارے کی فصلیں) کم صفائی کی متقاضی ہوتی ہے۔ یہ کم معیار کے پانی سے سیراب کیے جاسکتے ہیں کیونکہ اس سے انسانی جانوں یا جانوروں کی صحت کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔

۱۹۷۸ء کے فتوے کی بنیاد پر سعودی عرب میں استعمال شدہ پانی کا دوبارہ استعمال بہت بڑھ گیا ہے۔ ۱۹۹۵ء میں مملکت سعودیہ نے اپنے صاف شدہ گندے پانی کے ۱۵ فیصد کو کھجور اور چارے مثلاً الغلفا کی آب پاشی کے لیے دوبارہ استعمال کیا۔ مزید برآں مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں وضو کے لیے استعمال کیے گئے پانی کو گندگی بہانے کے لیے استنج خانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرح نمک سے پاک کیا ہوا قیمتی سمندری پانی بچا لیا جاتا ہے۔ کویت میں ۷۱ سو ہیکٹر رقبے پر لگی ہوئی الغلفا، لہسن، پیاز اور سیاہ مرچ کی آبپاشی (عالمی ادارہ صحت کے رہنما اصولوں کے مطابق) صاف شدہ گندے پانی سے ہوتی ہے۔ ۱۹۹۸ء میں اردن میں سات کروڑ کعب میٹر گھروں کا استعمال شدہ پانی صاف کر کے دوبارہ قابل استعمال بنایا گیا۔ یہ سارا پانی پابند آبپاشی میں استعمال ہوا۔ اردن میں آبپاشی کے لیے استعمال ہونے والے پانی کا یہ ۱۲ فیصد تھا (Ministry of Water and Irrigation, Jordan ۱۹۹۸ء)۔

اخطیب کے باب میں (اس کتاب میں شامل) گندے پانی کے دوبارہ استعمال کے بارے میں اسلامی احکامات کا فلسطین کے حقیقی سماجی اور ثقافتی پس منظر کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہے۔ یہاں تقریباً سبھی کاشتکار جن کی آراء معلوم کی گئیں، اس بات پر متفق تھے کہ گندے پانی کا دوبارہ استعمال اسلام میں جائز ہے بشرطیکہ اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ان کاشتکاروں نے یہ بھی دیکھا کہ آبپاشی کے لیے صاف شدہ گندے پانی کا استعمال زیادہ فائدے مند ہے کیونکہ اس میں ایسے اجزا بھی شامل

ہوتے ہیں جو نمو میں مدد دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں نہایت اہم بات یہ ہے کہ کاشتکار اس پانی کو ۲۰۰ امریکی ڈالر فی مکعب میٹر کے حساب سے خریدنے کو تیار تھے اور ۶۷ فیصد صارفین جن کی رائے معلوم کی گئی اس پانی سے پہنچی گئی فصلوں کو خریدنے پر راضی تھے۔ ایسی پیداوار کی خریداری کے لیے صارفین کی رضامندی میں مزید اضافہ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ انہیں ایسے مطالعوں کی تفصیل سے آگاہ کیا جائے جیسا کہ الخطیب نے کیا ہے۔ گند پانی جسے صفائی کے دو ٹائٹل پلانٹ پر صاف کیا گیا تھا، اس سے بیٹگن، سیاہ مرچ، سیب، انگور اور آڑو کے باغات اور کھیتوں کی آبپاشی کی گئی تھی۔ پھر ان سبزیوں اور پھلوں کے گودے کو فلسطین کی وزارت و وسائل آب کی تجربہ گاہ میں جانچا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ تمام غذائی اشیاء بلا خوف و خطر کھائی جاسکتی ہیں۔ اس مطالعے سے عالمی ادارہ صحت کی اس رائے کو بھی تقویت ملی کہ اس معاملے میں خود اس کی اپنی ہدایات میں ان سبزیوں کے سلسلے میں جو پکا کر کھائی جاتی ہیں جیسے بیٹگن اور سیاہ مرچ، رعایت کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

بہر حال زراعت کے لیے تازہ پانی کے بدلے صاف شدہ گند پانی استعمال کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے مثلاً ترشے والے پھل اور کچھ دوسرے پودے گھروں میں استعمال شدہ پانی کو نمکیات کی اونچی مقدار کی وجہ سے برداشت نہیں کر سکتے۔ تاہم انہیں ان علاقوں میں جہاں تازہ پانی کی قلت ہو کاشت بھی نہیں کرنا چاہیے (اغذیہ کے تحفظ کے بارے میں آئندہ سطور ملاحظہ ہوں)۔ ان علاقوں کا انتخاب جہاں گندے پانی کو زراعت کے لیے استعمال کیا جانا ہو، بہت احتیاط سے کیا جانا چاہیے۔ اس بات کا خیال رہے کہ گندے پانی کے نرم زمین میں نفوذ سے بیٹھے زیر زمین پانی کی تہہ آلودہ نہ ہو جائے۔ مشرق وسطیٰ کے لوگ پہلے ہی پانی کے استعمال میں بڑے کفایت شعار واقع ہوئے ہیں۔ اس لیے وہاں آبپاشی کے لیے تازہ پانی کا استعمال تیزی سے ختم ہوتا جائے گا۔ اسی لیے مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں زراعت میں گندے پانی کے دوبارہ استعمال کو وسعت دینا وہاں کے طلب آب کے انتظام کے سلسلے کی پالیسیوں میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ، چونکہ استعمال شدہ پانی کے دوبارہ محفوظ استعمال کا انحصار صفائی کے مناسب معیار پر ہے، اس لیے اس خطے میں یہ انتہائی ضروری ہے کہ گندے پانی کے ہر قطرے کو صفائی کے کسی نہ کسی عمل سے لازمی طور پر گزرا جائے۔

گندے پانی کی موثر صفائی کا عمل مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے زیادہ تر ممالک کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ کیونکہ مرکزی نظام سے وابستہ صفائی کے مشینی پلانٹس اکثر ان کی استطاعت سے باہر ہیں اور پھر ان کی کارکردگی وقت کے ساتھ ساتھ کئی وجوہ کی بنا پر ناقص ہونے لگتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات غالباً یہ ہے کہ یہ پلانٹ گندے پانی کو ٹھکانے لگانے

کے لیے لگائے گئے ہیں نہ کہ دوبارہ قابل استعمال بنانے کے لیے۔ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے بیشتر ممالک کو پانی کو دوبارہ قابل استعمال بنانے کے لیے پانی کی صفائی کا ایسا نظام اپنانا ہوگا جو غیر مرکز، کم خرچ اور قدرتی ہو اور اس انتظام کو ایسی جگہ یا اس کے قرب و جوار میں قائم کرنا ہوگا جہاں اس کی ضرورت ہو۔ حال ہی میں محققین نے بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز کے تعاون سے گدلے پانی کی صفائی کا کام تجرباتی طور پر شروع کیا ہے جس میں القدس کے مضافات کی کم آباد پہاڑی بستیوں کے گھروں سے ملحق باغیچوں میں چھوٹے پیمانے پر عمل تھپیر والے فلٹر، وادی اردن اور مراکش کے آبی دلدل میں آبی جالیاں یا ہیلپس (Duckweed) اور مصر میں کم قیمت کے مٹھنی آلات کے ذریعے متحرک کی گئی کیچڑ شامل ہیں۔^{۲۳}

خاندانی منصوبہ بندی

جیسا کہ حرف آغاز میں بتایا گیا ہے، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں فی کس فراہمی آب ۱۹۶۰ء میں ۳۳۰۰ مکعب میٹر سالانہ سے کم ہو کر ۱۹۹۶ء میں ۱۲۵۰ مکعب میٹر سالانہ رہ گئی اور توقع ہے کہ ۲۰۲۵ء تک مزید کم ہو کر ۷۲۵ مکعب میٹر سالانہ ہو جائے گی۔ اس کی بڑی وجہ ان ممالک میں آبادی میں بے تحاشہ اضافہ ہے جو ۱۹۶۰ء میں ۹ کروڑ ۲۰ لاکھ سے بڑھ کر ۱۹۹۹ء میں ۳۰ کروڑ ہو گئی۔ ایک اندازے کے مطابق ۲۰۲۵ء تک اس خطے کی آبادی نصف ارب سے بھی تجاوز کر جائے گی۔

خاندانی منصوبہ کے ذریعے کسی آبادی کا پانی کا اوسط خرچ کم تو نہیں ہو سکتا البتہ اس کے ذریعے فی کس مجموعی فراہمی آب میں مزید کمی کو روکنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس لیے اسے طلب آب کے انتظام کا ایک وسیلہ خیال کیا جاسکتا ہے۔ بہت سے ممالک میں جہاں خاندانی منصوبہ بندی نہیں ہو رہی ہے، دوسری حکمت عملیاں طلب آب کے انتظام کے سلسلے میں یا تو بے اثر رہیں گی یا ان کا بہت کم اثر ہوگا۔ مثال کے طور پر یمن میں ۱۹۹۷ء میں فی کس فراہمی آب ۲۵۵ مکعب میٹر سالانہ تھی جو خطرناک حد تک کم تھی پھر بھی اندازہ یہ ہے کہ اس کی ۱۹۹۷ء کی ایک کروڑ ۶۱ لاکھ کی آبادی آئندہ بیس برسوں میں تقریباً دوگنی ہو جائے گی (World Bank ۱۹۹۹ء جدول ۲ء)۔ اس طرح طلب آب کے جاری انتظامات کی نفی ہو جائے گی اور صورت حال جو پہلے سے ہی مایوس کن ہے مزید تشویشناک بن جائے گی۔

ان حالات میں مناسب ہوگا کہ اس پر غور کیا جائے کہ کیا خاندانی منصوبہ بندی کی اسلام میں اجازت ہے اور اگر ہے تو کیا اس کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے؟ اگرچہ اس ورکشاپ کا موضوع خاندانی منصوبہ بندی نہیں تھا۔ یہاں اس معاملے کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

چند ایک اسلامی اسکالرز کا موقف ہے کہ اسلام میں ضبط تولید کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ

نبی کریم ﷺ نے بڑے کنبے کی حوصلہ افزائی ان الفاظ میں فرمائی ہے ”ایسی عورتوں سے شادی کرو جو محبت کرنے والی ہوں اور کثرت سے بچے پیدا کریں“^{۲۴}

بہر حال قرآن کریم نے یہ واضح کیا ہے کہ بچے اللہ کی نعمت ہیں تاہم مسلمانوں کو اس سے بھی خیر دار کیا ہے کہ وہ اس نعمت کو یا دوسری نعمتوں کو جن کی وہ اس دنیا میں خواہش کرتے ہیں، اپنے ذہنوں پر بہت زیادہ مسلط نہ کریں۔ قرآن کہتا ہے ”مال و بیٹے اس دنیا کی زینت ہیں لیکن نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے تمہارے رب کے نزدیک بہت اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں“^{۲۵} بہر حال، اسلام میں ایسی کوئی واضح شہادت حاصل کرنا مشکل ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ خاندانی منصوبہ بندی ممنوع ہے۔ مذہب اگرچہ کثرت اولاد کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تاہم یہ فرائض میں شامل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ کہتے تھے کہ وہ جماع کے دوران مادہ منویہ کے اخراج سے کچھ پہلے علیحدہ ہو جایا کرتے تھے کہ اس زمانے میں وضع حمل کو روکنے کا یہی ایک طریقہ معلوم تھا۔ اگرچہ نبی کریم ﷺ نے اپنے زمانے میں اس عمل کی حوصلہ شکنی کی تھی^{۲۶} لیکن انہوں نے اس سے منع بھی فرمایا تھا۔ چونکہ خاندانی منصوبہ بندی قرآن یا حدیث کی رو سے ممنوع نہیں ہے اس لیے علمائے اسلام کی بڑی تعداد اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اصولی طور پر اسلام میں مانع حمل طریقوں کے اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ تاہم اس کے لیے کچھ آسان شرائط رکھی گئی ہیں۔ اول یہ کہ خاندانی منصوبہ بندی یا مانع حمل طریقے صرف ان مردوں اور عورتوں کے درمیان جائز ہیں جو اسلامی اصولوں کے مطابق رشتہ ازدواج میں منسلک ہوں یعنی دونوں باقاعدہ میاں بیوی ہوں۔ دوم یہ کہ دونوں کی باہمی رضامندی سے مانع حمل طریقے اپنائے جائیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ”مرد کے لیے لازم نہیں ہے کہ وہ بیوی کی مرضی کے خلاف عمل مجامعت قبل از وقت ختم کر دے“^{۲۷} مانع حمل عمل کسی جوڑے پر زبردستی مسلط نہیں کیا جاسکتا (Hathout، ۱۹۸۹ء، ص: ۲۲۸) اور آخر میں یہ کہ جو طریقہ اختیار کیا جائے وہ فی الواقع مانع حمل ہو نہ کہ مانع تولید یعنی وہ طریقہ اسقاط حمل کا سبب نہ بنے۔

اگر مذکورہ شرائط پوری ہو رہی ہوں تو بہت سے قانون دانوں کا کہنا ہے کہ اصول مصلحت پر عمل کرتے ہوئے معاشرے کے حقیقی مفاد میں لوگوں کو خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرانے کے لیے حکومت کو حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر جامعہ ازہر قاہرہ کے ریکٹر نے ۱۹۶۳ء میں خاندانی منصوبہ بندی کے جواز میں فتویٰ جاری کرتے ہوئے وضاحت کی تھی کہ ”اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافے کی ضرورت تھی تاکہ اسلام زندہ رہ سکے“ (Peterson، ۱۹۹۹ء)۔

زیادہ تر علما کی حمایت کی وجہ سے بہت سے ایسے ممالک جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے مثلاً الجزائر، مصر، ایران، مراکش اور تیونس کی حکومتیں آبادی کے بارے میں ایک واضح پالیسی پر عمل کر رہی ہیں جبکہ بعض دوسرے ممالک مثلاً عراق، اردن، سوڈان اور شام (Hathout ۱۹۸۹ء ص: ۲۳۵) غیر سرکاری تنظیموں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں تاکہ وہ مانع حمل ادویہ بھی تقسیم کریں اور خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں معلومات بھی مہیا کریں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے مطابق ایران جس نے انقلاب کے فوراً بعد آبادی میں اضافے کی حوصلہ افزائی کی تھی، اب خاندانی منصوبہ بندی کا ایک مثالی نمونہ بن کر ابھرا ہے۔ حکومت ایران نے ۱۹۸۷ء میں کثرت آبادی، مکانات کی قلت، آلودگی اور بے روزگاری جیسے مسائل پر قابو پانے کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کے ایک جامع پروگرام کا آغاز کیا تھا۔ شادی کی کم سے کم عمر بڑھا دی گئی اور ہر ایرانی جوڑے کے لیے یہ لازمی کر دیا گیا ہے کہ وہ شادی کے اجازت نامے کے اجراء کے لیے درخواست دینے سے پہلے ضبط تولید کے موضوع پر ہونے والی کلاسوں میں شرکت کرے (Wright ۲۰۰۰ ص: ۱۳۳)۔ تمام اقسام کی مانع حمل اشیاء مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ ان فیصلوں کے ڈرامائی نتائج برآمد ہوئے یعنی آبادی میں اضافے کی شرح ۱۰ سال سے کم مدت میں گھٹ کر نصف یعنی ۷.۳ فیصد رہ گئی۔ اس طرح ایران نے اقوام متحدہ کا آبادی کا انعام برائے ۱۹۹۹ء حاصل کیا (Peterson ۱۹۹۹ء)۔ مزید یہ کہ شرح ولادت جو ۱۹۸۰ء میں فی عورت ۶.۷ تھی، ۱۹۹۷ء میں گر کر فی عورت ۲.۸ ہو گئی۔ دوسرے غالب اکثریت والے مسلم ممالک میں بھی ایسی کوششیں کامیاب ہو رہی ہیں۔ اسی مدت کے دوران مصر میں شرح بارآوری ۵.۱ سے ۳.۲، انڈونیشیا میں ۳.۳ سے کم ہو کر ۲.۸ اور بنگلہ دیش میں ۶.۱ سے ۳.۲ تک گر گئی۔ اس کے برخلاف بعض دوسرے مسلم اکثریتی ممالک جن میں مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے بعض قلت آب کے مارے ہوئے ملک بھی شامل ہیں، خواتین کی شرح بارآوری بدستور بہت بڑھی ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۹۷ء میں یمن میں یہ شرح ۶.۳ تھی جبکہ مغربی کنارے اور غزہ میں ۶.۰ تھی (World Bank ۱۹۹۹ء جدول ۱۲.۵)۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں خاندانی منصوبہ بندی جائز ہے البتہ چونکہ اسلام نے اولاد کو ایک نعمت قرار دیا ہے اس لیے محض مادی وجوہ کی بنا پر خاندانی منصوبہ بندی کی حوصلہ افزائی ناجائز ہے۔ سیاسی وجوہ کی بنا پر بھی اس کو فروغ دینا غلط ہوگا یعنی کسی خاص نسل یا مذہبی فرقے کی آبادی کو کم کرنے کے لیے۔ لیکن بہت سے ممالک میں مسلسل بڑھتی ہوئی آبادی کے نتیجے میں موجودہ آبی وسائل اور ماحول پر شدید دباؤ بڑھ رہا ہے۔ ان ممالک میں سے بعض میں ان قدروں

سے جنہیں اسلام اعلیٰ مقام دیتا ہے مثلاً عدل، بلند معیار زندگی اور انسانوں و دیگر مخلوقات کا اچھے معیاری پانی پر حق، اغماض برتا جا رہا ہے۔ ایسی صورت حال میں جہاں آبادی میں اضافے کی رفتار کو ست کرنا معاشرے کے حقیقی مفاد میں ہو، خاندانی منصوبہ بندی کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔ مزید برآں، حکومتوں کو چاہیے کہ وہ مذہبی رہنماؤں کو ساتھ لے کر چلیں کیونکہ تجربے نے بتایا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کا پروگرام مسلمانوں کی غالب اکثریت والے ممالک میں انہی رہنماؤں کی مدد اور حمایت سے کامیاب رہا ہے۔ اگر اس وقت خاندانی منصوبہ بندی پر مناسب توانائی صرف کی جائے تو آئندہ بیس برسوں میں سماجی مسائل جن میں وہ مسئلے بھی شامل ہیں جن کا تعلق پانی سے ہے، کم ہو جائیں گے۔ لیکن اگر اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کیا گیا تو صورت حال بہتر نہیں ہو سکے گی۔

معاشی طریقے

پانی کے انتظام کے سلسلے میں منڈی کے طریقہ کار کا استعمال مثلاً محصولات میں اضافہ یا مفاد عامہ کے اداروں کی نئج کاری متنازع ہو سکتی ہے کیوں کہ پانی ایک حیات افروز معاشرتی بھلائی ہے۔ مسلمانوں کی غالب اکثریت والی قوموں میں تو معاشی اقدامات اور بھی زیادہ متنازع ثابت ہو سکتے ہیں کیونکہ اسلامی تصورات کے مطابق پانی کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی^{۲۸}۔ زیر نظر سیکشن میں پانی کے حقوق اور درجہ بندی، محصولات، نئج کاری اور منڈی کے حوالے سے طلب آب کے انتظام پر معاشی طریقہ کار کے استعمال پر غور کیا جائے گا۔

اسلام میں پانی پر حق اور اس کی ”ملکیت“

اسلام میں پانی کو عطیہ خداوندی سمجھا جاتا ہے اس لیے کوئی فرد اس کا لغوی معنوں میں مالک نہیں ہے۔ انسان پانی اور دوسرے مشترکہ وسائل کے انتظام کار ہیں لیکن جیسا کہ جبار نے (Kadouri et al.) اس کتاب میں شامل مضمون میں) وضاحت کی ہے کہ اکثر علمائے اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ فرد یا گروہ پانی کی زیادہ تر اقسام کے استعمال، فروخت اور افزودہ قیمتوں کی وصولی پر واضح حق رکھتے ہیں۔ یہ فیصلہ اساسی طور پر دو حدیثوں پر مبنی ہے۔ پہلی یہ کہ ”بہتر ہے کہ... خود جنگل جائے (اور) لکڑیاں کاٹ کر لائے اور بیچے اور اپنا پیٹ بھرے بمقابلہ دوسرے کے آگے ہاتھ پھیلانے کے“^{۲۹} اس کا مفہوم یہ ہے کہ مشترکہ ملکیت کے وسائل مثلاً جنگل کی لکڑی یا پانی فروخت کیے جاسکتے ہیں یا ان کی تجارت ہو سکتی ہے (Zuhaili ۱۹۹۲ء)۔ دوسری حدیث حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں ہے جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے کہ انہوں نے رومہ کا کٹواں خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہ

حدیث ثابت کرتی ہے کہ کنویں ملکیت میں آسکتے ہیں اور فروخت بھی کیے جاسکتے ہیں۔ ان احادیث اور دوسرے ذرائع سے حاصل شدہ شہادتوں کی بنیاد پر پانی کی درجہ بندی اسلام میں کچھ یوں ہے (Sabeq ۱۹۸۱ء اور Zuhaili ۱۹۹۲ء):

- نجی ملکیت (نجی ٹنکیاں، صفائی کے پلانٹ، تقسیمی نظام اور ذخائر) یہ وہ پانی ہے جس میں محنت، بنیادی سہولتوں کی فراہمی اور معلومات کی شکل میں سرمایہ کاری کی گئی ہے۔ بڑی ٹنکی کے مالک کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اس کو استعمال کرے یا فروخت کرے یا اس کا لین دین کرے۔
- محدود نجی ملکیت (جھیل، دریا، نہریں، چشمے جو نجی زمینوں پر ہوں) ان کے مالک کو دوسروں کے مقابلے میں خصوصی حقوق حاصل ہیں۔ ان کی طرف سے اس پر کچھ فرائض بھی عائد ہوتے ہیں۔^۳ ان حدود میں رہتے ہوئے ان کا مالک کسی دوسرے تجارتی مال کی طرح پانی کی بھی خرید و فروخت کر سکتا ہے۔
- سرکاری ملکیت (گلیٹھیئر، زیر زمین پانی، سمندر، پہاڑوں کی برف اور بارش سے حاصل ہونے والا پانی)۔

ظاہر ہے کہ یہ پانی اپنی قدرتی حالت میں نہ تو خریدا جاسکتا ہے اور نہ بیچا جاسکتا ہے تاہم اگر کوئی اس کو قابل استعمال بنانے کے لیے بنیادی ڈھانچہ کھڑا کرے اور سہولتیں یا متعلقہ معلومات فراہم کرے مثلاً اگر کوئی عوامی بھلائی کا ادارہ پانی کی تطہیر، ترسیل اور تقسیم کا نظام تعمیر کرتا ہے تاکہ پانی لوگوں کے گھروں تک پہنچایا جاسکے تو اس صورت میں پانی نجی ملکیت بن جاتا ہے اور ادارے کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اس پر کیا جانے والا خرچ وصول کرے۔ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں پانی کی روز بروز بڑھتی ہوئی قلت کی وجہ سے بڑی مقدار میں قدرتی تازہ پانی عام آدمی کی پہنچ سے دور ہوتا جا رہا ہے۔

جناب نبی کریم ﷺ نے اپنے زمانے میں پانی فروخت کرنے کی حوصلہ شکنی کی تھی اور ”فالتو پانی کی فروخت ممنوع قرار دی تھی“^۴ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے آپ ہی نے حضرت عثمان کو رومہ کا کنواں خریدنے اور اس کا پانی مفت تقسیم کرنے پر مائل کیا تھا۔ ان مثالوں سے نبی کریم ﷺ کی اس خواہش کا اظہار ہوتا ہے کہ جو کنویں رؤساء اور با اختیار لوگوں کے قبضے میں ہیں ان تک غربا اور کمزور لوگوں کی رسائی ہو جائے۔ اس زمانے میں یہ بات قابل فہم تھی۔ ہر چند کہ اس دور میں بھی پانی کی مقابلہ کمی تھی تاہم پانی خاصہ با افراط، بڑی حد تک صاف اور سب کی پہنچ میں تھا (زیر زمین

اتھلے پانی میں ہاتھ سے کھودے گئے کنویں کے ذریعے)۔ ساتویں صدی عیسوی میں جزیرہ نمائے عرب کی قلیل آبادی کو معمولی اخراجات پر بڑی مقدار میں پانی کی فراہمی ممکن تھی۔

بہر حال موجودہ دور میں اس روایت کی روشنی میں پانی کی سپلائی کی قیمت وصول نہ کرنا اس کی فراہمی میں رکاوٹ بن جائے گا۔ قلت آب اور آلودگی کے دور میں قریب قریب مفت پانی فراہم کرنا دراصل شدید نا انصافی پر منتج ہوتا ہے۔ پانی کے اکٹھا کرنے، صاف کرنے، ذخیرہ کرنے اور تقسیم کرنے پر ہونے والے اخراجات کا بوجھ زرتستانی کے ذریعے ہلکا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حکومتیں اور عوامی جمہود کے ادارے جو پہلے ہی بڑھتے ہوئے قرضوں میں جکڑے ہوئے ہیں شہری آبادی کے صرف امیر اور متوسط طبقے کو تقریباً مفت پانی فراہم کریں۔ بے سہارا، غریب اور کمزور لوگوں کو جن کے مفادات کی حفاظت خود نبی کریم ﷺ کی بڑی خواہش تھی، اکثر غیر سرکاری منڈیوں میں پانی کی غیر اخلاقی حد تک بڑھی ہوئی قیمتیں ادا کرنا پڑتی ہیں یا پست معیار کا پانی استعمال کرنا ہوتا ہے۔

بدلتے ہوئے حالات میں مسلمان رہنما دیر یا مقاصد مثلاً سماجی عدل کے حصول کے لیے مختلف پالیسیاں اپنا سکتے ہیں۔ اس نکتے کی وضاحت سعودی عرب کے حالیہ اقدامات سے ہوتی ہے جس کے تمام قوانین شریعت کے تابع ہیں۔ بیس سال پہلے تک اس قوم کے پاس وافر پانی تھا اور دولت بے پناہ تھی جبکہ آبادی بہت ہی کم تھی۔ نبی کریم ﷺ (اور حضرت عثمان غنیؓ) کے عمل کی پیروی کرتے ہوئے مملکت نے گھریلو استعمال کا پانی اپنے شہریوں کو تقریباً مفت فراہم کیا۔ مگر ان بیس برسوں میں حالات بدل گئے ہیں جن میں آبپاشی کے سستے پانی سے پیدا کیے ہوئے گندم پر زرتستانی کی ادائیگی سے مزید خرابی ہوئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیر زمین پانی کو نکالنے کے انتظامات کرنا پڑے۔ حکومت کو اب اس پالیسی کو بدلنا پڑا ہے بلکہ تقریباً اُلٹنا پڑا ہے۔ مملکت نے ۱۹۹۳ء میں نئے آبی محصولات نافذ کیے تاکہ ”شہریوں کو معلوم ہو سکے کہ آبی خدمات کی فراہمی پر کتنا خرچ آتا ہے“ (عبدالرحمن، اس کتاب کے ایک مضمون نگار)۔

آبی محصولات

ظاہر ہے کہ پانی کی فراہمی پر ہونے والے اخراجات کی وصولی اسلام میں جائز ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جائز محصول کتنا ہونا چاہیے؟ اسلام کے مطابق منصفانہ محصول معاشرے میں زیادہ عدل کا سبب بنے گا۔ خطے میں پانی کو ضائع ہونے سے بچانے کی اشد ضرورت کے پیش نظر عوامی شعور اور تعلیمی حکمت عملی طلب آب کے انتظام کی ایک کثیر الجہتی حکمت عملی کا صرف ایک پہلو ہوگا۔ اس حکمت عملی کو

معاشی ترغیبات کے ذریعے پایہ تکمیل تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ جبار (اس کتاب کا مضمون نگار) کا کہنا ہے کہ قیمتوں میں طلب کی پلک کم ترقی یافتہ ملکوں میں اوسطاً ۴۵ء ہے (دیہاتوں میں زیادہ اور شہروں میں کم) جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دوسری تمام چیزیں یکساں ہوں تو پانی کی قیمت میں ۱۰ فیصد اضافے سے طلب آب میں ۴۵ فیصد کمی واقع ہوگی۔ اس لیے متوسط اور اعلیٰ طبقاتوں کے لیے قیمتیں بڑھانے کی کافی گنجائش موجود ہے۔ کم ترقی یافتہ ممالک کے شہری علاقوں میں پانی کی سپلائی کی قیمتیں اس کی فراہمی پر ہونے والے اخراجات کے چھٹے حصے سے بھی کم ہیں (Bronsro ۱۹۹۸ء)۔

فراہمی آب کی خدمات پر کل حقیقی اخراجات مختلف ملکوں میں مختلف ہوں گے لیکن مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں اسرائیل وہ واحد ملک ہے جہاں کے شہری علاقوں میں فراہمی آب کے کل اخراجات صارفین سے بطور قیمت وصول کیے جاتے ہیں۔ یہ قیمت بشمول گندے پانی کی صفائی کا سرچارج ایک امریکی ڈالر فی مکعب میٹر ہے (Shuval، بحوالہ Lundqvist اور Gleick ۱۹۹۷ء، ص: ۷۳)۔

مزید یہ کہ جیسا کہ صدر نے اس کتاب کے ایک مضمون میں تحریر کیا ہے اسلام میں کل لاگت کی وصولیابی کی بنیاد پر قیمت مقرر کرنے کی اجازت ہے۔ ایران میں ملکی قوانین شریعت کے تابع ہیں، آب پاشی کا پانی اس اوسط قیمت پر بیچنا ضروری ہے جس میں منصوبہ چلانے اور دیکھ بھال کرنے کے اخراجات کے علاوہ اصل سرمائے کی رواں قیمت میں تخفیف بھی شامل ہے۔ یہ شرط ۱۹۸۲ء کے پانی کی منصفانہ تقسیم کے قانون کا حصہ ہے۔ اس قانون کا نام ہی کل قیمت کی وصولی کے عقلی جواز کی نمازی کرتا ہے۔ شہری علاقوں کے لیے ۱۹۹۰ء کا ایکٹ کل اخراجات بشمول اصل سرمایہ اور اس کی قدر میں تخفیف کی وصولی کی اجازت دیتا ہے۔ اس قانون کے نتیجے میں ۱۹۹۶ء کے محصولات کی شرح میں ۴۵ مکعب میٹر ماہانہ سے زیادہ کے گھریلو استعمال کے پانی پر ۲۰ تا ۳۰ فیصد اضافہ کیا گیا اور صنعتی اور تجارتی استعمال پر محصولات کی شرح گھریلو استعمال کی شرح سے زیادہ رکھی گئی۔ یہ ایسا اقدام تھا جس نے پہلے کی پالیسی کو الٹ دیا (ملاحظہ ہو اس کتاب میں کاظم صدر کا مضمون، ص: ۱۱۰)۔

یہ سب کچھ غریبوں پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے تقریباً تمام شہروں میں اگر فراہمی آب کی حقیقت پسندانہ قیمت وصول کی جائے تو بیچی ہوئی رقم سے سسٹم کو اتنی وسعت دی جاسکتی ہے کہ ان غریبوں کو بھی جنہیں اس کے ذریعے پانی نہیں مل رہا ہے، پانی فراہم کیا جاسکے گا۔ یہ حقیقت پسندانہ قیمت ان غریبوں کے لیے تو اس سے کم ہوگی جو وہ ابھی دوسرے ذرائع سے پانی حاصل کرنے کے لیے ادا کر رہے ہیں مگر اس سے زیادہ ہوگی جو اس سسٹم سے فائدہ اٹھانے والے شہری صارفین اس وقت ادا کر رہے ہیں^۲۔^۳ مثال کے طور پر اردن میں ۱۹۹۸ء میں

بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز کے غیر رسمی جائزے کے مطابق خدمات سے محروم باشندے ۱۲ امریکی ڈالر فی مکعب میٹر یا اس سے زیادہ ادا کر رہے ہیں اور وہ جنہیں یہ خدمات حاصل ہیں زیادہ سے زیادہ ۰.۵۰ء امریکی ڈالر فی مکعب میٹر ادا کر رہے ہیں جبکہ اس فراہمی پر کل لاگت ایک امریکی ڈالر فی مکعب میٹر سے زیادہ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ قیمتیں اس طرح مقرر کرنا چاہیے کہ ہر فرد کو زندہ رہنے کے لیے مناسب مقدار میں پانی ملتا رہے جیسا کہ ایران میں ہوتا ہے جہاں شہروں کے تمام گھریلو صارفین کو پہلے ۳۰ مکعب میٹر پانی فی کس روزانہ ۳۳ مفت فراہم کیا جاتا ہے۔ لنڈکوئسٹ (Lundqvist) اور گلینیک (Gleick) نے ۱۹۹۷ء میں بنیادی ضرورت ۵۰ لیٹر فی کس یومیہ تجویز کی تھی اور یہ مقدار تقریباً اتنی ہی ہے۔

مارکیٹ اور نج کاری

یہ صحیح ہے کہ اسلام میں حکومت کو اختیار ہے کہ وہ پانی کی فراہمی پر ہونے والے لکل اخراجات صارفین سے وصول کرے لیکن نج کاری کے بارے میں کیا کہا جائے؟ کیونکہ اس صورت میں پانی کی تجارت بھی اسی طرح ہونے لگے گی جیسے دوسری اشیاء کی ہوتی ہے۔ اول یہ جاننا مفید ہوگا کہ اسلام نے عادلانہ اور آزاد تجارت کی حمایت کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نبوت سے قبل ایک تاجر ہی تھے اور تجارتی امور میں انہوں نے اس قدر بلند اخلاق کا مظاہرہ کیا کہ انہیں 'الائین' کے خطاب سے نوازا گیا۔ یہ خطاب ان کی دیانت اور منصفانہ تجارتی معاملت کی وجہ سے ہی دیا گیا تھا۔ دوم، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے نجی پانی کے حقوق قطعہ زمین سے ہٹ کر پانی جیسی قیمتی شے کے لیے جائز ہیں۔ صدر (اس کتاب میں) کہتے ہیں کہ ابتدائی اسلامی ریاست میں جوں جوں معیشت نے ترقی کی پانی کی بھی منڈیاں قائم ہونے لگیں جہاں مبادلہ کا پہلا وسیلہ فصل ہوتی تھی اس کے بعد خود پانی اور آخر میں رقم۔ دیانتدار منڈیوں کی حمایت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے اسباب تجارت کی قیمتیں مقرر کرنے سے منع فرما دیا تھا اگرچہ بعض حالات میں اس کی اجازت تھی۔ اس امتناعی حکم میں پانی بھی شامل تھا۔ دراصل بیشتر اسلامی اسکالرز اس بات پر متفق ہیں کہ پانی کی صحیح قیمت وہی ہے جو منڈی میں طے پائے بشرطیکہ منڈی میں ناجائز طریقوں مثلاً گھ جوڑ سے کام نہ لیا جاتا ہو (Khomeini ۱۹۸۹ء؛ ۳: ۳۱۸-۳۱۹)۔ یہ اسلامی تصور جو زیادہ معروف نہیں ہے، تین باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پہلی یہ کہ مناسب قیمت کا مطلب صرف مجموعی لاگت کی وصولیابی ہی نہیں ہے بلکہ منڈی میں طے کی جانے والی متوازن قیمت میں مناسب منافع بھی شامل ہونا چاہیے، دوسرے یہ کہ اسلام نے ماحول کے تحفظ کو جو اہمیت دی ہے اس کے پیش نظر استعمال شدہ پانی کی صفائی پر خرچ کی جانے

والی رقم بھی مناسب قیمت میں شامل کی جاسکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ پانی کی منج کاری جائز ہے۔ ایران میں میونسپلٹی کے پانی اور نکاسی آب کی کمپنیاں ۱۹۹۰ء ایکٹ کے تحت وجود میں آئیں جنہوں نے شہروں میں پانی کے معاملات میں منجی شعبے کی شرکت کو آئینی تحفظ فراہم کیا۔

اگر اسلام نے پانی کی مکمل منج کاری کو جائز بھی قرار دیا ہو تب بھی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کوئی بڑی پسندیدہ چیز ہے۔ اس کی بجائے، جیسا کہ باقی دنیا کا اتفاق ہے، آبی خدمات میں سرکاری و منجی شراکت کی سفارش کی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت عوامی بہبود کے لیے پانی پر ماکانہ حقوق رکھتی ہے لیکن پانی کی فراہمی (حصول، صفائی اور تقسیم) اور غلاظت اور گندے پانی کی نکاسی کی ذمے داری منجی اداروں کے سپرد کر دیتی ہے۔ تاہم منجی اداروں کو قواعد و ضوابط کی پابندی کرنی پڑتی ہے تاکہ تقسیم آب منصفانہ ہو اور پانی کا معیار بھی باقی رہے۔

پانی کی بین الشعبہ جاتی منڈیاں

فاروقی (اس کتاب کے ایک مضمون نگار) استدلال کرتے ہیں کہ پانی کی منصفانہ تقسیم کو بڑھانے کا مطلب سمجھنے کے لیے یہ دیکھا جائے کہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں تازہ پانی کیونکر مختص کیا جاتا ہے۔ یہی موقع ہے کہ اس کا تفصیلی جائزہ لیا جائے۔ اگرچہ کچھ پانی کو گھریلو بچت کے طریقوں سے محفوظ کیا جاسکتا ہے لیکن یہ بہت قلیل ہوگا کیونکہ یہاں کے لوگ عادتاً پانی کفایت سے خرچ کرتے ہیں۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی اس بات کی متقاضی ہے کہ گھریلو استعمال کے لیے زیادہ پانی مختص کیا جائے۔

مگر یہ اضافی پانی آئے گا کہاں سے؟ اگرچہ مختلف ممالک میں مختلف شعبوں میں پانی کی تقسیم کا تناسب جدا جدا ہے تاہم مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں عام طور پر پانی کی تقسیم کچھ یوں کی جاتی ہے: ۱۰ فیصد برائے صنعت، ۱۰ فیصد برائے گھریلو استعمال اور ۸۰ فیصد برائے زراعت۔ تازہ صورت حال یہ ہے کہ استعمال کے لیے پانی کی طلب برابر بڑھ رہی ہے اور چونکہ یہ ممالک تیزی کے ساتھ صنعتوں کی طرف جا رہے ہیں اس لیے اس شعبے کا مطالبہ بھی بڑھ جائے گا جو پانی کو دوبارہ کارآمد بنانے کے باوجود پورا نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے پانی زرعی شعبے سے ہی لینا پڑے گا۔ مثال کے طور پر اسرائیل نے یہ پالیسی اختیار کر رکھی ہے کہ جوں جوں شہری آبادی بڑھتی جا رہی ہے پانی مختص کرتے وقت پہلی ترجیح شہروں میں گھریلو استعمال کو دی جائے اس کے بعد صنعتوں کو اور سب سے آخر میں زراعت کو (Lundqvist and Gleick ۱۹۹۷ء)۔ اسرائیل میں شہر زدگی (Urbanization) کی موجودہ شرح اور شہروں میں پانی کے خرچ کی مستقل شرح فی کس ۳۴۲ لیٹر یومیہ کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہے کہ ۲۰۳۰ء تک تازہ پانی کا ۸۰ فیصد شہروں کو چلا جائے گا جبکہ ۲۰ فیصد زراعت میں استعمال ہوگا۔

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں مختلف شعبوں میں پانی تقسیم کرنے کی کیا حکمت عملی ہوگی؟ بہت سوں کا خیال ہے کہ منڈی کو اجازت دی جائے کہ وہ نئے سرے سے پانی مختص کرنا شروع کرے۔ زیادہ تر صورتوں میں کم قیمتوں کے باوجود شہروں میں پانی بمقابلہ زراعت کم از کم دس گنا زیادہ مہنگا ہے (Gibbons ۱۹۸۶ء)۔

قومی غذائی خودکفالت کی کیا صورت حال ہوگی؟ مختلف شعبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کی پالیسی ایسی ہونی چاہیے جو شہروں کے گندے پانی کی صفائی میں اضافے سے منسلک ہو تاکہ زیادہ سے زیادہ پانی کو دوبارہ قابل استعمال بنا کر زرعی شعبے کو فراہم کیا جاسکے۔ اسرائیل کا منصوبہ یہ ہے کہ تازہ پانی کی مقدار جو ۱۹۹۶ء میں ۷۰ فیصد زراعت کو دی جاتی تھی اسے کم کر کے ۲۰۳۰ء تک ۲۰ فیصد کر دی جائے۔^{۳۲} اس کے ساتھ ساتھ گندے پانی کی صفائی کا عمل تیز کیا جائے تاکہ شہروں کے گندے پانی کا ۸۰ فیصد صاف کر کے دوبارہ زراعت کو فراہم کر دیا جائے۔ اس طرح زراعت کو اتنا پانی ملتا رہے گا جتنا فی الوقت مل رہا ہے۔

تلخ حقیقت یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے زیادہ تر ممالک کے پاس قومی غذائی خودکفالت کے لیے کافی پانی نہیں ہے۔ اس لیے موجودہ انداز فکر کی جگہ قومی غذائی سلامتی یا علاقائی غذائی خودکفالت (Lundqvist and Gleick ۱۹۹۷ء) کا اصول اپنانا چاہیے اور اغزیہ اور اس کی مصنوعات کی شکل میں ”فرضی پانی“ درآمد کرنا چاہیے۔ اسرائیل کے علاوہ قلت آب والے ممالک مثلاً بوٹسوانا پہلے ہی اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں۔ ہرچند کہ بوٹسوانا غذائی خودکفالت کی پالیسی پر عمل پیرا نہیں ہے تاہم وہ اجناس برآمد کرنے والے ملکوں سے ہر سال بات چیت کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ غذائی سلامتی کو یقینی بنایا جائے (بحوالہ Lundqvist and Gleick ۱۹۹۷ء)۔ شول (Shoval) کا مشورہ ہے کہ تازہ پانی کی تھوڑی سی مقدار (۲۵ مکعب میٹر سالانہ) گھروں میں تازہ سبزیاں اگانے کے لیے مختص کر دی جائے جس کی معاشی اور غذائی قدر و قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس پیداوار کا کچھ حصہ بڑھتی ہوئی شہری زراعت سے مل سکتا ہے۔ اس طرح کی زراعت سے بہت زیادہ سبزیوں کی پیداوار کے لیے صرف دیہاتوں میں ٹریکٹر کے ذریعے فصلیں کاشت کرنے کے مقابلے میں صرف ۲۰ فیصد پانی اور ۱۷ فیصد زمین درکار ہوگی (UNDP ۱۹۹۶ء)۔ اس قسم کے شہری باغات کی سبزیاں غریبوں کے لیے درآمد کی ہوئی سبزیوں کے مقابلے میں بالعموم سستی ہوں گی۔ خشک ممالک میں ممکنہ حد تک بیشتر دوسری فصلیں صرف صاف شدہ گندے پانی سے اگانا ہوں گی۔

ترقی یافتہ ممالک مثلاً چلی اور امریکا میں پانی کی منڈیاں ایک ضابطہ کار کے تحت بڑی کامیابی

سے چل رہی ہیں۔ کیلی فورنیا میں ۱۹۹۱ء کے خشک سالی کے زمانے میں واٹر بینک نے کسانوں سے تقریباً ۱۰،۰ امریکی ڈالر فی مکعب میٹر کے نرخ پر پانی خرید اس کے نتیجے میں ۲۵ فیصد زیادہ فائدہ ہوا بمقابلہ اس رقم کے جو فصلوں کو پانی دینے پر خرچ ہوتی۔ پھر اس پانی کو ۱۳،۰ امریکی ڈالر فی مکعب میٹر کی اوسط قیمت پر انتہائی ضرورت مند شہری اور زرعی صارفین کو ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بیچا گیا (Bhattia and Falkenmark ۱۹۹۳ء)۔ اردن میں ۱۹۹۱ء میں حکومت نے کسانوں کو ۱۲۰ امریکی ڈالر فی ہیکڑ ادا کیے تاکہ وہ اس سال کے دوران نہ تو فصلیں لگائیں اور نہ سبزیاں اگائیں۔ پانی کے حقوق کی تجارت کی یہ ایک تین مثال ہے (Shatanawi and Al-Jayousi ۱۹۹۵ء)۔

کیا اسلام میں بین الشعبہ جاتی منڈیوں کی اجازت ہے؟ اس کی دو خاص شرائط ہیں یعنی زمین کے علاوہ پانی کے لیے علیحدہ واضح حقوق ہونے چاہئیں اور ان کی خرید و فروخت کا بھی حق ہو جیسا کہ پہلے بھی ذکر آچکا ہے شریعت کے مطابق پانی کی مختلف قسموں کے لیے یہ شرائط پوری ہو سکتی ہیں۔ لیکن کیا اسلامی نقطہ نگاہ سے اس نوعیت کا بین الشعبہ جاتی اختصاص پسندیدہ ہے؟ اسلام نے استعمال کی ترجیحات کا جو تعین کیا ہے وہ پیش کر دیا گیا ہے۔ ان میں زراعت تیسرے نمبر پر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی آبادی دیہی اور زراعت پیشہ سے بدل کر شہری اور صنعتی بن جاتی ہے تو پانی دوبارہ مختص کرنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ پیاس بھگانے کے بنیادی حق کے پیش نظر ایسا کرنا انصاف کا تقاضا بن جاتا ہے۔

دراصل بین الشعبہ جاتی تبادلہ آب پانی کی منڈیوں کی معرفت ناگزیر ہے۔ پانی کی بڑھتی ہوئی قلت اور بڑے پیمانے پر اس کی چور بازاری کی وجہ سے پورے مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ بشمول اردن اور فلسطین، بے ضابطہ پانی کی منڈیاں عام ہو گئی ہیں۔ بے ضابطہ منڈیاں جو کسی ضروری قانونی تنظیمی یا معاشی اقدامات کی پابند نہیں ہوتیں، بے قاعدگیوں کو جنم دے سکتی ہیں جیسا کہ بھارت میں ہوا کہ زیر زمین پانی کی سطحیں خطرناک حد تک نیچے چلی گئیں کیونکہ کسان اپنا پانی دوسرے کسانوں یا شہریوں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس پانی کو پمپ کرنے کے لیے جو بجلی استعمال کرتے ہیں وہ انہیں حکومت سے نرخیوں پر مہیا کرتی ہے۔

حکومتوں کو چاہیے کہ وہ قومی آبی مختص کاری کے لیے بصیرت سے کام لیں اور اس شعبے کو ایک ضابطے کے تحت چلائیں تاکہ پانی کی ایک شعبے سے دوسرے شعبے میں منتقلی آہستہ، مستقل اور سوچی سمجھی ہو۔ ان اقدام کو بروئے کار لاتے ہوئے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ملک بھر میں کل ایک سو یونٹ قابل تجدید پانی موجود ہے تو اس میں سے ۸ یونٹ زراعت کے شعبے سے لینے کے لیے شعبہ جاتی

استعداد کو صرف ۱۰ فیصد بڑھانا ہوگا۔ لیکن اس سے گھریلو استعمال کے پانی کی دستیابی تقریباً دوگنی ہو جائے گی۔ یہاں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ استعمال شدہ پانی صاف کر کے مکمل حد تک زراعت کو مہیا کیا جائے۔ درحقیقت وہی علاقوں میں طلب آب کے انتظام کا کہیں زیادہ امکان ہے، اگر صارفین کو اس قسم کی معاشی ترغیب دی جائے کہ وہ رضا کارانہ طور پر پانی کے استعمال کے حقوق کی تجارت کر سکیں۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ یہ قطعاً ممکن ہے کہ زرعی پیداوار کو نہ صرف اپنی سطح پر برقرار رکھا جائے بلکہ اس میں اضافہ بھی کیا جائے اور پانی کے استعمال میں کمی کی جائے بالخصوص جب کم تر درجے کے آب پاشی کے طریقوں سے ابتدا کی جائے جو مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے بہت سے ملکوں میں ہمیشہ سے عام ہیں۔ مثال کے طور پر افریقہ میں کینیا (مکا کوس) اور نائیجر (کینیا) میں زرعی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے جبکہ پانی کم استعمال کیا گیا یا زمینی انحطاط کے عمل کو الٹا کر دیا گیا (Templeton and Scherr ۱۹۹۷ء)۔

بہر حال نوکلاسیکی معاشیات کے ریلے کے خلاف، جس نے دنیا کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے اور جو کبھی کبھی بجائے خود مذہب کا درجہ اختیار کر لیتا ہے، دوبارہ مختص کاری کی توجیہ معاشی نہیں سمجھی ہے جس میں زیادہ عدل کی خواہش جھلکتی ہے۔ منڈی کے طریقہ کار کے ذریعے مسئلہ کا حل محض ایک آلہ ہے جو معاشرے میں انصاف کو فروغ دینے کے لیے حکومت استعمال کر سکتی ہے۔ اگر مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کی حکومتیں باضابطہ آبی منڈیوں کو بطور آلہ کار استعمال کرنا چاہیں تو انہیں قانونی، تنظیمی اور ضابطے کی میکانیات کو بروئے کار لانا پڑے گا تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ وہاں کام مستعدی کے ساتھ اور منصفانہ انداز پر ہوگا۔ ان میں بنیادی میکانیات تنظیمی ہے جو کمیونٹی کی شمولیت اور شراکت چاہتی ہے (اگلا سیکشن ملاحظہ کیجئے) تاکہ عادلانہ تخصیص کے مشکل کام میں سب ہی شریک ہوں۔ بہر حال زیادہ تر ترقی پذیر ممالک میں اس طرح کے مطلوبہ آئینی، قانونی، انضباطی اور معاشی شرائط تاحال موجود نہیں ہیں کہ وہ خود مکلفی اور منصفانہ منڈیاں قائم کر سکیں۔

مربوط آبی انتظام

بسواس (اس کتاب کے ایک مضمون نگار) نے ورک شاپ میں پانی کے مربوط انتظام کے بارے میں بحث و تہیص کے لیے سیاق و سباق مہیا کر دیا تھا۔ ۱۹۹۲ء میں اقوام متحدہ نے ریوڈی جیر و کے مقام پر ماحولیات اور ترقی کے بارے میں ایک کانفرنس منعقد کی تھی جہاں اس اصول کی توثیق کی گئی تھی کہ ”ایک غیر محفوظ اور مقررہ گنجائش والے وسیلے کی حیثیت سے پانی کا جامع انتظام اور قومی معاشی و سماجی

پالیسی کے دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے آبی منصوبوں اور پروگراموں میں ہم آہنگی پیدا کرنا، ۱۹۹۰ء کی دہائی اور اس کے بعد کے عرصے کے کاموں میں بڑی اہمیت رکھتا ہے،^{۳۵} آسان لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مربوط آبی انتظام ایسا ہونا چاہیے جو آبی وسائل کے انتظام سے متعلق تمام مسائل اور ان کے ایک دوسرے پر اور پانی کے شعبے پر مجموعی اثرات کا کُلنی طور پر احاطہ کر سکے۔ اس انتظام کا اصل مقصد پانی کی تقسیم میں عدل، اہمیت اور پائیداری کو تقویت پہنچانا ہونا چاہیے۔ چونکہ آبی وسائل کے ساتھ بہت سے معاملات عمودی اور افقی انداز سے منسلک ہوتے ہیں، اس لیے ایسا نظام ایک ایسے مربوط طریقہ کار کے بغیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا جو مائیکرو اور میکرو دونوں سطحوں پر اس شعبے کے حوالے سے کیے گئے فیصلوں اور کارروائیوں کے اثرات کا جائزہ نہ لے سکے۔

بسواں آبی وسائل کے انتظام کے بارے میں چند نکات کی نشاندہی کرتے ہیں جن کو مربوط کرنے کی اشد ضرورت ہے:

- پانی کی مقدار اور معیار۔
- فنی، ماحولیاتی اور سماجی مسائل۔
- زمین اور پانی کا استعمال۔
- دریاؤں کے طاس، دہانے اور ساحل کے انتظامات۔
- قانونی ڈھانچہ (یعنی قوانین اور پالیسیوں کا مربوط انتظام) اور
- کمیونٹی کی بنیاد پر قومی و بین الاقوامی آبی وسائل کا انتظام۔

مربوط آبی وسائل کے انتظام کا ایک ڈھانچہ تیار کرنے کی کچھ کوشش کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ریوڈی جیرو کانفرنس کے باب ۱۸/۱۱ جینڈار ۲۱ میں اس انتظام کے تحت کئی عملی پروگرام مرتب کیے گئے ہیں۔^{۳۶} یہ محض ابتدا ہے۔ لیکن پروگرام بنانا الگ بات ہے اور ان کو عملی جامہ پہنانا خود ترقی یافتہ ملکوں کے لیے بھی انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ اس کے لیے زیادہ تحقیق اور اضافی منصوبے بنانا ضروری ہیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ اجزاء کیوں کر مربوط کیے جاسکتے ہیں اور کون اس کام کو انجام دے گا۔ ورک شاپ نے انتظام کی تین سطحوں مقامی، قومی اور بین الاقوامی پر نظر ڈالتے ہوئے اسلام کے چند پہلوؤں اور مربوط آبی انتظام کا جائزہ لیا۔

کمیونٹی کی بنیاد پر آبی انتظام

پیشہ ور اور پالیسی ساز ماہرین ترقیات اب یہ سمجھنے لگے ہیں کہ آبی انتظام کو لامرکزی رکھا جائے اور ترجیحات کا تعین اور فیصلے مناسب نچلی ترین سطح پر کیے جائیں۔ بہت سی صورتوں میں ایسا طریقہ کار

جس میں مقامی آبادیاں، ان سے متعلق پریذیکٹس کی منصوبہ بندی اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے ساتھ ساتھ ان کے اخراجات برداشت کرنے میں بھی شریک ہوں، زیادہ کامیاب اور پائیدار ثابت ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر یوگینڈا میں لامرکزیت اور ”جو استعمال کرے وہ قیمت دے“ کے اصول پر قومی پالیسی بنائی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانی کی فراہمی جو ۱۹۸۰ء میں ۱۸ فیصد علاقوں تک تھی وہ ۱۹۹۶ء میں بڑھ کر ۳۶ فیصد علاقوں تک پھیل گئی اور اسی مدت میں گندے پانی کی نکاسی ۲۰ فیصد سے بڑھ کر ۴۵ فیصد ہو گئی (Lundqvist and Gleick ۱۹۹۲ء)۔ اس وقت بین الاقوامی ترقیات کا تحقیقی مرکز (IDRC) ہندوستان اور نیپال میں ایک ایسے مطالعے میں مدد کر رہا ہے جس کا مقصد فراہمی آب اور صفائی ستھرائی میں اضافے کے لیے پانی کی طلب کے انتظام اور پانی کو محفوظ رکھنے کے لیے مقامی تدابیر کی سود مندگی کو جانچنا ہے۔^{۳۷}

لامرکزیت اور کمیونٹی کی شراکت کے اسلامی تصور کے حوالے سے ورک شاپ میں کوئی خلاصہ نہیں پیش کیے گئے۔ ظاہر ہے کہ ایسے پیچیدہ موضوع پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ بہر حال بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز کی سعیدہ خان نے اپنی غیر رسمی پیش کش میں ایک بحث کا آغاز کیا تھا جس کے نتیجے میں شرکائے ورک شاپ کے درمیان چار اہم نکات پر اتفاق رائے ہوا۔

اول: بہت سے مسلمان ملکوں میں مرکزی فیصلہ سازی کے مروجہ نظام کے برخلاف کسی بھی مسئلے پر جس میں پانی کا انتظام بھی شامل ہے، متعلقہ آبادی کی رائے کو بھی شریک کرنا اسلام میں لازمی قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں مومنین کی جو تعریف بیان کی گئی ہے اس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کرو۔“^{۳۸} یہ طریقہ کار مسلم ممالک کے تمام قائدین پر واجب ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی اسی حکم پر عمل کرتے تھے کیونکہ اس کا اطلاق ان پر بھی تھا۔

دوم: اسلام کے مطابق جن کو آواز اٹھانے کا اختیار ہے ان سے مشورہ بھی لازم ہے۔^{۳۹} اس میں خواتین بھی شامل ہیں۔ مزید یہ کہ ترقی پذیر ممالک میں چونکہ خواتین ہی بیشتر پانی بھرنے کی ذمہ داری اٹھاتی ہیں اور وہی کچرے کو ٹھکانے لگانے اور صحت و صفائی کے بارے میں ہمیشہ زیادہ فکرمند رہتی ہیں اس لیے ان کے مشورے کی مردوں کے برابر ہی نہیں مردوں سے زیادہ ضرورت اور اہمیت ہے۔ تاہم تاریخ گواہ ہے کہ بیشتر ترقی پذیر ملکوں میں مذہب اور ثقافت سے قطع نظر، خواتین فیصلہ سازی سے دور رکھی گئی ہیں۔ مسلمان ملکوں میں بھی تقریباً یہی صورت حال ہے۔ اگرچہ اسلام نے ۱۴ سو سال پہلے انہیں یہ حقوق دیئے تھے اور خود نبی کریم ﷺ اپنی ازواج مطہرات اور دوسری خواتین سے مشورے کیا کرتے تھے،^{۴۰} واقعہ یہ ہے کہ مسلم ممالک کے فیصلہ ساز جو تقریباً سبھی مرد

ہیں اکثر حضورؐ کی مثال پر عمل نہیں کرتے۔

سوم: کمیونٹی کی حقیقی شرکت اور اسلام دونوں کا یہی مطالبہ ہے کہ آبادی اور افراد دونوں فعال ہوں، جیسا کہ (۱۹۹۷ء) Lundqvist کا کہنا ہے کہ ”استعمال کنندگان کو حقوق اور فائدوں کے ساتھ ساتھ ذمے داری بھی قبول کرنی چاہیے (بشمول مناسب قیمت کی ادائیگی)۔“ کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور حکومت کی شکایت کرتا پھرے کہ وہ نہ تو پانی مہیا کرتی ہے اور نہ گندے پانی کی نکاسی کا انتظام کرتی ہے۔ سماجی ذمے داری افراد سے شروع ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو اپنی مدد بھی کرنا چاہیے اور اپنی برادری کی بھی۔ جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے ”بلاشبہ یہ بہتر ہے کہ کوئی رستی لے، لکڑی کاٹے، گٹھرا باندھے اور پھر فروخت کرے... یہ نسبت اس شخص کے جو دوسروں سے سوال کرے کیونکہ وہ دے بھی سکتا ہے اور منع بھی کر سکتا ہے“^{۲۱}

چہارم: چونکہ عادلانہ آبی انتظام آخر کار انفرادی سطح پر منصفانہ ذہن پر منحصر ہے اس لیے اس تبدیلی کو لازماً پختی ترین سطح پر ہونا ہے۔ لوگ اپنے آس پاس کے لوگوں سے سیکھتے ہیں یا ان لوگوں سے جو اونچی جگہوں پر ہیں چاہے ان کا اعزاز اعلیٰ اقدار کی وجہ سے ہو یا اعلیٰ تعلیم کی وجہ سے۔ ان پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ عدل، بچت، ماحولیاتی تحفظ اور اپنی مدد آپ کے اصولوں کی تبلیغ کریں اور آبادیوں میں ان پر عمل بھی کرائیں۔ چونکہ یہ تصورات نہ تو قطعاً مذہبی ہیں اور نہ بالکل لادینی، تعلیم یافتہ دینی رہنماؤں پر اضافی ذمے داری عائد ہوتی ہے کیونکہ ان مسائل کے بارے میں ان کی معلومات دینی اور لادینی دونوں قسم کی ہوتی ہیں۔ کمیونٹی کی ترقی کے بہت سے منصوبے فعال قیادت کی وجہ سے کامیاب ہوئے جو تعلیم یافتہ اور اعلیٰ اقدار کے حامل افراد پر مشتمل تھی۔ مدرٹریسیا نے کول کتہ کی ایک کچی بستی میں اور کراچی میں اورنگی پائلٹ پروجیکٹ کے ڈاکٹر اختر حمید خاں نے کمیونٹی کی خدمت کی کوشش میں آبادی میں ایک روح پھونک دی، دل بڑھایا اور خود اپنی مثال پیش کی^{۲۲}۔

قومی سطح پر آبی انتظام

ورک شاپ میں قومی سطح پر آبی انتظام کے موضوع پر اسلامی تناظر میں کوئی خلاصہ پیش نہیں کیے گئے۔ مزید برآں عمومی طور پر مقامی، علاقائی اور قومی سطح پر آبی انتظام میں ربط پیدا کرنے کے حوالے سے کام نہ ہونے کے برابر ہوا ہے۔ تاہم اس بارے میں کچھ نکات دیے جا رہے ہیں۔

اگر اسلامی آبی انتظام کی نظیر کر کے صرف ایک اصول وضع کیا جائے تو وہ پانی کا ایک ایسا انتظام ہوگا جو تمام خدائی مخلوقات کے لیے عدل فراہم کرتا ہو۔ ایک قومی ریاست پورے معاشرے میں عدل، کارکردگی اور خود انحصاری میں توازن نہیں پیدا کر سکتی جب تک کہ اس معاملے کے تمام پہلوؤں کو

پیش نظر نہ رکھا جائے اور پانی سے متعلق مسائل کا ایک دوسرے پر انحصار کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔

ایسے اصول جیسے معاشرے میں منصفانہ قیمتیں، ماحول کا تحفظ اور غذا کی سلامتی کافی غور و خوض چاہتے ہیں اور فنی، ماحولیاتی، معاشی اور سماجی پالیسیوں میں ایسے ربط کی ضرورت ہے جسے انتہائی نچلی سطح کی شرکت سے تقویت حاصل ہو اور جس پر بالآخر قومی سطح پر بحث و تمحیص کی جائے۔ شہری پانی اور غالباً زرعی آب پاشی کی قیمتوں میں اضافے کے اثرات کا تجزیہ قومی سطح پر ہونا چاہیے کیونکہ کچھ اثرات کم از کم مختصر عرصے میں اور شاید طویل مدت میں منفی ہوں گے لیکن بعض دوسرے مثبت ہوں گے مثلاً صاحب حیثیت لوگوں کے لیے پانی کی قیمتوں میں اضافے سے شاید یہ ممکن ہو سکے کہ اس غیر مراعات یافتہ غریب طبقے کو بھی جو فی الوقت پانی کی بہت زیادہ قیمتیں دے رہے ہیں یہ سہولت مہیا کی جاسکے۔ اس طرح معاشرے میں عدل میں اضافہ ہو سکے گا۔ گلوبل واٹر پارٹنرشپ نے کیا خوب نعرہ دیا ہے: ”سب کو کچھ نہ کچھ، نہ کہ کچھ کو سب کا سب“۔

حدیث شریف ”نہ تو خود کو نقصان یا ایذا پہنچاؤ اور نہ دوسروں کو“^{۳۳} اور دیگر احادیث جو ماحولیات کے تحفظ کے بارے میں پہلے ہی دی جا چکی ہیں مجموعی طور پر اہل اسلام کو ہدایت دیتی ہیں کہ وہ کوئی ایسا عمل نہ کریں جن سے خود ان کو نقصان پہنچے یا دوسری مخلوقات کو یا ماحول کو۔ یہ اصول صحیح طرح سے صرف اسی وقت بروئے کار لایا جاسکتا ہے جبکہ قومی ریاست تمام مخلوقات اور ماحول کو پہنچنے والے نقصانات کو مانیٹرنگ کے نظام کے تحت جانچ سکے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سماجی، معاشی اور ماحولیاتی پالیسیوں کو مربوط بنایا جائے اور ان پر عمل درآمد کے لیے قانون سازی کی جائے تاکہ ارضی و آبی وسائل کا تحفظ ہو سکے۔ اس اصول میں ماحول، معاشرے اور صحت پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لینے کی ضرورت بھی شامل ہے۔

پانی کی نئی مختص کاری کے لیے ضروری ہے کہ تمام متعلقہ لوگ مشکل فیصلے کریں تاکہ انصاف پر مبنی نتائج سامنے آسکیں۔ غذائی خود کفالت سے چل کر غذائی سلامتی تک پہنچنے کی پالیسی اختیار کرنا تو ایک ناگزیر انتخاب ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تجارت، سیاحت، صنعت، زراعت اور پانی کے حکموں کے درمیان باہمی مشورے کے بعد مربوط پالیسیاں اپنائی جائیں۔ ریاستوں کو اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ صنعتی برآمدات اور سیاحت کے ذریعے اتنا زرمبادلہ کما سکیں کہ زرعی اجناس دنیا بھر میں جہاں سے چاہیں خرید سکیں۔ مستحکم تجارتی روابط کے لیے پڑوسیوں کے درمیان امن و امان کا ہونا ضروری ہے اور مجموعی سیاسی صورت حال بھی ایسی ہو کہ غلہ سیاسی وجوہ کی بنا پر روکا نہ جاسکے۔ پانی کو زراعت سے لے کر شہروں کی طرف منتقل کرنے سے کچھ کاشت کار

بے روزگار ہو جائیں گے اس لیے مختلف وزارتوں کو قومی سطح پر متبادل روزگار کی حکمت عملی اور سماجی تحفظ جیسے مسائل پر غور کرنا ہوگا۔

بین الاقوامی آبی وسائل کا انتظام

چونکہ پانی ملکی سرحدوں کا پابند نہیں ہوتا اس لیے آبی انتظام کے اصولوں کو بالآخر نہ صرف افراد کے درمیان بلکہ خود مختار ریاستوں کے درمیان معاہدات کے سلسلے میں بھی رہنمائی کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر مشرق وسطیٰ میں دریائے نیل کی وادی دس ملکوں میں بٹی ہوئی ہے اور Rum Aquifer (یعنی زم کی چٹانوں کے نیچے پانی کی تہیں) اردن اور سعودی عرب میں مشترک ہیں۔ اسلام اور بین الاقوامی آبی انتظام کے بارے میں تاحال کچھ نہیں لکھا گیا ہے لیکن اس کتاب میں حسین اور الجیوسی کے مضمون میں اس موضوع پر گفتگو کی گئی ہے اور کچھ ابتدائی نتائج بھی اخذ کیے گئے ہیں۔ بین الاقوامی طور پر عالمی آبی انتظام پر تازہ اتفاق رائے ان ۳۳ دفعات میں جھلکتا ہے جنہیں بین الاقوامی لاکمیشن نے وضع کیا تھا اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۹۹۷ء میں منظور کر لیا تھا۔ اب یہ رکن ممالک کی توثیق کی منتظر ہیں۔ ان کے چار اہم اصول یہ ہیں:

- بین الاقوامی دریاؤں سے منصفانہ اور معقول استفادہ (دفعہ نمبر ۵)
- بڑے نقصان اور تلافی سے بچنا (دفعہ نمبر ۷)
- دریاؤں سے متصل ریاستوں کے درمیان باہمی تعاون (دفعہ نمبر ۸) اور
- بین الاقوامی دریاؤں کا تحفظ اور دیکھ بھال و نیز متعلقہ ماحولیاتی نظام (دفعات نمبر ۵، نمبر ۸، نمبر ۲۰ اور نمبر ۲۱)

بین الاقوامی قانون کے مذکورہ اصول اسلام کے عین مطابق ہیں کیونکہ یہ عالم گیر اقدار کی اساس پر ہیں۔ یہ اقدار ان اسلامی تصورات میں پنہاں ہیں کہ پانی اللہ کی طرف سے اپنی مخلوق کے نام عطیہ ہے، اس لیے ساری مخلوق کو حق پہنچتا ہے کہ اس سے اپنی پیاس بجھائے اور اس کا دوسرے مقاصد میں استعمال منصفانہ ہو۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ فاضل پانی دوسروں تک پہنچنے میں رکاوٹیں کھڑی کرے۔ علاوہ ازیں ایک اور تصور کہ دوسروں کو واضح نقصان پہنچانے سے گریز کیا جائے۔ دراصل حدیث نبویؐ کے ہی الفاظ ہیں کہ خود کو یا دوسروں کو ایذا پہنچانے سے بچیں۔ ایک اور حدیث میں یوں کہا گیا ہے کہ ”وہ مومن نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے جبکہ اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔“ یہ حدیث کھانے اور پانی دونوں ہی پر نافذ ہوتی ہے۔ پڑوسی میں فرد بھی شامل ہیں اور ریاستیں بھی، مسلمان بھی شامل ہیں اور غیر مسلم بھی۔ پھر اگر کسی کو نقصان پہنچتا ہے تو شریعت کے

مطابق نقصان پہنچانے والے پر ذمے داری بھی عائد ہوتی ہے یعنی نقصان اٹھانے والے کو معاوضہ دیا جائے۔ مزید یہ کہ اسلام میں 'شوریٰ کی ضرورت' میں موزوں عالم گیر اقدار بھی جمع کر دی گئی ہیں (یعنی باہمی مفاد کے امور میں مشاورت) اس کے ساتھ ساتھ اسلام میں پانی اور ماحولیاتی نظام کے تحفظ اور دیکھ بھال پر بھی زور دیا گیا ہے۔ یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ فساد سے بچو۔

بہر حال عملاً اگر اس کنونشن کی اقوام متحدہ کے رکن ممالک توثیق کر بھی دیں تب بھی یہ محض رہنما اصول ہوں گے جن کو بزور نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ فی الوقت پانی کے مسئلے پر متعدد بین الاقوامی تنازعات موجود ہیں جن پر قومی ریاستیں ان اصولوں کا اطلاق نہیں کر رہیں۔ مثال کے طور پر اسرائیل میں فی کس پانی کا استعمال ۳۳۰ لیٹر یومیہ ہے جبکہ فلسطین میں اس کے برخلاف ۵۰ لیٹر یومیہ ہے۔ اگر خطے میں عادلانہ امن قائم ہوتا ہے تو اسرائیل اور فلسطین کو باہم مل کر مغربی کنارے اور اسرائیل کے پہاڑوں میں زیر زمین پانی کا بندوبست کرنا ہوگا اور اس کو منصفانہ بنیادوں پر تقسیم کرنا ہوگا۔ بین الاقوامی ترقیات کا تحقیقی مرکز آج کل ایک منصوبے میں "زیر زمین پانی کے مشترکہ انتظام" پر کام کر رہا ہے۔^۴ اسی طرح عراق، شام اور ترکی کو بھی اتفاق رائے سے پانی کی منصفانہ حصہ داری کا معاہدہ کرنا چاہیے۔ چونکہ اسلام نے بین الاقوامی آبی انتظام کے اصولوں کی پرزور اور واضح حمایت کی ہے، ورک شاپ کے بعض شرکاء نے مشورہ دیا کہ غالب اکثریت والی مسلم اقوام پانی کے تقصیے ایک اسلامی کونسل میں لے جائیں جس کو مسائل کے تصفیے اور ثالثی کا اختیار حاصل ہو۔ اگرچہ ریاستوں کے درمیان پانی کی منصفانہ تقسیم پر گفت و شنید مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں ہے بالخصوص جبکہ بات چیت ایک ثالث کی موجودگی میں ہو۔ بھارت اور پاکستان کی مثال سامنے ہے۔ ان دونوں ملکوں کے درمیان ۱۹۶۰ء میں عالمی بینک کی کوششوں سے دریائے سندھ کے طاس کا معاہدہ طے پایا اور ممکنہ جنگ کے بادل چھٹ گئے۔ اسلامی شریعت ایسے معاہدے یا ذمے داری کو قانونی درجہ دیتی ہے جو دو فریقوں کے درمیان ہوا ہو اور انہیں اس کا پابند بناتی ہے۔

آبی انتظام کے اسلامی اصول

ورک شاپ کے شرکاء آبی انتظام کے اسلامی اصولوں پر مندرجہ ذیل تین عنوانات کے تحت متفق ہو گئے۔ پانی بطور سماجی بھلائی، طلب آب کا انتظام اور مربوط آبی وسائل کا انتظام۔ ان اصولوں کا بنیادی نکتہ انصاف کو یقینی بنانا ہے۔ ذیل میں تینوں عنوانات کی تشریح دی جا رہی ہے۔

پانی بطور سماجی بھلائی

- اسلام میں پانی کی پہلی اور نمایاں حیثیت ایک سماجی بھلائی کی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور تمام زندگیوں کو قائم رکھنے کے لیے جزو اعظم اور لازمی حصہ ہے۔
- پانی پوری کمیونٹی کی اجتماعی ملکیت ہے۔ کوئی فرد انغوی معنوں میں اس کا مالک نہیں ہے۔
- پانی کے استعمال کے سلسلے میں پہلی ترجیح پینے کا پانی ہے جو تسلیم شدہ معیار اور مقدار کا ہو جس سے انسانی زندگی قائم رہے اور یہ ہر انسان کو اس کی بنیادی ضرورت کے مطابق ملتا رہے۔
- دوسری ترجیح پالتو جانور اور تیسری ترجیح زراعت کے لیے پانی ہے۔
- نوع انسانی زمین پر پانی کا مہتمم ہے۔
- ماحول (حیوانات اور نباتات دونوں) کو بڑا قوی اور جائز حق پانی پر حاصل ہے۔ آلودگی کو کم کر کے ماحول کی حفاظت کرنا بے حد ضروری ہے۔ افراد، تنظیموں اور ریاستوں کے خلاف ان نقصانات کے لیے قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے جو انہوں نے ماحول کو یا ماحول سے متعلق دوسروں کے حقوق کو، بشمول پانی کے استعمال کا حق، پہنچائے ہوں۔
- آبی وسائل کا انتظام اور استعمال اس طرح کیا جانا چاہیے کہ یہ وسائل برقرار رہ سکیں۔
- پائیدار اور منصفانہ آبی نظام کا بالآخر مندرجہ ذیل عالم گیر اقدار پر انحصار ہوتا ہے مثلاً انصاف، عدل اور دوسروں کا خیال رکھنا۔

طلب آب کا انتظام

- تحفظ آب اسلام میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ مساجد، مدارس اور دینی اداروں کو اس اصول کی ترویج و اشاعت میں استعمال کیا جانا چاہیے تاکہ دوسری دینی و لادینی کوششوں کو مدد مل سکے۔
- استعمال شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کی اسلام میں اجازت ہے تاہم پانی کی صفائی ایک مقررہ حد تک لازمی ہے تاکہ جس مقصد کے لیے اسے صاف کیا گیا ہے اس مقصد میں یہ خالص اور صحت کے لیے بے ضرر ثابت ہو۔
- کل لاگت کے حصول کی اجازت ہے یعنی عام پانی کی صفائی، فراہمی اور ذخیرہ کرنے یا تقسیم پر ہونے والا کل خرچ اور اس کے ساتھ ساتھ استعمال شدہ پانی کو اکٹھا کرنے، صاف کرنے اور پہنچانے پر کیا جانے والا کل خرچ۔ بہر حال پانی کی قیمت منصفانہ بھی ہونا چاہیے اور ایسی

بھی جس سے نظام کی کارکردگی بہتر ہو سکے۔

- پانی کی فراہمی کی رنج کاری اسلام میں جائز ہے لیکن حکومت کی ذمے داری ہے کہ وہ پانی کی قیمت اور فراہمی میں عدل کو یقینی بنائے۔

آبی وسائل کا مربوط انتظام

- آبی انتظام میں تمام متعلقہ ارکان کے درمیان شوراہیت لازمی ہے۔
- آبادی کے تمام افراد بلا امتیاز صنف آبی انتظام میں موثر کردار ادا کر سکتے ہیں اس لیے ان کو اس کام میں شرکت کی ترغیب دینی چاہیے۔
- مختلف آبادیوں کو فعال ہونا چاہیے تاکہ آبی وسائل تک سب کی منصفانہ رسائی یقینی ہو۔
- تمام قومی ریاستوں کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ دوسری قومی ریاستوں کے ساتھ پانی کی منصفانہ حصہ دار بنیں۔
- مربوط آبی انتظام ایک ایسا لازمی آلہ ہے جو مختلف علاقوں اور شعبوں میں منصفانہ عمل متوازن رکھتا ہے۔

سفارشات

ورک شاپ کی سفارشات مختلف مخاطبین کے حساب سے جدا جدا ہیں۔ یہ سفارشات خصوصی طور پر بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز یا بین الاقوامی آبی وسائل کی انجمن یا طلب آبی وسائل اور انتظام کے بین الاقوامی کمیٹی ورک کے لیے نہیں ہیں۔ گرچہ ان میں سے کچھ سفارشات ممکنہ طور پر مذکورہ تنظیموں میں سے کسی کے اغراض و مقاصد کے پیش نظر اس کے لیے بھی موزوں ہوں۔ بعض صورتوں میں یہ سفارشات آبی ماہرین، معطلی ادارے اور پالیسی سازوں کے لیے مناسب ہو سکتے ہیں لیکن دوسری صورتوں میں وہ صرف مسلمان مخاطبین کے لیے ہیں۔

پانی بطور سماجی بھلائی

- آبی وسائل کے انتظام میں مسلمان سائنسدانوں اور ریاستوں کے درمیان تعاون اور تبادلہ معلومات کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ اس مقصد کے لیے ایک کمیٹی ورک بنایا جائے تاکہ عدل قائم ہو۔
- اس مقصد کے تحت آبی وسائل کے انتظام میں تعاون اور تبادلہ معلومات کی مذہب سے بالاتر

ہو کر تمام سائنسدانوں اور ریاستوں کے مابین حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

طلب آب کا انتظام

- پانی کے تحفظ کے لیے غیر معاشی ترغیبات کے علاوہ پانی کے ضیاع پر سزاؤں کی نشاندہی کی جانی چاہیے۔
- گند پانی اچھی طرح صاف کر کے دوبارہ قابل استعمال بنانا چاہیے۔

آبی وسائل کا مربوط انتظام

- مسلم ممالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ آج کل کی مختلف بین الاقوامی اسلامی تنظیموں کے اغراض و مقاصد کا لحاظ کریں اور انہیں اختیار دیں کہ وہ مسلم ریاستوں کے درمیان پانی کے استعمال کے حق کے بارے میں تنازعات کا فیصلہ کریں اور خود بھی ان فیصلوں کی پابندی کریں۔
- مسلم ریاستوں اور دوسرے مذاہب کی ریاستوں کے درمیان تنازعات میں ہر فریق کی ذمے داری ہے کہ وہ بااختیار بین الاقوامی تنظیموں کے منصفانہ اور عادلانہ احکامات کو قبول کریں اور ان پر عمل درآمد کریں۔

مزید تحقیق

ورک شاپ نے اطلاقی تحقیق کے جن پرائیکٹس یا مطالعوں کی سفارش کی ہے وہ ان سوالات کا احاطہ کرتے ہیں جن کا ورک شاپ کے دوران جواب نہیں مل سکا یا اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ورک شاپ کے دوران ہماری معلومات میں پایا گیا۔ ان کے علاوہ یہ ان تجاویز پر بھی مبنی ہیں جو دوسروں نے ورک شاپ سے حاصل ہونے والی نئی بصیرت سے ٹھوس فوائد حاصل کرنے کے لیے پیش کیں۔ اگرچہ ورک شاپ میں ان تجاویز پر تفصیل سے بحث ہوئی تھی، یہاں انہیں ایک عمومی انداز میں رکھا گیا ہے تاکہ دلچسپی رکھنے والے لوگ مخصوص مقاصد اور عناصر کی نشاندہی کر سکیں۔

مشورے خاص طور پر پالیسی سازوں کو دیے گئے ہیں یا پھر معطلی اداروں کو۔ لیکن ہر مشورے کے مخاطب وہی ہوں گے جن کا شوق اور مزاج موضوع سے میل کھاتا ہو۔ مثلاً وہ اطلاقی تحقیق جس کا خاص تعلق اسلامی مسائل سے ہو، بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز یا بین الاقوامی آبی وسائل کی انجمن کے لیے موزوں نہیں ہوگی مگر ان کا خصوصی ربط اسلامی ترقیاتی بینک اور طلب آبی وسائل اور انتظام کے نیٹ ورک جیسی تنظیموں سے نسبتاً زیادہ ہوگا۔

پانی بطور سماجی بھلائی

- مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں پانی کی عادلانہ فراہمی کے بارے میں دقیق سائنسی جائزے حاصل کیے جائیں۔ غیر رسمی شعبے کے اس غریب طبقے کے لیے جسے پانی فراہم نہیں کیا جا رہا اور متوسط اور زیادہ آمدنی والے طبقوں میں بھی جنہیں پانی مل رہا ہے، حجم، معیار اور قیمت کی ادائیگی کے مسائل کی نشاندہی کی جائے۔ جائزوں سے پانی کی فی کس قیمت، پانی کی فی کس ادائ شدہ آمدنی کا فی صد حصہ جو پانی پر خرچ ہوا اور ادائیگی پر رضامندی کے بارے میں معلومات حاصل ہونی چاہئیں۔
- موجودہ معاشی آبادیاتی اعداد و شمار اور آباد کاری کے رجحانات کے حوالے سے پانی کے حقوق کی ترجیحات کا پتا لگایا جائے اور ماحول کے حقوق، جنگلی جانوروں اور درختوں کے پانی پر حقوق کی وضاحت کی جائے۔

طلب آب کا انتظام

- مذہبی عناصر کو عام تعلیم اور آگہی کے منصوبوں سے مربوط کرنے کے لیے وسیع المدارج پائلٹ مطالعے کیے جائیں تاکہ پانی کے تحفظ اور دوبارہ استعمال کی حوصلہ افزائی ہو۔ اس میں زیادہ زور لڑکیوں اور عورتوں کی شرکت پر دیا جائے جنہیں اکثر ایسے پروگراموں سے دور رکھا جاتا ہے کیونکہ ان کی دینی تعلیم مدارس یا مساجد میں نہیں ہوتی۔
 - پانی کے محصول کو جانچا جائے جس میں پانی کی طلب میں چک مختلف شعبوں اور حالات میں دیکھی جائے۔ ان کے علاوہ یہ بھی دیکھا جائے کہ لوگ پانی کے بلند معیار پر زیادہ قیمت دینے پر رضامند ہیں یا نہیں۔ مزید محصولات کے جدول اور زراعت کی نوعیت غرباء کے لیے کیا ہوگی (بشمول پانی، آمدنی اسٹامپ وغیرہ کے اخراجات)۔
 - یہ پتا لگایا جائے کہ بین الشعبہ جاتی پانی کو منڈی کے ذریعے بہتر منصفانہ انداز سے کیوں کر مختص کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل نکات پر غور لازمی ہے:
- (الف) بے ضابطہ منڈیوں کے اثرات۔
- (ب) ماڈل تیار کرنا تاکہ بین الشعبہ جاتی مختص کاری کے لیے سماجی، ماحولیاتی اور معاشی اثرات کا تجزیہ کیا جاسکے۔
- (پ) کسانوں کی رضامندی کہ وہ تازہ پانی کے استعمال کا حق گھریلو استعمال اور صنعتی شعبے

کو فروخت کر دیں اور اس کے بدلے میں خود صاف شدہ گندا پانی استعمال کریں۔
(ت) تیسرے فریق کے اثرات کی مانیٹرنگ کے طریقے۔

(ث) ایسے ادارے جو فروخت کنندگان اور خریدار کے درمیان اپنا کردار ادا کر سکیں۔

(ث) قانونی اصلاحات اور سطح زمین اور زیر زمین پانی کی نجی اور سرکاری ملکیت۔

(ج) دیہی علاقوں میں پانی کے منصفانہ استعمال اور کارکردگی کو بہتر بنانے کے طریقوں کی تلاش بشمول دیہی طریقے۔

(چ) مختلف حالات میں پائلٹ لامرکزی، آبادیوں کے ذریعے چلنے والے، کم قیمت، عالمی پیمانے پر گندے پانی کی حقیقی صفائی اور دوبارہ استعمال کے منصوبے اور یہ جستجو کہ ایسے منصوبے قاعدے قرینے سے چل سکیں۔

مربوط آبی وسائل کا انتظام

• کمیونٹی کی بنیاد پر پانی کے انتظام کے ماڈلز اور متعلقہ مفاد کاروں کی شرکت کا تجزیہ کیا جائے، جیسا کہ:

عالم اسلام اور دوسرے مذاہب کے خطوں میں آبادیوں کے انتظام کی ہم عصر اور تاریخی مثالوں (کامیاب اور ناکام) کے مطالعوں کی نشاندہی کی جائے اور ایسے ماڈلز تیار کیے جائیں جنہیں پھیلا یا جاسکے۔

اندازہ لگایا جائے کہ کس طرح کمیونٹی والوں اور پانی کے استعمال کنندگان کو فیصلہ سازی میں شریک کیا جائے اور انہیں با اختیار بنایا جائے۔

یہ کھوج لگایا جائے کہ مختلف آبادیوں کے درمیان کیونکر مشترک مفاد کو فروغ دیا جائے۔

مسلم ممالک میں کمیونٹی کی بنیاد پر پانی کے انتظام کے منصوبوں میں صنفی تجزیہ کیا جائے تاکہ آبی انتظام میں خواتین کی موثر شمولیت ہو۔

• پتا لگایا جائے کہ مربوط آبی انتظام کا تصور مختلف ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے نظری تا عملی مراحل کیونکر طے ہوتے ہیں بالخصوص چند مثالوں کے مطالعے کی مدد سے۔

• بین الاقوامی قانون کے ان مخصوص عملی اصولوں کی تحقیق کی جائے جو اسلام کے عین مطابق ہوں بشمول تاریخی شواہد۔

نتائج

عربی کے لفظ 'شریعت' سے اب تو صرف قانون کے معنی لیے جاتے ہیں لیکن پہلے اس کے معنی 'قانون آب' لیے جاتے تھے (Mallat ۱۹۹۵ء)۔ اس لیے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ قرآن کریم اور احادیث نبویؐ کا تفصیلی مطالعہ بتاتا ہے کہ اسلام پانی کے انتظام کے بارے میں غیر معمولی تعداد میں خصوصی ہدایات دیتا ہے۔

اسلام آبی انتظام کے بارے میں جو کچھ کہتا ہے وہ بین الاقوامی اتفاق رائے سے ابھرنے والے فیصلوں سے متصادم نہیں ہے جیسا کہ Dublin Principles یا اقوام متحدہ کے آبی کنونشن سے ظاہر ہوتا ہے۔ درحقیقت آبی انتظام کے اسلامی اصول منفرد نہیں ہیں۔ ان میں سے کچھ اصول دوسرے مذاہب، ان کی مقدس کتابوں اور ان کے پیغمبروں کے حالات زندگی کے مطالعے سے اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ جب کوئی شخص اسلام کا گہرا مطالعہ کرتا ہے تو اس کو اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کی عطا کردہ اقدار نہ صرف دیگر دو ابراہیمی مذاہب عیسائیت اور یہودیت میں موجود ہیں بلکہ بہت سے دیگر عالمی مذاہب اور نظریات میں بھی موجود ہیں تاہم صاف پانی کی قلت مشرق وسطیٰ میں ہمیشہ رہی۔ یہیں اسلام پھلا پھولا اور صدیوں تک بیشتر مسلمان یہیں آباد رہے۔ یورپ میں جہاں صدیوں سے عیسائیوں کی اکثریت رہتی ہے، پانی کی کمی ابھی کچھ عرصے سے محسوس کی جا رہی ہے۔ اس لیے آبی انتظام کو چلانے والے قواعد و ضوابط دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام میں زیادہ واضح اور تفصیلی ہیں۔

ورک شاپ میں جن اصولوں، سفارشوں اور مزید کام کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں ان کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اہم ترین نتائج ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

- پانی ایک سماجی بھلائی ہے جو کمیونٹی کی ملکیت ہے۔ اگر عدل کو پیش نظر رکھا جائے تو جیسا کہ ایران میں ہے جہاں تمام شہری آبادی کو حیات افزا پانی کی اتنی مقدار مفت فراہم کی جاتی ہے جتنی انسان کی بنیادی ضرورت کے لیے کافی ہوتی ہے، تو اسلام نجی شعبے کو بھی آبی خدمات کی فراہمی کی اجازت دیتا ہے اور تازہ و خراب پانی کی صفائی پر ہونے والے اخراجات کی وصولیائی کی بھی اجازت دیتا ہے۔
- مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کی موجودہ صورت حال کے برخلاف پانی کے حقوق کی ترجیحات کچھ اس طرح ہیں: پہلی گھریلو استعمال، دوسری مال مویشی اور تیسری زراعت۔ ماحول پانی پر بڑا واضح اور خصوصی حق رکھتا ہے۔ افراد تنظیمیں اور ریاستیں اس نقصان کو پورا کرنے کی ذمے دار ہیں جو انہوں نے خود ماحول کو پہنچایا ہے۔ اس لیے "آلودہ گرا ادا کرے" کے اصول پر

قانون بنانے کی اجازت ہے۔

- جیسا کہ سعودی عرب کے فتوے اور عمل سے ظاہر ہوتا ہے، گندے پانی کا دوبارہ استعمال نہ صرف جائز ہے بلکہ ضرورت کے مطابق اس کی حوصلہ افزائی بھی کرنی چاہیے۔ شرط یہ ہے کہ پانی کی اس قدر صفائی کی جائے کہ وہ اپنے مخصوص مقصد کے استعمال میں محفوظ سمجھا جائے۔
- ورک شاپ نے یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ اسلام اور کمیونٹی کے حوالے سے آبی انتظام جیسے شعبوں میں مزید مطالعے اور چھان بین کی ضرورت ہے۔ اسلام یا دوسرے عقائد کو دوسرے تمام عوامل کے ساتھ مجموعی آبی انتظام کے حوالے سے کیونکر مربوط کیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک بڑا سوال ہے۔
- اس نوع کے مزید مطالعے زیادہ موثر اور منصفانہ آبی انتظام کی راہ میں مفید ہو سکتے ہیں۔ وہ تحقیق جس کے نتیجے میں گندے پانی کے دوبارہ استعمال کے بارے میں سعودی عرب کا فتویٰ سامنے آیا، دو باتوں کی مظہر ہے:

پہلی چیز اجتہاد جو آج کی دنیا میں جائز ہی نہیں مناسب اور لازمی ہے۔ دوسری چیز یہ کہ اسلام اور دوسرے مذاہب کے مخصوص اہداف مذہبی اقدار کی عکاسی کرتے ہیں مثلاً معاشرے میں انصاف کا دور دورہ ہونا۔ یہ اقدار زمانے کی قید سے آزاد ہیں اور ان میں تبدیلی ممکن نہیں۔ البتہ ان اہداف کے حصول کے کچھ ذرائع جیسے فریضہ زکوٰۃ جو اسلام کے پانچ ستونوں میں سے ایک ہے، ناقابل تبدیلی ہے۔ البتہ ان اہداف کے حصول کے لیے دوسرے ذرائع مخصوص حالات میں تبدیل ہو سکتے ہیں اور ہونا بھی چاہئیں۔ مثال کے طور پر گندے پانی کو صاف کر کے دوبارہ استعمال کرنا اور تازہ پانی کو بچالینا تاکہ اس سے سب فائدہ اٹھا سکیں۔

آخر میں مشرق وسطیٰ جہاں ہمیشہ ہی پانی کی قلت رہتی ہے لیکن گزشتہ دہائی میں بالخصوص فی کس فراہمی آب خطرناک حد تک کم ہو گئی ہے اور کمی کی شرح برابر بڑھ رہی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہاں یا کہیں اور بحران کی سی کیفیت اب تک پیدا نہیں ہوئی تھی۔ دوسری قوموں کی طرح مسلمانوں کی بھی عادت ہے کہ جب تک کوئی بحران ان کے سروں پر نہ آجائے وہ کسی ردعمل کا اظہار نہیں کرتے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ آبی انتظام کے اسلامی اصولوں پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ اس بحران کا مقابلہ کرنے کے لیے طلب آب کے انتظام کی پالیسی دستاویز کے نکات مندرجہ ذیل ہیں:

- جہاں مناسب ہو، خاندانی منصوبہ بندی کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ شرح پیدائش کم ہو سکے۔
- تازہ پانی کا رخ زراعت سے موڑ کر گھر اور صنعت کے استعمال کی طرف کیا جائے۔
- گھروں اور صنعتی استعمال شدہ پانی کی صفائی اور اس کا زراعت میں استعمال۔

- ماحول کا تحفظ کیا جائے۔ اس کے لیے قانون سازی کی جائے اور نقصان پہنچانے والے کو ازالہ کرنے کا پابند بنایا جائے۔
 - ہر شعبے میں پانی کی بچت کی جائے۔
 - پانی کی خدمات، ترسیل اور ضابطوں کے نفاذ کے لیے نجی و سرکاری شراکت کے امکانات کی جستجو کی جائے۔
 - آبی انتظام کی لامرکزیت اور کمیونٹی کی سطح پر اس کا انتظام۔
- ان تمام اقدامات کو اسلام کی بڑی واضح اور گہری حمایت حاصل ہے اور شاید دوسرے نظام ہائے عقائد سے زیادہ۔ اس لیے ان پالیسیوں کا نفاذ نسبتاً آسان ہے بشرطیکہ انہیں جامع عوامی شعور اجاگر کرنے کے لیے مختلف پروگراموں کے ذریعے اور دینی عناصر کی شمولیت کے ساتھ شروع کیا جائے۔

حواشی

- ۱۔ ۱۲:۴۷۔
- ۲۔ ۶۵:۱۶۔
- ۳۔ ۳۰:۲۱۔
- ۴۔ مسلم ۱۳:۷۳۔
- ۵۔ البخاری ۱۳۔
- ۶۔ البخاری ۲۶۱۸۔
- ۷۔ ۷:۵۹۔
- ۸۔ ابوداؤد ۳۳:۷۸۔
- ۹۔ ۳۸:۶۔
- ۱۰۔ البخاری ۵۸:۷۲۔
- ۱۱۔ البخاری ۵۵۵۰ Hadith Encyclopedea۔
- ۱۲۔ البخاری ۳۲۵۱۔
- ۱۳۔ ۹۹:۶۔
- ۱۴۔ ۲۷:۳۵۔
- ۱۵۔ ۱۱:۲۔
- ۱۶۔ مسلم ۶۰:۷۔

۱۷۔ ۱۹۹۵ء تا ۲۰۱۵ء کے دوران کم ترقی یافتہ ممالک کی شہری آبادی کے اضافے کی شرح اوسطاً ۲.۹ فیصد ہے جبکہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ممالک میں ۳.۲ فیصد ہے۔ ان ملکوں میں منصوبے بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) کی اعانت سے چل رہے ہیں: الجزائر، مصر، اردن، لبنان، مراکش، فلسطین، شام، سوڈان، تیونس اور یمن۔

۱۸۔ ۳۰:۱۸

۱۹۔ ۳۱:۷

۲۰۔ البخاری ۲۰۱

۲۱۔ الترمذی ۳۲۷

۲۲۔ اسلام میں ذاتی طہارت کی اہمیت پر کھلم غور و خوض اس باب کے دائرے سے باہر ہے تاہم اسلام نے طہارت کے بارے میں واضح اور تفصیلی احکامات دیے ہیں جن کے حوالے قرآن کریم اور احادیث نبوی میں بآسانی مل جاتے ہیں۔ مثلاً نماز سے پہلے وضو کرنا، جماع کے بعد اور نماز سے قبل غسل، بغل اور جسم کے پرائیویٹ حصوں سے غیر ضروری بالوں کی صفائی اور اجابت کے بعد پانی سے اچھی طرح دھونا۔

۲۳۔ پانی صاف کرنے کے طریقوں میں اختلاف ہو سکتا ہے جو مخصوص مقامی حالات پر منحصر ہوتا ہے مثلاً زمین کی قسم، پانی کی دستیابی اور ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کی نوعیت۔ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ممالک: مصر، فلسطین، مراکش اور سینیگال میں بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) کی زیر نگرانی ضائع شدہ پانی کی صفائی اور دوبارہ استعمال کے اطلاقی تحقیقی منصوبوں کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے ناصر فاروقی سے رابطہ کیا جائے جو بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز کے سٹیڈ فیڈنگ پیپل پروگرام (Cities Feeding People Programme) سے منسلک ہیں۔

۲۴۔ ابوداؤد ۲۰۵۳

۲۵۔ ۳۶:۱۸

۲۶۔ دیکھیے الموطاء ۲۹، ص: ۹۵ تا ۱۰۰، البخاری ۷، ص: ۱۳۵ تا ۱۳۷۔

۲۷۔ ابوداؤد، اقتباس حاکوت ۱۹۸۹، ص: ۲۲۔

۲۸۔ یہ اصول کہ ”پانی ایک معاشی بھلائی ہے“ اقوام متحدہ کے ماحولیاتی پروگرام کے لیے ڈبلن میں منعقدہ ۱۹۹۲ء کی آبی کانفرنس میں، عمومی انداز میں ضبط تحریر میں لایا گیا تھا کیونکہ مسلم اکثریتی ممالک کے کچھ شرکاء کا دوسری وجوہ کے علاوہ یہ بھی استدلال تھا کہ پانی کی خرید و فروخت خلاف اسلام ہے (اے۔ بسواس نے یہ اطلاع ذاتی طور پر فراہم کی)۔

۲۹۔ مسلم ۲۳۵۵

۳۰۔ مثال کے طور پر اگر کسی کی جان پر بنی ہو یا صحت متاثر ہونے کا خدشہ ہو تو اسے حق ہے کہ وہ اپنی پیاس بجھانے کے لیے نجی زمینوں پر مداخلت بے جا کر سکتا ہے۔ کسی کو فاضل پانی روکنے کا اختیار نہیں ہے (بخاری ۹،

ص: ۹۲)۔

۳۱۔ مسلم ۳۹۵۸۔

۳۲۔ ۱۹۷۴ء میں آبیوری کوسٹ میں صرف ۳۰ فیصد شہری آبادی اور ۱۰ فیصد دیہی آبادی کو صاف پانی میسر تھا۔ ۱۹۸۹ء تک ۷۲ فیصد شہری آبادی اور ۸۰ فیصد دیہی آبادی کو (پانی کے ٹنکوں سے) صاف پانی ملنے لگا تھا۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ نجی آبی کمپنی (Société de Distribution d'Eau de la Côte d'Ivoire) کو اجازت مل گئی تھی کہ وہ شہری پانی کی شرح کو طویل المدت اضافی اخراجات سے بھی زیادہ بڑھالے بالخصوص صنعتی خریداروں کے لیے (بھانٹا اور دوسرے ۱۹۹۵)۔

۳۳۔ فی گھر چھ افراد کے مفروضے پر، فی گھر پانچ ہزار لیٹر ماہانہ (صدر، اس کتاب میں)۔

۳۴۔ درحقیقت اگر اسرائیل امن معاہدے کی خاطر اپنے زیر اختیار تازہ پانی کے کچھ حصے کو پڑوسیوں کو دے دے تو زراعت کے لیے ۲۰ فیصد سے بھی کم بچ سکے گا (Shuvali بحوالہ Lundquist اور Gleick، ۱۹۹۷، ص: ۳)۔

۳۵۔ CD-ROM Earth Summit ایجنڈا، ص: ۲۱، باب ۱۸، سیکشن ۱۸ء۶ (بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC)، اولٹوا، کینیڈا، (Fis. No. 92-0608)۔

۳۶۔ اسی کتاب میں ۱۸ء۱۲۔

۳۷۔ اس پروڈیکٹ کے بارے میں مزید معلومات کے لیے Local Strategies For Water Supply and Conservation Management, India, Nepal، ڈیوڈ بروکس سے بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) کے پینل لینڈ اور واٹر پروگرام پر رابطہ کریں۔

۳۸۔ ۳۸:۳۲۔

۳۹۔ وہ مسلمان جو صحیح معنوں میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے احکامات پر عمل کرتے ہیں ان کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کی زندگی کے رویے بالکل واضح ہوتے ہیں اور ان لوگوں سے باہمی مشورے کے نتیجے میں تشکیل پاتے ہیں جن کی آواز سنی جانے کا حق رکھتی ہے۔ مثلاً نجی خانگی امور میں میاں بیوی کے درمیان یا دوسرے ذمے دار افراد خانہ کے ساتھ؛ تجارتی امور میں حصے داروں یا دلچسپی رکھنے والے گروپوں کے درمیان اور ملکی معاملات میں حاکم اور رعایا کے درمیان یا انتظامیہ کی وحدانیت کو قائم رکھنے کے لیے انتظامیہ کے مختلف شعبوں کے درمیان (Yusuf Ali، ۱۹۷۷، شمار ۳۵۷۸)۔

۴۰۔ نبی کریم ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات سے مشورہ کرنے اور انہیں قبول کرنے کی ایک مثال درج ذیل حدیث میں ملتی ہے: ”جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھ لیا گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ اٹھو اور جا کر اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح کرو۔ ان میں سے کوئی بھی نہ اٹھا۔ حضور اکرم نے اپنا حکم تین مرتبہ دوہرایا، جب اس پر بھی کوئی نہ اٹھا تو آپ نے صحابہ کو دوہیں چھوڑا اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو صحابہ کے رویے کے بارے میں بتایا۔ بی بی ام سلمہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا

آپؐ چاہتے ہیں کہ آپؐ کے حکم کی تعمیل ہو؟ اگر ایسا ہے تو پھر آپ کسی سے کچھ نہ کہیں خود جا کر اپنے قربانی کے جانور کو ذبح کریں اور حجام کو بلوا کر اپنا سر منڈوائیں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے کسی سے اس وقت تک بات نہ کی جب تک اپنی قربانی نہ دے لی اور اپنا سر نہ منڈوا لیا۔ یہ دیکھ کر تمام صحابہ رسول کھڑے ہو گئے، قربانیاں دیں اور ایک دوسرے کا سر خود ہی مونڈنے لگے۔“ (Al-Bukhari کتاب الشروط ۸۹۱ء ص ۳)۔

۳۱۔ البخاری، ص: ۱۲۵۳۔

۳۲۔ ”اورنگی پبلک پروجیکٹ“ ۱۹۸۰ء کے عشرے کا کمیونٹی کی مدد سے چلایا جانے والا آبی انتظام کا ایک انتہائی کامیاب اقدام تھا۔ یہ کراچی پاکستان کے مضافات میں کم آمدنی والے لوگوں کی اورنگی نامی ہستی میں شروع کیا گیا تھا اور اس کا مقصد گندے پانی کی نکاسی اور دیگر صحت و صفائی کا ایک نظام کم خرچ پر مہیا کرنا تھا (Hassan ۱۹۹۳ء)۔

۳۳۔ حدیث بروایت سعید سعد بن نسان الحضری البغدادی ۱۹۸۲ء، ص: ۲۸۵۔

۳۳۔ شعیب الہام بتائی۔

۳۵۔ اس منصوبے کے بارے میں مزید معلومات کے لیے ڈیوڈ بروکس سے رابطہ کیجئے، بمقام پیپل، لینڈ اینڈ وائر پروگرام (بین الاقوامی ترقیات کا تحقیقی مرکز)۔

REFERENCES

حوالے

البغدادی، ابو عبدالرحمن محمد بن حسن (۱۹۸۲ء)، جامع العلوم والعلم، الطبعة الخامسة، دار المنهل، قاہرہ۔
الزحلی، و۔ (۱۹۹۲ء) الفقه و دلالتہ دارالمشرق، دمشق۔

سابق، السید (۱۹۸۱ء) فقه السنة، الطبعة الثالثة، (تیسرا ایڈیشن) دار الفکر، بیروت۔

مجلس کبار العلماء (۱۹۷۸ء) فتویٰ حول معالجة المياه العادمة، فتویٰ رقم ۶۳ تاریخ ۲۵ شوال ۱۳۹۸ھ،
ممتاز علمائے اسلام کی مجلس کا تیسرا اجلاس ماہ شوال ۱۳۹۸ھ (۱۹۷۸ء) طائف، سعودی عرب، مجلة
لابحوث الاسلامة، ۱۷، ص: ۳۰ و ۳۱۔

وزارت آب و آبپاشی، اردن (۱۹۹۸ء) التقرير السنوی سالانہ رپورٹ عمان۔

Afifi, Madiha Moustafa (1996), "Egyptian National Community Water Conservation Programme," in *Environmental Communication Strategy and Planning for NGOs, Ma'ain, Jordan, 27-31 May 1996*, Jordan Environment Society, Amman.

Al-Sheikh, Abdul Fattah al-Husseini (1996), *The Right Path to Health - Health Education through Religion: 2. Water and Sanitation in Islam*, WHO Regional Office for the Eastern Mediterranean, Alexandria.

Ansari, M. I. (1994), "Islamic Perspectives on Sustainable Development," *American Journal of Islamic Social Science* 11 (3), pp. 394-402.

Bhattia, R., Cesti, R. and Winpenney, J. (1995), *Water Conservation and Reallocation: Best Practice Cases in Improving Economic Efficiency and Environmental Quality*. World Bank - Overseas Development Institute. Joint Study, Washington, D.C.

Bhattia, R. and Falkenmark, M. (1993), *Water Resources Policies and Urban Poor*:

- Innovative Approaches and Policy Imperatives, Water and Sanitation Currents*, World Bank, UNDP – World Bank Water and Sanitation Programme, Washington D.C.
- Bino, M. J. and Al-Beirut, Shihab N. (1998), "Inter-Islamic Network on Water Resources Development and Management (INWRDM)," *INWRDM Newsletter* (Amman) 28 (October).
- Bronsrø, A. (1998), "Pricing Urban Water as a Scarce Resource: Lessons from Cities around the World," in *Proceedings of the CWRA Annual Conference*, Victoria, B.C. Canada, Canadian Water Resources Association, Cambridge, Ont.
- Falkenmark, M. (1998), *Willful Neglect of Water: Pollution – A Major Barrier to Overcome*, Stockholm International Water Institute Waterfront, Stockholm.
- Gibbons, Diana C. (1986), *The Economic Value of Water, Resources for the Future*, Washington, D.C.
- Hassan, Arif (1994), "Replicating the Low-Cost Sanitation Programme Administered by the Orangi Pilot Project in Karachi, Pakistan," in Ismail Serageldin and Michael A. Cohen (eds.), *The Human Face of the Urban Environment: Proceedings of the Second Annual World Bank Conference on Environmentally Sustainable Development*, World Bank, Washington, D.C.
- Hathout, H. (1989), "Ethics and Human Values in Family Planning: Perspectives for the Middle East," in Z. Bankowski, J. Barzelatto, and A. M. Capron (eds.), *Ethics and Human Values in Family Planning: Conference Highlights, Papers and Discussion: XXII CIOMS Conference, Bangkok, Thailand, 19–24 June 1988*, Council for International Organizations of Medical Sciences, Geneva.
- Khalid, F. (1996), "Guardians of the Natural Order," *Our Planet* 8 (2), pp. 8–12.
- Khomeini, Roshulla (1989), *Ketabul Beia* [The book of choosing a successor], Ismaeilian, Qum, Iran.
- Lundqvist, Jan (1997), *Most Worthwhile Use of Water – Efficiency, Equity and Ecologically Sound Use: Pre-requisites for 21st Century Management*, Water Resources 7, Department for Natural Resources and the Environment, Stockholm.
- Lundqvist, Jan and Gleick, Peter (1997), *Comprehensive Assessment of the Freshwater Resources of the World: Sustaining Our Waters into the 21st Century*, Stockholm Environment Institute, Stockholm.
- Mara, D. and Cairncross, S. (1989), *Guidelines for the Safe Use of Wastewater and Excreta in Agriculture and Aquaculture*, World Health Organization, Geneva.
- Mallat, Chibli (1995), "The Quest for Water Use Principles," in M. A. Allah and Mallat Chibli (eds.), *Water in the Middle East*, I. B. Tauris, New York.
- Peterson, S. (1999), "An Unlikely Model for Family Planning," *Christian Science Monitor*, 19 November.
- Shatanawi, M. R. and Al-Jayousi, O. (1995), "Evaluating Market-Oriented Water Policies in Jordan: A Comparative Study," *Water International* 20 (2), pp. 88–97.
- Templeton, S. R. and Scherr, S. J. (1997), *Population Pressure and the Microeconomy of Land Management in Hills and Mountains of Developing Countries*, Discussion paper 26. Environment and Production Technology Division, International Food Policy Research Institute, Washington, D.C.

- UNDP (United Nations Development Programme) (1996). *Urban Agriculture: Food, Jobs, and Sustainable Cities*, Series for Habitat 2, vol. 1, UNDP, New York.
- UNDP (United Nations Development Programme) (1998). *Human Development Report*, UNDP, New York.
- World Bank (1999). *World Bank Development Indicators 1999*. World Bank, Washington, D.C.
- Wright, R. (2000), "Iran's New Revolution," *Foreign Affairs* 79 (1), pp. 133–45.
- Yusuf Ali, A. (1977), *The Holy Qur'an: Text, Translation, and Commentary*, American Trust Publications for The Muslim Student Association of the United States and Canada, Plainfield, Ind.

اسلامی انتظام آب اور بیان ڈبلن

عوادہ الجیوسی

گزشتہ دو دہائیوں کے دوران میں مختلف عالمی اجتماعات میں تازہ پانی کے وسائل کے تخمینے، ترقی اور انتظام کے بارے میں نئے انداز فکر کی ضرورت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (UNDP ۱۹۹۰ء) کے مطابق مربوط آبی وسائل کا انتظام اس پر مبنی ہے کہ پانی ماحولیاتی نظام کا ایک جُڑو ہے، ایک قدرتی وسیلہ ہے اور ایک سماجی و معاشی بھلائی بھی ہے۔ جنوری ۱۹۹۲ء میں ڈبلن میں ہونے والی پانی اور ماحولیات کے موضوع پر بین الاقوامی کانفرنس نے جس میں اکیسویں صدی کے حوالے سے ترقی کے مسائل زیر غور آئے، تازہ پانی کے وسائل کے تخمینے، ترقی اور انتظام کے لیے نئے طریقہ کار کو اپنانے کا مطالبہ کیا۔ (UN ۱۹۹۱ء، UNEP ۱۹۹۲ء)۔ مزید برآں جون ۱۹۹۲ء میں ریوڈی جیفر و میں ماحولیات اور ترقی کے موضوع پر منعقدہ اقوام متحدہ کی کانفرنس نے وسیع اتفاق رائے سے اس بات کی تصدیق کر دی کہ آبی وسائل کا انتظام اصلاح چاہتا ہے۔ کانفرنس کے اعلامیے میں کہا گیا کہ ”تازہ پانی کا کُلّی انتظام ایک ایسے وسیلے کے طور پر جو محدود بھی ہے اور غیر محفوظ بھی اور قومی معاشی و سماجی پالیسی کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے شعبہ جاتی آبی منصوبوں کی ہم آہنگی، ایسے معاملات ہیں جن کو ۱۹۹۰ء کی دہائی اور مابعد کے کاموں کے لیے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔“ (World Bank ۱۹۹۳ء، ص: ۲۳)۔

ان طریقہ ہائے کار کی کامیابی کے لیے ضروری شرائط یہ ہیں: عوامی آگاہی کی مہم، قانونی اور ادارہ جاتی تبدیلیاں اور فنی ترقی اور گنجائش میں اضافے کے پروگرام۔ ان کے ساتھ ساتھ تمام اقوام

کا ایک دوسرے پر انحصار، ان کی اقدار و روایات کا احترام اور دنیا میں ان کے مقام کو پورے خلوص کے ساتھ تسلیم کیا جانا چاہیے۔

انسان اور قدرت کا اسلامی تناظر، وسائل کے پائیدار انتظام کے لیے ایک ڈھانچے کا تصور فراہم کرتا ہے۔ زیر نظر باب کا مقصد اسلام میں آبی انتظام کے اصولوں اور ڈبلن کانفرنس کے وضع کردہ اصولوں کا موازنہ ہے۔

اسلامی تناظر

اسلام انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ خدا، انسان اور مظاہر قدرت کے باہمی رشتوں کا تعین کرتا ہے۔ اسلام کی بنیاد خالق کی وحدانیت اور اس کی مرضی کے سامنے انسان کا سر تسلیم خم کر دینے کے اعتراف پر رکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہر شے کا منبع خدائے واحد کی ذات ہے اور ہر فرد اس کو جواب دہ ہے۔ انسان زمین پر اس کا خلیفہ اور گواہ ہے۔ ہمارا کردار اور ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ تمام وسائل بشمول پانی، معقول، عادلانہ اور پائیدار انداز سے استعمال کیے جائیں۔

اسلام کے مطابق یہ عالم آب و گیل، اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی خاطر تخلیق کیا ہے۔ انسان اور فطرت کا آپس کا تعلق ان کے درمیان ہم آہنگی پر مبنی ہے کیونکہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کی پابند ہیں۔ انسانوں پر زور دیا گیا ہے کہ وہ قدرتی وسائل کی تلاش اور استعمال اس انداز سے کریں کہ وہ پائیدار ثابت ہوں۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ مشیت الہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں ہی امن و سلامتی ہے۔ مشیت خداوندی اور نوع انسانی کی مرضی کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے سے زندگی میں ذمہ داری اور توازن جنم لیتے ہیں۔ انسان کے ہر عمل کو ایک ماورائی جہت عطا کی گئی ہے۔ اس طرح یہ عمل مقدس، بامعنی اور بامقصد بن جاتا ہے۔

اسلام ایک ایسی زندگی تجویز کرتا ہے جس میں حقوق و فرائض ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ مختصر الفاظ میں اسلام کا قانون ہر فرد پر چار قسم کے حقوق و فرائض عائد کرتا ہے۔ اول، اللہ تعالیٰ کے حقوق۔ دوم، انسان پر خود اپنی ذات کے حقوق۔ سوم، اس کے اوپر دوسروں کے حقوق اور چہارم، اس پر اس دوسری مخلوق کے حقوق جنہیں خدا نے انسان کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے کا اختیار دیا ہے۔

اس باب میں موخر الذکر مخلوقات کے حقوق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ہی اپنی تخلیق کردہ بے شمار چیزوں پر نوع انسانی کو اقتدار بخشا ہے اور انہیں ہمارے مصرف میں دے دیا ہے۔

ہمیں یہ طاقت عطا کی گئی ہے کہ ہم انہیں اپنے زیر نگین لائیں اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کریں۔ یہ اعلیٰ مقام انسانوں کو تمام وسائل بشمول پانی پر اقتدار عطا کرتا ہے۔ لیکن یہ اقتدار، جاندار مخلوق اور قدرت دونوں کے سامنے ذمے داری اور جوابدہی کے احساس کے ساتھ استعمال کیا جانا چاہیے۔ انسانوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ وسائل کو بے مقصد منصوبوں پر ضائع نہ کریں اور نہ انہیں غیر ضروری طور پر نقصان پہنچائیں۔ انسان جب کبھی ان وسائل کو اپنی خدمت کے لیے برؤے کار لائیں تو ایسے طریقے اپنائیں جن سے انہیں فائدہ تو زیادہ حاصل ہو لیکن وسائل کو کم سے کم نقصان پہنچے۔

ڈبلن کے اصول اور اسلامی تصورات

ڈبلن کانفرنس کی منطقی سوچ یہ تھی کہ اگر آبی و زمینی وسائل کا انتظام اچھی طرح نہیں کیا گیا تو انسانی صحت، غذائی سلامتی، معاشی ترقی اور ماحولیات کا نظام سب ہی خطرے میں پڑ جائیں گے۔ اس کانفرنس نے تازہ پانی کے وسائل کا تخمینہ لگانے اور ان کی ترقی اور انتظام کے لیے ایسی فکر اپنانے پر زور دیا جو بالکل نئی ہو۔ اس کانفرنس نے اس بات پر بھی زور دیا کہ معاملے کو سلجھانے کی لگن کے ساتھ ساتھ معقول اور فوری سرمایہ کاری، عوامی آگاہی کی مہمیں، قانونی اور ادارہ جاتی تبدیلیاں، فنی ترقی اور گنجائش میں اضافے کے پروگراموں کا ہونا اشد ضروری ہے۔

یہ بات اس بنیادی تصور سے پوری مطابقت رکھتی ہے جو اسلامی آبی انتظام کے پیچھے پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات پانی کی قدر و قیمت کو اجاگر کرتی ہیں۔ یہ آیات بتاتی ہیں کہ پانی کیسے وجود میں آیا اور کیوں کر اسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ مثلاً ”ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا۔ کیا وہ پھر بھی یقین نہیں کریں گے“ اور ”کہہ دو: اگر تمہاری ندی کسی صبح کو غائب ہو جائے (زمین میں دھنس جائے) تو پھر کون تمہیں صاف رواں پانی مہیا کر سکتا ہے“۔ بیان ڈبلن کا پہلا اصول کہتا ہے کہ ”تازہ پانی محدود ہے اور ایک ایسا وسیلہ ہے جسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ زندگی کو قائم رکھنے، ماحول کو برقرار رکھنے اور ہر طرح کی ترقی کے لیے ضروری ہے۔“ صاف ظاہر ہے کہ یہ پہلا اصول اسلامی آبی انتظام کے تصورات کے عین مطابق ہے۔ دونوں اس پر متفق ہیں کہ تازہ پانی کے وسائل محدود ہیں، نقصان کی زد پر ہیں اور زندگی کے لیے اہم ہیں۔

اسلامی آبی انتظام میں کمیونٹی کی شرکت اور اتفاق رائے پیدا کرنے کا تصور بخوبی موجود ہے۔ قرآن کریم زور دے کر کہتا ہے کہ فیصلہ سازی اجتماعی مشورے اور اتفاق رائے کی بنیاد پر کی جائے۔ قرآن کریم مومنین کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ”اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں“^۳ نبی کریم ﷺ نے مشاورت پر ہمیشہ عمل کیا اور بہت سے موقعوں پر صحابہ کا مشورہ قبول بھی کیا۔ مثلاً غزوہ بدر کے موقع پر خیموں کی تنصیب کے مسئلے پر ایک صحابی حبیب ابن المذہر نے مشورہ دیا کہ خیمے پانی کے قریب نصب کیے جائیں (Ibn Hisham، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۶۷ تا ۱۶۸) چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ان کا یہ مشورہ قبول کرتے ہوئے ایسی ہی جگہ خیمے لگائے۔ یہ مشاورت اصول نمبر ۲ سے مطابقت رکھتی ہے جو اس پر زور دیتا ہے کہ پانی کا انتظام اور ترقی متعلقہ افراد کی شرکت سے ہی ہونی چاہئے۔

یہ شراکتی طرز فکر اس بات کی متقاضی ہے کہ پالیسی سازوں اور عام لوگوں پر پانی کی اہمیت اُجاگر کی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام فیصلے مناسب نچلی ترین سطح پر کئے جائیں جس میں پانی سے متعلق کاموں کی منصوبہ بندی اور تکمیل میں عام آدمیوں کے مشورے اور استعمال کنندگان کو پوری طرح شریک کار رکھا جائے۔ یہ اسی طرح ممکن ہے جبکہ پانی کے استعمال کی انجمنیں یا دوسری غیر سرکاری تنظیمیں قائم کی جائیں۔ یہ ادارے، قوانین اور قاعدوں کی درستگی اور ترمیم اور نفاذ میں ایسا کردار ادا کر سکتے ہیں جو پائیدار آبی انتظام سے مطابقت رکھے۔ اسلام معاشرے کے تمام اراکین پر زور دیتا ہے کہ وہ عوامی مسائل کے بارے میں مثبت اور فعال رویہ رکھیں۔

ہر فرد پر یہ سماجی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ پانی کی بچت کرے اور اُسے آلودگی سے بچائے۔ ڈبلن بیان کے تیسرے اصول کے مطابق ”پانی کی فراہمی، انتظام اور تحفظ کے سلسلے میں خواتین مرکزی کردار ادا کرتی ہیں۔“ اسی طرح اسلام نے بھی وسائل کے تحفظ کی ذمہ داری اصناف میں تقسیم نہیں کی ہے۔ اسلامی آبی نظام کے تحت وسائل کی نگرانی کا فریضہ مردوں اور عورتوں میں برابر خیال کیا جاتا ہے۔

اسلام میں خواتین کا کردار فراہم و استعمال کنندگان آب اور جاندار ماحول کی نگرانی کی حیثیت سے تسلیم شدہ ہے۔ کنوؤں اور چشموں سے پانی بھر کر لانا عام طور سے عورتوں ہی کا کام رہا ہے۔ تاریخی اعتبار سے مکہ معظمہ میں مناسک حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ بی بی ہاجرہ کے گرد گھومتے ہیں۔ آپ کا پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا تمام مسلمانوں کے لیے یادگار اور حج اور عمرہ کا لازمی رکن ہے۔ اسی طرح عباسی دور حکومت میں خلیفہ ہارون الرشید کی زوجہ

نے مکہ معظمہ میں نہر بنوانے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ انہوں نے جب ۸۰۸ء میں فریضہ حج ادا کیا تو دیکھا کہ حجاج کو پانی کی قلت کی وجہ سے تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ واپس پہنچتے ہی انہوں نے انجینئروں اور مستریوں کو دور اور نزدیک سے طلب کیا اور حکم دیا کہ وہ عین حنین کے چشمے سے مکہ معظمہ تک نہر تعمیر کریں۔ وہ ہر قیمت پر یہ مقصد حاصل کرنا چاہتی تھیں چنانچہ اپنے خازن کو بلا کر کہا ”اس منصوبے کو عملی جامہ پہناؤ خواہ ایک دفعہ پھاؤڑہ چلانے پر ایک دینار ہی خرچ کیوں نہ آئے“ (Hassan ۱۹۶۳ء)۔ جب یہ نہر مکمل ہوئی تو اس کا نام ’عین زبیدہ‘ رکھا گیا۔ آبی ترقی کے میدان میں اسلام میں خواتین کے کردار کی یہ ایک واضح مثال ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خواتین میں قیادت اور سماجی ذمہ داریاں پورا کرنے کی کس قدر صلاحیت ہے۔

اسلامی معاشرے میں مرد اور عورت دونوں ہی اس دنیا کو رہنے کے قابل بنانے میں انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ اس زمین میں خدا کے نائب ہیں۔ وہ دونوں صحیح کاموں کا حکم دے سکتے ہیں اور غلط کاموں سے روک سکتے ہیں۔ مسلم خاندانوں میں ذمے داریوں کی تقسیم کی جاتی ہے۔ مردوں کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ کمائیں اور ضروریات زندگی مہینا کریں جبکہ عورتوں کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خانہ داری چلائیں اور بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت پر توجہ دیں۔ نتیجتاً مسلمان خواتین گھر کے اندر اور پورے معاشرے میں پانی کی بچت میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ وہ ایسی معلومات، رویوں اور طریقوں کو پھیلا سکتی ہیں جن سے پانی کی بچت ہو اور یہ آلودگی سے بچا رہے۔ مقامی آبادی کی یا اونچی سطح کی پالیسی سازی میں خواتین پائیدار آبی منصوبہ بندی اور انتظام کے مشاوری کمیشنوں کی رکن بھی بن سکتی ہیں۔ ماحولیاتی اعتبار سے مضبوط طور طریقوں میں اعلیٰ اقدار کو شامل کرنا آئندہ زمانے کے لیے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ چونکہ مسلم معاشرے میں خواتین کو بچوں کی تعلیم میں بنیادی کردار ادا کرنا ہوتا ہے، اس لیے وہ آئندہ نسلوں کو پانی کے باکفایت استعمال کے طریقے سکھانے میں بھی کلیدی کردار ادا کر سکتی ہیں تاکہ وسائل کے موثر استعمال کو یقینی بنایا جاسکے۔

بیان ڈبلن کا چوتھا اصول کہتا ہے کہ ”پانی کا ہر طرح کا استعمال مالی منفعت کا حامل ہوتا ہے اس لیے اسے ایک معاشی بھلائی کے طور پر تسلیم کرنا چاہیے۔“ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اعلان فرمایا کہ پانی کو بھی چراگا ہوں اور آگ کی طرح کل مسلمانوں کا مشترکہ اثاثہ سمجھنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے جدید مسلم ممالک میں آبی قانون سازی پانی کو کل آبادی کی ملکیت قرار دیتی ہے یعنی وہ ریاستی یا سرکاری دائرہ اختیار میں ہوتا ہے۔ (Caponera ۱۹۹۲ء)۔ اس تصور کی بنیاد پر قدرتی حالت میں سرکاری پانی (بڑی جھیلوں یا دریاؤں کا) بیچا نہیں جاسکتا۔ پانی کا حصول کیونٹی کا حق ہے۔

تاہم اسلامی قانون نجی اور سرکاری پانی میں امتیاز کرتا ہے۔ نجی پانی وہ ہے جو کنوؤں، ٹینکوں اور دوسرے ذخیروں میں ہوتا ہے۔ اگر اس پانی کی ترسیل، تطہیر یا اکٹھا کرنے میں کچھ اضافی لاگت آتی ہے تو اس کو نجی پانی تصور کیا جاتا ہے (Zouhaili ۱۹۸۹ء)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ استعمال کنندگان کو پانی کی صفائی، ترسیل اور فراہمی، آب کے نظام کی دیکھ بھال پر ہونے والے اخراجات ادا کرنے ہوں گے۔ بہر حال کم آمدنی والے لوگوں کا جو اس رقم کو ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، خاص خیال رکھنا ہوگا اور بعض دوسرے استعمال کنندگان کو قیمت میں زر تعاون کی مدد سے رعایت دینی ہوگی۔ علاوہ ازیں پانی کے استعمال کے حق کو اس زمین سے الگ رکھنا ہوگا جہاں دریا بہتا ہے لیکن قیمتاً نہیں بلکہ تحفظاً۔ اگرچہ اس طرح کی نہر کا پانی نجی ملکیت ہے، ہر شخص کو اس سے پانی پینے کا حق ہے۔ لیکن کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اس زمین میں جہاں وہ نہر بہ رہی ہے، بلا اجازت داخل ہو۔ البتہ ضرورت کے تحت وہ ایسا کر سکتا ہے۔ پانی پر کل اجارہ داری صرف تب ہی ممکن ہے جبکہ وہ کسی کی تحویل میں ہو یعنی کسی بڑے ٹینک میں ہو۔ ریاست کو حق ہے کہ وہ سرکاری پانی کی ترسیل، تطہیر اور تقسیم پر آنے والے اخراجات وصول کرے۔

نتائج

اسلام وسائل کے انتظام کے لیے انسانوں کے سامنے ایک نمونہ اور ایک ضابطہ اخلاق پیش کرتا ہے۔ انسانوں کی حیثیت خلفاء جیسی ہے۔ ان کا کام اور ذمہ داری یہ ہے کہ تمام وسائل کو بشمول پانی معقول، عادلانہ اور باکفایت طریقوں سے استعمال کرنا یقینی بنائیں۔ اپنی روح کے اعتبار سے یہ سب کچھ بیان ڈبلن کے جملہ اصولوں سے مطابقت رکھتا ہے۔ اسلامی فکر اس بات سے اتفاق کرتی ہے کہ تازہ پانی کے وسائل غیر محفوظ اور زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے اہم بھی ہیں۔ پانی کے انتظام میں شوراہت کو ہر سطح پر بڑھایا جانا چاہیے اور یہ کہ پانی کے تحفظ اور آگہی کے سلسلے میں خواتین کا کردار نہایت اہم ہے۔ مزید یہ کہ پانی کے بارے میں معلومات کو پھیلانے میں خواتین کے کردار کو رسمی اور غیر رسمی طریقوں کے ذریعہ فروغ دیا جانا چاہیے۔ معاشرے میں خواتین کے کردار کے دائرہ کار میں تبدیلیوں کے لیے تحقیق کی ضرورت ہے۔ پانی کے استعمال کنندگان کی انجمنوں اور دوسری غیر سرکاری تنظیموں میں عورتوں کی شمولیت کی حمایت بھی کی جانی چاہیے۔

بہر کیف جہاں تک چوتھے اصول کا تعلق ہے یعنی یہ کہ پانی کی ایک معاشی قدر و قیمت ہے، اس کے بارے میں مزید تحقیق کی جائے تاکہ آبی معاشیات، آبی حقوق اور خود پانی کی قدر و قیمت

کی وضاحت ہو سکے۔ پانی کی دوبارہ مختص کاری میں عدل کے مسائل کو اسلامی تناظر میں حل کیا جائے۔ نجی اور سرکاری پانی کا فرق اور قیمت کے تعین کے سلسلے میں اس کے مضمرات عوام کو با تفصیل بتائے جائیں۔

اسلامی آبی انتظام کے اصولوں کو عملی شکل دینے کے لیے ایک مجلس مشاورت کی سفارش کی جاتی ہے جو پانی کے با کفایت انتظام اور متعلقہ قانون کی اصلاح کرے۔ اس مجلس میں سائنس اور مذہب دونوں کے اسکالرز موجود ہوں تاکہ اجتہاد کے فروغ کے لیے کثیر الجہتی عملی پس منظر فراہم ہو سکے۔ اس مجلس کی ایک بہت بڑی ذمہ داری قومی اور بین الاقوامی آبی پالیسی کی تشکیل ہوگا۔ اس مجلس کی کارکردگی کے جائزے اور اس کے جاری کیے ہوئے فتوے عوام کی پہنچ میں ہونے چاہئیں۔

حواشی

۱۔ ۳۰:۲۱۔

۲۔ ۳۰:۶۷۔

۳۔ ۳۸:۴۲۔

REFERENCES

حوالے

- ابن ہشام (۱۹۹۱ء) سیرة ابن ہشام، جلد سوم، دارالجلیل، بیروت۔
- حسن، ایچ، آئی (۱۹۶۳ء) تاریخ الاسلام: الفترة العباسیة الاولی، المجلد ۲، (ساتواں ایڈیشن) مکتبہ المنصف، قاہرہ۔
- الرحلی، و۔ (۱۹۸۹ء) الفقه و دلالة، نکتہ نمبر ۴، دارالفکر، بیروت۔
- Caponera, D. A. (1992). *Principles of Water Law and Administration: National and International*, Balkema Publishers, Brookfield, Vt.
- UNDP (United Nations Development Programme) (1990), *Safe Water 2000*, New York.
- UNEP (United Nations Environmental Programme) (1992), *Final Report of the International Conference on Water and the Environment, Dublin*, UNEP, Nairobi.
- UN (United Nations) (1991), *A Strategy for the Implementation of the Mar del Planita Plan for the 1990s*, UN Department of Technical Cooperation, New York.
- World Bank (1993), *A World Bank Policy Paper – Water Resources Management*, The World Bank, Washington, D. C.

اسلام اور ماحول

حسین اے عامری

اس باب کا مقصد قدرتی وسائل کے انتظام کو اسلامی تناظر میں بیان کرنا ہے، خصوصاً پانی کے حوالے سے۔ اگرچہ قدرتی وسائل اور ماحولیاتی مسائل کے بارے میں زیادہ تر اہل علم کی تحریریں ثقافت اور مذہب کے عناصر کے حوالوں سے خالی ہیں، ایک ثقافت آگاہ مصنف کہتا ہے کہ لفظ ”ماحول“ میں ”حیاتیاتی، فعلیاتی، معاشی اور ثقافتی پہلو شامل ہوتے ہیں جو ہمہ وقت بدلتے ہوئے ماحولیاتی تانے بانے سے منسلک ہوتے ہیں۔“ (Vidart بحوالہ de Castro، ۱۹۷۸ء، ص: ۷۱) لوگ جس طرح قدرتی ماحول اور وسائل کا ادراک، استعمال اور انتظام کرتے ہیں اس سے ان کی اپنی ثقافتی اقدار بھی متاثر ہوتی ہیں۔ آبی انتظام کے اصول جنہیں مقامی مذہبی حوالوں کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہو، درآمد شدہ بیرونی اصولوں کے مقابلے میں زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں۔ مزید برآں، مسلم ممالک میں جہاں آبی انتظام کے اصول اسلامی تعلیمات پر مبنی ہوں دوسرے قدرتی وسائل کے انتظام کے لیے ایک ڈھانچہ فراہم کر سکتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو قدرتی ماحول کے لیے اسلامی تناظر کی تلاش و جستجو کرنی چاہیے جس میں آبی وسائل کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

آبی انتظام کے اصولوں کی تشکیل کے لیے اسلامی تعلیمات ایک زرخیز زمین فراہم کرتی ہیں۔ اگر ان کو دوسری آبی انتظام کی پالیسیوں کے ساتھ ساتھ مختلف ثقافتوں اور مختلف النوع آبادیوں والے علاقوں میں رو بہ عمل لایا جائے تو شاید ان اصولوں کو بمقابلہ بیرونی اصولوں کے زیادہ

مقبولیت حاصل ہو۔ ان اصولوں کو 'جزا و سزا' کے نظام کے تحت نافذ کیا جائے جس کی تفصیل قرآن کریم اور احادیث نبویؐ میں ملتی ہے۔

ماحول کے حقوق

ایک مسلمان کی زندگی کا منجائے مقصود نجاتِ اخروی ہے (Ansari ۱۹۹۳ء، ص: ۳۹۷)۔ ایک عربی لغت "اسلام" کی تعریف ان الفاظ میں کرتی ہے "فرائض کی پابندی اور منکرات سے بغیر کسی پس و پیش کے بچنا۔" عربی زبان میں اسلام کا مادہ سلام ہے جس کے معنی ہیں "امن اور ہم آہنگی" (Al Munjid ۱۹۹۳ء، ص: ۳۳۷)۔ اس لیے انصاری (۱۹۹۳ء، ص: ۳۹۴) استدلال کرتے ہیں کہ اسلامی طرز زندگی انفرادی، سماجی اور ماحولیاتی سطحوں پر "امن اور ہم آہنگی" کا مطالبہ کرتی ہے۔ انسان اور ماحول متحرک ثقافتی، زمانی اور مکانی حوالوں سے ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس کے پیش نظر یہ لازمی ہے کہ آبی انتظام کی حکمت عملیوں میں مقامی ثقافتوں اور مذاہب کے تقاضوں کو بھی شامل کر لیا جائے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر پانی اور اس کے متعلقات کا تذکرہ آیا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ 'پانی' (ماء) ۶۳ بار اور 'دریا' ۵۲ بار ملتا ہے (Abdul Baqi ۱۹۸۷ء)۔ دوسرے الفاظ مثلاً چشمے، فوارے، بارش، بارش، ژالہ باری، بادل اور ہوا بھی کہیں کہیں ملتے ہیں۔ 'جنت' جس کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ مومنین اور نیک عمل کرنے والوں کا مستقل ٹھکانہ ہوگی، وہاں دوسری آسائشوں اور اشیاء کے علاوہ بہتے ہوئے دریا بھی ہوں گے۔ علاوہ ازیں جس آیت قرآنی کا شاید سب سے زیادہ حوالہ دیا جاتا ہے وہ ہے "اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا ہے۔" اس آیت کی رو سے کل ماحولیاتی نظام میں پانی کی مرکزی حیثیت کی تصدیق ہو جاتی ہے اور یہ کہ تمام ذی حیات چیزوں کے درمیان یہی ایک مشترکہ واسطہ ہے۔ اسلام نے پانی کو جو محوری حیثیت دی ہے اس کو دیکھتے ہوئے انتظامی اصولوں کی ایک ایسی دستاویز جس میں روایتی آبی انتظام (مثلاً معاشی) کو وسعت دے کر غیر روایتی، ثقافتی اور روحانی اطوار کو بھی شامل کر لیا جائے تو وہ مسلم دنیا میں قابل قبول ہوگی۔

اسلام میں انسان اور ماحول کا باہمی تعلق اس تصور کے گرد گھومتا ہے کہ انسان اس دنیا میں خدا کا خلیفہ یعنی نائب یا اس کی طرف سے مقرر کیا ہوا مہتمم ہے۔ دینیات کے فلسفی علی شریعتی (متوفی ۱۹۷۷ء) یہ دلیل دیتے تھے کہ انسانوں کی مادی اور روحانی دونوں جہتوں کا "رُخ واحد انسانی مقصد یعنی خلیفہ ہونے کی طرف ہے۔" (Sonn ۱۹۹۵ء) خالد کہتے ہیں (۱۹۹۶ء، ص: ۲۰) کہ اگرچہ "ہم

فضل کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں، ”فساد کا نظریہ کسی خاص جگہ یا زمانے کے ساتھ منسلک نہیں ہے۔ اس طرح یہ اپنے دائرہ کار میں عالمگیر اور دائمی ہے۔ ’فساد‘ کا ذکر ”زمین اور سمندر“ کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ بہر حال، یہ سوچنا معقولیت پر مبنی ہے کہ یہ تصور ماحولیاتی نظام کے تمام اجزاء کا احاطہ کرتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے۔^۸ اور سب کچھ اسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے اور جو کچھ زمین کی سطح کے نیچے ہے۔^۹ اس لیے قرآن کریم اور دیگر تمام اسلامی تعلیمات مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ خود بھی فساد سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں کیونکہ یہی وہ شے ہے جو نامناسب استحصال اور ماحولیاتی وسائل بشمول پانی کے انحصار کا سبب بنتی ہے۔ یہ پس منظر اسلامی عقیدے کی روشنی میں بطور خاص چشم کشا ہے کہ عالم فطرت، عالم انسانیت کے تابع ہے۔ نتیجتاً انسانوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ قدرتی ماحول کو جس کے وہ امین بنائے گئے ہیں، استعمال کریں اور تبدیل بھی کریں تاکہ ان کی زندگی کی ضروریات پوری ہوں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان اس کے عطا کردہ کارآمد وسائل اپنی بقاء کے لیے استعمال کر سکتا ہے بشرطیکہ ”۔۔۔۔۔ اور ان میں حد سے نہ لگنا ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا۔“^{۱۰} اللہ تعالیٰ نے پانی اور دوسرے وسائل کے استعمال کے لیے جو ”سبز روشنی“ دکھائی ہے وہ انسانوں کی طرف ان کے عاقلانہ اور محتاط استعمال کے ساتھ مشروط ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ اپنی حیاتیاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے انہیں زیر استعمال لائیں۔ پانی اور دیگر ماحولیاتی وسائل کے موجودہ استعمال کنندگان کے لیے لازم ہے کہ وہ انہیں ناقابل تلافی نقصان نہ پہنچائیں تاکہ یہ وسائل انسانوں کی موجودہ اور آئندہ ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو عالم فطرت پر حکمرانی اور انتظام کا حق دیا گیا ہے۔ مگر اللہ کی تخلیق کی ظالمانہ تسخیر سے منع کیا گیا ہے۔

موجودہ اور آئندہ نسلوں کی ضروریات کا خیال رکھنا اسلام میں تقوے کا ایک اہم پہلو ہے۔ حدیث نبوی کے الفاظ میں، ”زندگی میں یہ سوچ کر عمل کرو کہ تم ہمیشہ زندہ رہو گے مگر آخرت کے لیے جو اعمال ہوں وہ یہ سوچ کر انجام دو جیسے تمہیں کل ہی مرنا ہے۔“ (بخاری، Izzī Deen، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۹۳) اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کے لیے سوچنا اور کام کرنا چاہیے، کچھ اس طور پر جیسے وہ ابھی زندہ ہیں اور ان وسائل کو استعمال کر رہی ہیں۔ جس طرح کوئی فرد اپنے مستقبل کو تاریک نہیں بنانا چاہے گا ٹھیک اسی طرح اُسے آئندہ نسلوں کی ضروریات پر ڈاکہ بھی نہیں ڈالنا چاہیے۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا“۔^{۱۱} اس کے تمام

حقوق ادا کرنا! متعدد آیات میں پانی اور دوسری تخلیقات کو ”نشانیوں“ بتایا گیا ہے۔^{۱۳} قرآن کریم کی مختلف آیات میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نشانیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو عقل والے ہیں جو سنتے ہیں، دیکھتے ہیں اور احساس رکھتے ہیں تاکہ وہ خدا کے شکر گزار بن جائیں۔ اس لیے یہ قدرتی امر ہے کہ کسی کو اللہ کی ان نشانیوں کو پامال یا بے وقعت نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ قدرت کی اس دنیا کی نگہداشت انسانوں کو تقویٰ کی گئی ہے تاہم اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ بہت سے ایسے ہیں جو اس بھاری امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ اس حقیقت کی روشنی میں اسلامی تعلیمات بتاتی ہیں کہ اگر لوگوں کی ایک نسل کو سابقہ نسل نے دھوکا دیا ہے تو اس نسل پر لازم آتا ہے کہ وہ آئندہ نسلوں کو دھوکا نہ دے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ”امانتیں ان کو واپس کر دو جنہوں نے تمہارے پاس رکھوائی ہیں اور کسی نے تم کو دھوکا دیا ہے تو تم اس کو دھوکا مت دو“^{۱۴} مسلمان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ماحولیاتی کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے ایسا رویہ اختیار نہ کرے جس سے پانی ضائع یا آلودہ ہو۔

جو مسلمان فساد برپا کرتے ہیں وہ دراصل گناہ گار ہیں۔ ماحول کو پرانگندہ کرنے کے عمل کا مطلب یہ ہے کہ وہ ”اللہ سے کئے گئے عہد کو توڑتے ہیں جبکہ اس کی توثیق ہو چکی ہے“^{۱۵} ایک عہد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا کہ اللہ کی نعمتوں کے شکرانے کے طور پر ان کی نسل بصدق دل و اخلاص اللہ کی عبادت کرے گی۔ اس طرح کا ”ایک عہد عالم بالا میں خدا نے مجازاً اپنی مخلوق سے لیا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحیمی و کریمی کے عوض ہم اس کے انتہائی شکر گزار اور فرماں بردار رہیں گے۔“ (Yusuf Ali ۱۹۷۷ء، شمارہ نمبر ۴۵) پس جان بوجھ کر خدا کے احکامات سے روگردانی کرنا فی الواقع اس کی رحمت اور ربوبیت کو لکارتا ہے جس کے لیے انسان سزا کا مستحق ہوگا جس کے نتیجے میں دوسری باتوں کے علاوہ اسے اللہ کی نعمتوں سے بھی محروم کر دیا جائے گا۔

قدرتی ماحول کا اسلامی تناظر بڑا جامع ہے۔ ہر شے اپنی جگہ اہم ہے مگر وہ دوسری اشیاء پر انحصار بھی کرتی ہے۔ خدا نے ”آسمان سے مینہ برسا کر تمہارے کھانے کے لیے انواع و اقسام کے میوے پیدا کیے“^{۱۶} تمام ماحولیاتی مخلوق کے حقوق ہیں جن میں پانی کا حق بھی شامل ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کریم میں آیا ہے ”اور زمین پر چلنے پھرنے والا حیوان یا دھوپوں سے اڑنے والا پرندہ، ان کی بھی تمہاری طرح جماعتیں ہیں“^{۱۷} اس کا بھی ذکر آیا ہے کہ ”ہر قسم کی نباتات“^{۱۸} اور ”مختلف قسم کے رنگ“^{۱۹} بارش سے پھلتے پھولتے ہیں جو اللہ آسمان سے برساتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کو اس لیے بنایا ہے کہ ”ہر جاندار کو زندہ رہنے کے لیے اس کی اپنی ضرورت کے مطابق پانی ملتا رہے۔“ (Yusuf Ali ۱۹۷۷ء، شمارہ ۳۱۰) ان میں انسان، جانور اور پودے سب ہی شامل ہیں۔^{۲۰} یہ آیات

دیگر چند چیزوں کے علاوہ دوسری جاندار مخلوقات کے حقوق کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ انہیں بھی اچھے معیار کے وافر پانی پر حق حاصل ہے لہذا پانی کو آب پاشی اور پینے کے لیے موزوں ہونا چاہیے۔

اسلامی آبی انتظام میں جزا و سزا

اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو جزا دیتا ہے جو جانوروں کی خدمت کرتے ہیں اور انہیں سزا دیتا ہے جو انہیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ (۱۹۹۲ Li Ibn Kadamah، ۱۹۹۵ Wescoat) مسلمانوں کا ایمان ہے کہ نیک اعمال برائیوں کو مٹا دیتے ہیں^{۲۱} اور بدی کے کام نیکوں کو کھٹا جاتے ہیں۔ اعمال کی جزا کی مقدار اور سزا کی شدت کا انحصار فرد کی نیت پر ہوتا ہے^{۲۲} نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ”اگر تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے، اگر اس میں اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے برا کہے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں بُرا جائے“^{۲۳}

اسی طرح ہر مسلمان کو جو اہم ہدایت اور مشن دیا گیا ہے وہ قرآن کریم کی اس آیت میں موجود ہے اور ہر مسلمان اس کو اپنی دعاؤں میں بار بار دوہراتا ہے کہ ”(خدا تمہیں) بے حیائی اور فحش کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے“^{۲۴} جو ”اس کے قانون اور ہمارے اپنے ضمیر کے منافی ہیں۔“ (Yusuf Ali، ۱۹۷۷ء، شمار نمبر ۲۱۲) ’مکرات‘ میں بدی کو بھی شامل سمجھنا چاہیے۔ اس لیے قدرتی وسائل کی آلودگی اور ضیاع بھی ممنوع ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی ناانصافی کے ذیل میں آتے ہیں کیونکہ یہ موجودہ اور آئندہ آنے والی نسلوں کی اس صلاحیت کو ختم کر دیتے ہیں جن سے وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کر سکتی ہیں۔

آبی وسائل کا ان مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے جو مالک ارض و سماء کے احکامات نیکی اور پرہیزگاری کے ساتھ بجالاتے ہیں اور جو قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلتے ہیں۔ ”وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا“^{۲۵} اور نہ اُسے ”کوئی ملال ہوگا“^{۲۶} قرآن کریم وضاحت کرتا ہے کہ شقا یعنی تکلیف نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے ”وہ سب کچھ حاصل ہوگا جس سے وہ نہ تو ننگے رہیں گے اور نہ بھوکے اور نہ پیاسے ہوں گے نہ دھوپ کے مارے ہوئے“^{۲۷} ”الشقا“ سے مراد اس دنیا میں ملنے والی سزا ہے (نہ کہ آخرت میں) یہ بات مسلمانوں کو ماحول کو نقصان پہنچانے والے کاموں سے بچنے کی ترغیب دیتی ہے اور یہ مسلمانوں کو پانی کے استعمال اور انتظام کے حوالے سے اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل پیرا کرنے کی طرف مائل کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں اور باعمل مسلمانوں کو باافراط پانی عطا کریں گے^{۲۸} تاکہ رزق اور وسائل کی فراوانی میں

ان کی آزمائش ہو سکے۔^{۲۹} (Tabatabai، ۱۹۷۴ء، ۲۰:۴۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر دنیا کے لوگ ایمان لے آتے اور ہم سے ڈرتے تو ”ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیے۔“^{۳۰} اللہ تعالیٰ (ایک مرتبہ پھر) مومنین کو نصیحت کرتا ہے کہ یہ اسی کی ذات ہے جس کے قبضہ قدرت میں بارش ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے۔ ”اور ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا۔“^{۳۱} دوسری سورت میں اللہ تعالیٰ انسانوں سے پوچھتا ہے کہ ”اگر تمہارا پانی جو تم پیتے ہو اور برتتے ہو خشک ہو جائے تو خدا کے سوا کون ہے جو تمہارے لیے شیریں پانی کا چشمہ بہا دے؟“^{۳۲} (Tabatabai، ۱۹۷۴ء، ۱۹:۳۶۵)۔ متعدد آیات و احادیث مسلمانوں کو یاد دلاتی ہیں کہ جو وسائل وہ روزمرہ استعمال کرتے ہیں وہ بالآخر ان کے خالق کے اختیار میں ہیں۔ اس کا اظہار ان الفاظ سے بھی ہوتا ہے جو اکثر مسلمان دوران گفتگو بولتے رہتے ہیں مثلاً انشاء اللہ۔ انسانوں اور دوسری مخلوقات کو پانی اور دیگر وسائل کی فراہمی کے لیے بنیادی شرط مشیت ایزدی ہے۔ اس کے بغیر پانی کی ”قدرتی“ تجدید ایک سوائیہ نشان بن جاتی ہے۔ اللہ کو راضی کرنے اور اس کی رضا حاصل کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ اس کی تعلیمات اور پیغام پر عمل کیا جائے۔

جزا و سزا کا نظام بھی صرف اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگ بدی سے بچیں اور نیک اعمال کی طرف زیادہ مائل ہوں۔ مثال کے طور پر کسی شخص کے اعمال نامے میں بدی کا ایک کام ایک ہی بار شمار کیا جاتا ہے لیکن نیکی کے ہر عمل کا اجر دس سے سات سو گنا تک ہو سکتا ہے۔^{۳۳} کافروں کے لیے قرآن میں آیا ہے کہ ”ہدایت چھوڑ کر گمراہی خرید لی تو نہ ان کی تجارت ہی نے کچھ نفع دیا اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہوئے۔“^{۳۴} اس لیے صرف ”زندہ رہنے“ یا اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے جن میں ماحولیاتی اخلاق بھی شامل ہو لوگ یہ اُمید کر سکتے ہیں کہ ان کی کھٹی ہوئی پانی کی فراہمی پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جب قدرتی یا خود ساختہ آفت آتی ہے تو بہت سے مسلمان اسے عام طور سے انفرادی یا اجتماعی بد اعمالیوں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

قرآن کریم میں رزق کا تصور بار بار ملتا ہے۔ ”اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو انسانی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے درکار ہوتی ہیں؛ اس کی ہر جہت میں، روحانی، ذہنی اور جسمانی۔“ (Yusuf Ali، ۱۹۷۷ء، شمار نمبر ۲۱۰۵) ^{۳۵} سب مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام رزق کا جاری کرنے والا ہے۔ (پچھلا حوالہ شمار نمبر ۵۵۷۹) مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ تمام دوسرے خداؤں کو مسترد کر دیں جن میں بقول یوسف علیؑ، شاعری، فنون لطیفہ، سائنس اور دولت پر گھمنڈ شامل ہیں۔ (پچھلا حوالہ شمار نمبر ۴۱) ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ مادیت کو زیادہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھے اور نہ

آج کی جدید زندگی کی فنی جہتوں (خداؤں) کو خاطر میں لائے کیونکہ یہ چیزیں حقیقی خدا کی پرستش اور تعظیم سے دور لے جانے والی ہیں۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اہل ایمان جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں، ہوا و ہوس سے گریز کرتے ہیں، نیکی کے راستے پر چلتے ہیں اور برائیوں سے بچتے ہیں، وہی اللہ کے انعام کے مستحق ہوں گے۔ نیکی کے کام ایک مسلمان کی سماجی، معاشی اور جسمانی صلاحیت کے اندر ہونا چاہیے^{۳۶} اور انہیں پابندی کے ساتھ کیا جانا چاہیے^{۳۷} صاحبِ ایمان مسلمان کو نہ تو مصائب کا سامنا ہوگا نہ کوئی غم ہوگا نہ ملال اور نہ مستقبل کا خوف۔ انہیں خدا ایسی جگہ سے رزق دے گا جس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوگا^{۳۸} اور انہیں بیستوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی^{۳۹}۔ ایسے مسلمان جو صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے یا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور تعلیمات کو جھٹلایا، انہیں خلوص دل سے توبہ کرنی چاہیے اور خدا کی ہدایات پر عمل کرنا چاہیے۔ ”جو خلوص دل سے خدا کے فرماں بردار ہو گئے تو ایسے لوگ مومنوں کے زمرے میں ہوں گے اور خدا عنقریب مومنوں کو اجرِ عظیم دے گا“^{۴۰}۔

پچھلے سیشن میں بتایا گیا تھا کہ اسلام کے نقطہ نظر سے اللہ تعالیٰ اس عالم فطرت کا مالک و مختار ہے اور وہی اس کا منتظم اعلیٰ ہے لیکن اس نے انتظام کی ذمہ داری انسانوں کو بطور منتظم سونپ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ پانی اور دوسرے قدرتی وسائل ان لوگوں کے لیے کھول دے گا جو نبی کریم ﷺ پر نازل کی ہوئی ہدایات کے پابند ہوں گے۔

عام الفاظ میں مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا اجر روحانی بھی ہو سکتا ہے اور جسمانی بھی۔ اس کے انعامات اس زندگی میں بھی عطا کیے جاسکتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ اس زندگی کے انعامات میں خوف و ملال سے آزادی اور زیادہ مقدار میں پانی اور دوسرے وسائل کی صورت میں رزق کی کشادگی شامل ہوتی ہے۔

اسلامی آبی انتظام کے ادارے

اسلام کا مجموعی ماحولیاتی پیغام توازن کا قیام ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ زیادہ مال و دولت اکٹھا کرنے سے گریز کریں اور دنیاوی کامیابیوں پر غرور نہ کریں کیونکہ ایسا کرنے سے وہ ان ترغیبات کی طرف جھک جائیں گے جن سے مذہب بچنے کا حکم دیتا ہے اور نتیجتاً رزق میں تنگی ہونے لگے گی۔ تاہم اسلام انسان کے خطا کا پتلا ہونے کو تسلیم کرتا ہے اور کسی تحریص یا ورغلاہٹ کی بنا پر کمزور پڑ جانے کو

بھی مانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادارہ حسبہ یعنی سرکاری تفتیش کا ادارہ قائم کیا گیا۔ اسلام کی تاریخ کے بیشتر حصے میں ایسے ادارہ حسبہ کا وجود ملتا ہے جس کے دائرہ کار میں اخلاقی مسائل اور روزمرہ کے معاملات دونوں ہی شامل تھے۔ آج کل حسبہ کے اخلاقی پہلو کا کوئی وجود سوائے سعودی عرب، ایران اور سوڈان جیسے چند ملکوں کے اور کہیں نہیں ہے۔

حسبہ کے ادارے کے وجود کو اخلاقی طور پر قرآن کریم کی اس ہدایت سے تقویت ملتی ہے کہ ”تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے“۔^۱ مزید اصول شریعت یہ ہے کہ ”کسی کو گزند نہ پہنچے۔“ حسبہ کا افسر اعلیٰ محتسب کہلاتا ہے۔ اس کے فرائض میں دیگر امور کے علاوہ یہ بھی شامل ہے کہ وہ یہ بات یقینی بنائے کہ گھر سے باہر کی سرگرمیوں میں لوگ مناسب رویہ اختیار کریں۔ ان سرگرمیوں میں وہ بھی شامل ہیں جن کا تعلق وسائل سے یا حیوانات سے ہے۔ مثال کے طور پر محتسب سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ جانوروں پر سختی کرنے سے روکے، سرکاری زمینوں کی حفاظت اور انتظام کرے اور پانی کے استعمال میں باقاعدگی پیدا کرے۔ (Hamed ۱۹۹۳ء، ص: ۱۵۵)۔ اسلام کے بہت بڑے فقیہ امام ابن تیمیہ کے مطابق ایک محتسب میں اہم ترین خوبیاں یہ ہونا چاہئیں: وہ زیر غور موضوع کا ماہر ہو، نیک دل ہو اور صبر و تحمل سے کام لیتا ہو۔ سارے عالم اسلام میں حسبہ کے ادارے کو دوبارہ زندہ کیا جانا چاہیے اور اسے آبی انتظام کے معاملات کو منصفانہ اور عادلانہ طریقے سے انجام دینے کا کام تفویض کیا جانا چاہیے۔

نتائج

جو اسلامی تعلیمات آبی وسائل کے ایسے دانشمندانہ استعمال پر زور دیتی ہیں جن سے انسانوں کو اپنی بقاء کی ضروریات پوری ہو سکیں انہیں طلب آب کے انتظام کے فلسفے میں بخوبی سمویا جاسکتا ہے۔ اسلام کے مطابق انسان قدرت پر کنٹرول حاصل کر سکتا ہے اور اس کے وسائل کو تصرف میں بھی لاسکتا ہے۔ لوگ قدرتی اشیاء پر حکومت کر سکتے ہیں اور وسائل خرچ کر سکتے ہیں لیکن ان کو انہیں ایسے ظالمانہ طریقے سے مسخر کرنے کی اجازت نہیں ہے کہ اللہ کی تخلیق کو ایسا نقصان پہنچے جو ناقابل تلافی ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ آبی انتظام کی حکمت عملی جس میں ”نظم زمین کے ثقافتی عناصر موجود ہوں، داخلی نظم ارض پر گہرے اثرات مترسّم کر سکتی ہے۔“ (Ort ۱۹۹۶ء، ص: ۲۲۸)۔ اس لیے پالیسی ساز مسلمانوں کی مذہبیت اور نجات اخروی کی آرزو سے فائدہ اٹھا کر آبی انتظام کی ایک ایسی حکمت عملی وضع اور نافذ کر سکتے ہیں جس کی تہہ میں اسلامی جذبہ کارفرما ہو۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق

نجات اُخروی صرف اسلامی تعلیمات اور شریعت کی پابندی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے جو بلاشبہ ”آب دوست“ ہیں۔

آبی انتظام کے اسلامی اصول یا توجوں کے توں اختیار کیے جاسکتے ہیں یا پھر جیسا کہ اردن میں ۱۹۹۰ء کی دہائی کے آغاز میں ہوا یعنی لادینی نعرے بھی پوسٹروں میں اس کے ساتھ شامل کیے گئے تاکہ اردن کے شہریوں کو مملکت کے قلیل آبی وسائل کے تحفظ کے لیے آمادہ کیا جاسکے۔ اس طرح اسلامی بنیادوں پر ایسی آبی پالیسی مرتب کی جاسکتی ہے جس میں متبادل، غیر روایتی عالمی نظریات اور نظام اقدار جھلکتے ہوں۔ مزید برآں اسلامی ممالک میں آبی وسائل کا پائیدار انتظام اس طرح ممکن ہے کہ انتظامی منصوبوں میں مختلف النوع ترغیبات بھی شامل ہوں مثلاً مذہبی، روحانی اور وسائل پر مبنی انعامات۔ طلب آب کے انتظام کی حکمت عملیاں جو ثقافتی اعتبار سے حساس ہوں ایسی آبی تعلیم کی جانی بوجھی کوشش کی طلب گار ہیں جس میں اسلام اور آبی تحفظ کے درمیان مثبت ربط موجود ہو۔

طالب علموں کو ایسی تعلیم دینا جو ان کی ثقافت اور عقیدے سے مطابقت رکھے انفرادی سطح پر روحانی اعتبار سے نتیجہ خیز ہوگی اور کیونٹی یا قومی سطحوں پر سماجی اور ماحولیاتی اعتبار سے مفید ہوگی۔ اس لیے اسلامی آبی انتظام کے اصولوں کو مناسب ترقی دینے کے بعد علمی یا دینی سطح سے عوامی سطح تک لے جانا چاہیے۔ اسلامی آبی انتظام کے اصولوں کی کلیت جس میں تعلیمی جہت بھی شامل ہے، مسلمانوں کی زندگیوں کے وہ اطوار بدل سکتے ہیں جن میں وہ آج زندگی گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا اس طرح بھی ”امتحان“ لیتا ہے کہ مسلمان پانی (اور دوسرے وسائل) کیونکر استعمال کرتے ہیں۔ امتحان اس بات کا ہے کہ وہ پانی کو بچانے اور اس کے معیار کی حفاظت کرنے میں اسلامی اصولوں پر کار بند رہتے ہوئے زندگی بسر کر رہے ہیں یا نہیں۔ جو ایسا کر رہے ہیں وہ اللہ کی نعمتوں کی شکل میں انعام کے بھی مستحق ہوں گے اور اضافہ شدہ وسائل کے بھی۔ نافرمان مسلمانوں کو مہلت دی گئی ہے کہ وہ توبہ کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں ورنہ ان کو اس زندگی میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں بھی۔

دنیا کو ”داخلی“ اور ”خارجی“ دائروں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا جہاں قدرتی ماحول اور آبی وسائل خارجی دائرے میں سمجھے جائیں۔ انسان عالم فطرت میں بخوبی جما ہوا ہے۔ اُسے نگران کی طرح عمل کرنا چاہیے نہ کہ فاتحین کی طرح۔ مسلم دنیا کے بہت سے ممالک اپنے آبی وسائل کے لیے شدید خطرات کا سامنا کر رہے ہیں۔ کہیں خشک سالی ہے تو کہیں سیلاب اور کہیں غیر معیاری پانی وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان خطرات کا ثقافتی اعتبار سے باعنی ڈھانچے کے اندر رہتے ہوئے مقابلہ نہ کیا گیا

تو وہ بڑھتے بڑھتے معاشرتی کشیدگی کا سبب بن جائیں گے اور بالآخر دھماکا خیز تنازعہ کھڑا ہو جائے گا۔ انسان اور ماحول کے آپس کے تعلقات کے اسلامی قوانین اور ان سے منسلک جزا و سزا کا تصور، لفظ ”ماحول“ کی حقیقی تعریف سے مطابقت رکھتے ہیں جو، قدرتی، انسانی اور ثقافتی دائروں کے فعال احاطے اور کسی حد تک ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کی نشان دہی کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں، جیسا کہ قرآن کریم اور احادیثِ نبویؐ مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں، ماحول کوئی جامد شے نہیں ہے جس سے ٹکراؤ تو ہو لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلے۔

حواشی

- ۱۔ ۵۷:۴۔
- ۲۔ مثلاً ۴:۴، ۵:۱۱۹، ۷:۱۴، ۷:۱۱۹، ۱۱:۴۔
- ۳۔ ۳۰:۲۱۔
- ۴۔ ۱۱:۲۔
- ۵۔ ۴۱:۳۰۔
- ۶۔ ۴۶:۳۰، ۴۶:۳۰۔
- ۷۔ ۴۱:۳۰۔
- ۸۔ ۲:۲۵۔
- ۹۔ ۶:۲۰، ۲۶:۳۰ بھی دیکھئے۔
- ۱۰۔ ۸۱:۲۰۔
- ۱۱۔ ۲:۵۔
- ۱۲۔ ۱:۵۔
- ۱۳۔ دیکھئے، مثلاً ۱۶:۶۵، ۳۱:۳۹، برائے خالق کائنات کی قدرت اور وجود کی نشانیاں؛ ۲۰ تا ۲۷، میں اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں کو گنویا گیا ہے جن کا تعلق قدرت سے ہے۔
- ۱۴۔ ابوداؤد ۱۹:۳۷۔
- ۱۵۔ ۲۷:۲۔
- ۱۶۔ ۲۲:۲۔
- ۱۷۔ ۳۸:۶۔
- ۱۸۔ ۹۹:۶، (اضافی تاکید)۔

- ۱۹۔ ۲۷:۳۵۔
 ۲۰۔ ۲۵:۲۹، ۲۶:۱۵۵، ۲۳:۲۱۔
 ۲۱۔ ۱۱۳:۱۱۔
 ۲۲۔ البخاری، ۱: ۵۱۔
 ۲۳۔ مسلم، ۷۔
 ۲۴۔ ۱۶:۹۰۔
 ۲۵۔ ۲۴:۲۰۔
 ۲۶۔ ۳۸:۲۔
 ۲۷۔ ۱۱۹۵:۱۱۸:۲۔
 ۲۸۔ ۱۵:۷۲، ۹۶:۷۔
 ۲۹۔ ۱۵:۷۔
 ۳۰۔ ۹۶:۷۔
 ۳۱۔ ۹:۵۰۔
 ۳۲۔ ۳۰:۶۷۔
 ۳۳۔ البخاری، ۳۰: ۱۔
 ۳۴۔ ۱۶:۲۔
 ۳۵۔ دیکھئے، مثلاً: ۲: ۲۱، ۱۶: ۷۳، ۷۷: ۶۷۔
 ۳۶۔ البخاری، ۳۱: ۱۔
 ۳۷۔ ۳۶: ۱۸: البخاری
 ۳۸۔ ۳: ۶۵۔
 ۳۹۔ ۳۸: ۲، ۳: ۵۷، ۱۴: ۳، ۶۵: ۳۔
 ۴۰۔ ۱۳۶: ۳۔
 ۴۱۔ ۱۰۳: ۳۔

REFERENCES

حوالے

- ابن قدامہ (عبداللہ بن احمد بن محمد) (۱۹۹۲ء)، المغنی، دار الحجر للنشر، قاہرہ۔
 ابن کثیر (۱۹۹۳ء) تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفہ، بیروت۔
 الطباطبائی، ایم ایچ (۱۹۷۳ء)، المیزان فی تفسیر القرآن، جلد ۱۶، العالمی لائبریری، بیروت۔
 عبدالباقی، ایم ایف (۱۹۸۷ء)، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، دار الحدیث، قاہرہ۔

المنجد (۱۹۹۳ء)، قاموس المنجد، (پوٹیسوال ایڈیشن)، دارالشرق، بیروت۔

- Ansari, M. I. (1994), "Islamic Perspectives on Sustainable Development," *American Journal of Islamic Social Science* 11 (3), pp. 394-402.
- Hamed, Safai el-Deen (1993), "Seeing the Environment through Islamic Eyes: Application of *Shariah* to Natural Resources Planning and Management," *Journal of Agricultural and Environmental Ethics* 6 (2), pp. 145-64.
- Izzi Deen, Mawil (1990), "Environmental Islamic law, Ethics, and Society," in J. R. Engel and J. G. Engel (eds.), *Ethics of Environment and Development: Global Challenge, International Response*, Bellhaven Press, London.
- Khalid, F. (1966), "Guardians of the Natural Order," *Our Planet* 8 (2), pp. 18-25.
- Orr, D. W. (1996), "Ecological Literacy," in M. Alan Cahn and R. O'Brien (eds.), *Thinking about the Environment*, M. E. Sharpe, Armonk, N.Y.
- Sonn, Tamara (1995), "Tawhid," in *Oxford Encyclopaedia of the Modern Islamic World*, Oxford University Press, Oxford.
- (1974), *Al-Mizan fi Tafsir al-Kor'an* [The tempered interpretation of the Koran], vols. 19-20, Al Alami Library, Beirut.
- Weeramantry, C. G. (1988), *Islamic Jurisprudence: An International Perspective*. St. Martin's Press, New York.
- Wescoat, J. L., Jr. (1995), "The Right of Thirst for Animals in Islamic Law: A Comparative Approach," *Environment and Planning: D – Society and Space* 13 (2), pp. 637-54.
- Vidart, D. (1978), "Environmental Education: Theory and Practice," *Prospects* 8 (4), pp. 466-79.
- Yusuf Ali, A. (1977), *The Holy Qur'an: Text, Translation, and Commentary*, American Trust Publications for the Muslim Student Association of the United States and Canada, Plainfield, Ind.

مشرقی خطہ متوسط میں اسلامی تعلیمات پر مبنی تحفظ آب بذریعہ عوامی آگہی

صادق عطاء اللہ، ایم زیڈ علی خان، اور مازن ملکاوای

تحفظ آب ایک پیچیدہ رابطہ باہمی کا نظام ہے جس کے مختلف پہلو ہیں جو پانی کے صارف کی تعلیم سے لے کر اعلیٰ فنی علوم کے آلات تک پھیلا ہوا ہے۔ ان پہلوؤں پر ان کے معاشی، سماجی، مذہبی، سیاسی، قانونی اور جمالیاتی حوالوں سے غور کرنا چاہیے۔ (Khan and Abdul Razzak، ۱۹۸۶ء؛ Abdul Razzak and Khan ۱۹۹۰ء) تحفظ آب، مربوط آبی وسائل کے انتظام کا ایک بنیادی جزو سمجھا جانا چاہیے اور عوامی آگہی اور تعلیم وہ بنیادی اوزار ہیں جو تحفظ آب کے سلسلے میں عوامی شرکت اور وابستگی کی ضمانت کے لیے درکار ہیں۔ (WMO ۱۹۹۲ء؛ UN ۱۹۹۳ء الف، ب)۔ مشرقی خطہ متوسط تینس ممالک پر مشتمل ہے جو زیادہ تر ریگستانی یا نیم ریگستانی علاقوں میں واقع ہیں اور جہاں بارش کی سالانہ اوسط بہت کم ہے۔ عالمی ادارہ صحت کے لیے یہ خطہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس خطے کی آبادی ۳۳۶ ملین ہے جن میں بیشتر مسلمان ہیں۔ اس لیے زیر نظر باب کا مقصد یہ ہے کہ آبی تحفظ کے حوالے سے اس خطے میں اسلامی انتظامیہ، نظام تعلیم اور بالخصوص پانی کی حفاظت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی عوامی شعور کی بیداری اور شرکت میں اضافے کے سلسلے میں اہمیت بیان کی جائے۔

اسلامی تناظر میں تحفظ آب

گذشتہ دس سالوں میں یہ بات کھل کر سامنے آئی ہے کہ ماحول کے تحفظ کی مہم اسلامی عقیدے کے

تتاظر میں نتیجہ خیز ثابت ہوئی ہے اور اسلامی نظام تعلیم کے تحت مشرقی نقطہ متوسط کو اہم مسائل مثلاً تحفظ آب کے بارے میں لوگوں کو سمجھانا عوامی شعور میں اضافے کے لیے بڑا مفید رہا ہے۔ حمدان اور دوسرے (۱۹۹۷ء، ص: ۲۴۱) اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ”ہماری اس محدود دنیا میں اسلامی ماحولیات کے فلسفے کی انتہائی شدید ضرورت ہے۔“ تحفظ آب کے اسلامی تصور کی مدد سے شعور کی بلندی کا حصول مندرجہ ذیل وجوہ سے ممکن ہے:

- مشرقی نقطہ متوسط میں اسلام کا بڑا اثر ہے۔
- اسلامی تعلیمات میں پانی کی کفایت اور حفاظت پر بڑا زور دیا گیا ہے؛ اور
- عوامی شعور میں اضافے کے لیے اسلامی اظہار خیال کے ذرائع بڑے موثر ہیں۔

اسلام کا اثر

اس پورے خطے میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسانی فلاح کے فروغ کے لیے اسلامی تصورات کا استعمال عام ہے۔ مثال کے طور پر اس خطے کے ۲۳ ممالک کے ممتاز اطباء، سائنس دان، ماہرین قانون اور مذہبی اسکالرز نے ۱۹۹۶ء میں عمان میں ایک اجلاس میں اچھی صحت کے فروغ کے لیے اسلامی رویے کی اہمیت پر بڑا زور دیا۔ (WHO ۱۹۹۶ء، a, b, c)۔ اس اہم اجلاس نے صحت کو زندگی کے ایک ایسے جزو کی حیثیت سے سمجھے جانے کی اہمیت کو محسوس کیا جس کا حصول دیگر بنیادی عناصر مثلاً آزادی، سلامتی، عدل، پانی اور خوراک کے بغیر ممکن نہیں۔ اس جلسے میں طرز زندگی اور انفرادی رویوں کے صحت کے اوپر پڑنے والے اثرات کا جائزہ بھی لیا گیا۔ اسلام ان رویوں کو فروغ دیتا ہے جو صحت کے محافظ ہیں اور ان عادات کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جو صحت کے لیے نقصان دہ ہیں۔ اس علاقے میں ۶۰ ایسی طرز ہائے زندگی کی نشاندہی کی گئی جن میں صحت بخش اور نفرت رساں رجحانات کے بارے میں اسلامی تعلیمات رہنمائی کرتی ہیں۔ پانی کی کفایت اور تحفظ بھی ان امور میں شامل تھے۔

اسلامی تعلیمات میں پانی کی کفایت اور تحفظ

اسلام میں انسانوں اور پانی کے درمیان رشتہ، روزمرہ کے سماجی وجود کا حصہ ہے اور اس کی بنیاد مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کرہ ارض کی ہر شے اللہ کی پرستش کرتی ہے۔ پرستش محض رسمی نہیں ہے کیونکہ رسمی عبادت تو صرف انسانوں کا خدا کی عبدیت قبول کرنے کا علامتی اظہار ہے۔ پرستش ان کاموں کا نام ہے جو وہ تمام مخلوق بھی جو انسانوں کے ساتھ ساتھ اس سیارہ پر آباد ہے، کر سکتی ہے۔

علاوہ ازیں، انسانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس عالمی ماحول کے دوسرے شہریوں کی بہبود اور زندہ رہنے کے حق کا خیال بھی رکھیں۔ تمام چاندی چیزوں کے لیے پانی اس قدرتی ماحول میں سب سے زیادہ قیمتی اور قابل قدر وسیلہ ہے۔ پانی اور زندگی کے درمیان رشتہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں واضح طور پر ملتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ آیات، ”ہم نے ہر شے کو پانی سے بنایا ہے“۔ ”اللہ آسمانوں سے پانی برساتا ہے اور اس سے مردہ زمین کو دوبارہ زندگی بخشتا ہے“۔

اسلام روحانی اور جسمانی طہارت کے درمیان مکمل ہم آہنگی قائم کرنے کو انتہائی اہمیت دیتا ہے۔ جسمانی طہارت بغیر وضو اور غسل کے حاصل نہیں ہو سکتی اور ان دونوں کے لیے صاف پانی ضروری ہے۔ اس لیے پانی کی صفائی اور پاکیزگی کا ذکر قرآن کریم اور سنت نبویؐ دونوں میں کثرت سے آیا ہے۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ پانی کو آلودہ نہ کریں۔ ”اللہ کے نبی ﷺ نے کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے“۔ تم میں سے کوئی کھڑے پانی میں غسل جنابت نہ کرے“^{۵۵} اور ”تین باتوں سے بچو کیونکہ یہ لوگوں کی لعنت کا سبب بنتے ہیں۔ پانی کے ذخیرے کے پاس، سڑک کے کنارے اور سائے دار جگہ میں اجابت نہ کرو“^{۵۶}۔

اسلامی تعلیمات میں پانی کی کفایت ایک مستحکم تصور ہے۔ یہ ایک ایسا طرز زندگی ہے جسے ایک مسلمان کو ساری زندگی اختیار کیے رہنا چاہیے، ایسا نہیں کہ محض پانی کی قلت میں وقتی طور پر یا مخصوص مواقع پر اس طریقہ کار کو اپنایا جائے۔ (Madani ۱۹۸۹ء)۔ یہ عمل تو ہمیشہ ہی ہونا چاہیے چاہے اچھا وقت ہو یا برا۔ اسلامی تعلیمات توازن پر زور دیتی ہیں اور انفرادی یا اجتماعی ضرورتوں یا خواہشوں کی منصفانہ طمانیت چاہتی ہیں۔ یہ تعلیمات قرآن کریم کے احکامات کے عین مطابق ہیں۔ ”اے ابن آدم، جب مسجد میں آؤ تو بہترین لباس زیب تن کر کے آؤ۔ کھاؤ اور پیو لیکن چیزوں کو ضائع نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں فرماتا“۔^{۵۷} یا ”فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کے نزدیک ’ناشکر‘ ہے“۔^{۵۸} ان آیات کا تمام قدرتی وسائل پر اطلاق ہوتا ہے لیکن اسلام نے پانی کی کفایت پر خصوصی توجہ دی ہے۔ ایک روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے ایک مسلمان کو یہ ہدایت دی تھی کہ پانی کفایت سے خرچ کرو خواہ تم وہ پانی کسی تیز بہاؤ والے دریا سے ہی کیوں نہ لے رہے ہو۔ روایت یہ ہے کہ ”ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ کا ایک صحابی حضرت سعدؓ کے پاس سے گذر ہوا جو اس وقت وضو کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا، اسے سعد! کیا یہ فضول خرچی نہیں ہے؟ حضرت سعدؓ نے جواب دیا۔ کیا وضو میں بھی فضول خرچی کا تصور ہو سکتا ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا، ہاں! خواہ تم پتے ہوئے دریا کے کنارے ہی کیوں

نہ ہوا!

دوسرے اسلامی تصورات اور اصول مثلاً انسان کی ولایت اور خلافت، باہمی تعاون اور عوامی شراکت و مشاورت اور عوام اور حکومت کے درمیان تعلق، ان تمام چیزوں کا اسلامی تعلیمات میں باقاعدہ ذکر ملتا ہے۔ یہ تعلیمات شعور کو بیدار کرنے اور آبی وسائل کے انتظام اور تحفظ میں عوامی شرکت میں اضافے کے لیے مفید اوزار کے طور پر استعمال کی جاسکتی ہیں۔ پانی کا تحفظ صرف پانی کے انتظامی اداروں کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اس موضوع پر قرآنی ہدایات پر عمل کرانے میں ہر فرد کو شریک ہونا چاہیے۔ ”نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور دشمنی کے کاموں میں کسی سے تعاون نہ کیا کرو“۔ یہ تمام کا تمام سیارہ انسانوں کے اختیار میں دے دیا گیا ہے تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں اور غلط استعمال نہ کریں۔ مزید یہ کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نسل انسان کو ایک مقصد عظیم کے لیے پیدا کیا ہے یعنی یہ کہ وہ کرۂ ارض پر اس کا خلیفہ ہو۔ ہمیں زمین کی ملکیت اس لیے دی گئی ہے کہ ہم اس کو خوب سے خوب تر بنائیں اور ترقی کی راہ پر گامزن کریں، کسی برائی یا غلط استعمال کے لیے نہیں۔ ”اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کہ کیا آپ ایسے کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین پر فساد پھیلانے گا اور خون بہائے گا؟ جبکہ ہم آپ کی تسبیح پڑھتے ہیں، حمد کرتے ہیں اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔“

”نیکی کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا“ تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ یہ ایک ایسا اہم اوزار ہے جو نہ صرف شعور کو بلند کرتا ہے بلکہ اچھے اعمال کرنے اور ان سے وابستہ رہنے اور نقصان دہ اور برے رویوں سے بچنے پر زور دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”۔۔۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں“۔^{۱۳} یہ اصول کہ ”نہ نقصان پہنچاؤ اور نہ خود اٹھاؤ“^{۱۴} تحفظ آب کے مسائل کے سلسلے میں اسلام کے رسمی موقف کے اعلان کی بنیاد ہے۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تمام نقصان پہنچانے والے عمل حرام ہیں۔

اسلام کے مخصوص رویے اور طریقے اس حدیث کے تابع ہیں ”میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اپنے ہاتھ سے روک دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے برا کہے اور اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل میں برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“^{۱۴}

عوام میں آگہی پیدا کرنے کے لیے اسلامی ذرائع ابلاغ کا استعمال

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اسلام انفرادی انسانی افعال کو بھی معنویت بخشتا ہے اور پورے معاشرے کو بھی۔ کسی فرد واحد میں اسلام پر ایمان پورے معاشرے کی غمازی تصور کیا جاسکتا ہے یا دوسرے الفاظ میں فرد درحقیقت اس معاشرے کی عکاسی کرتا ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ معاشرے کی کیفیت کا انحصار اس کے اندر رہنے والے افراد کے عقائد اور اعمال پر ہوتا ہے۔ دوسرے مذہبی گروہوں کی طرح مسلمانوں کا بھی عقیدہ ہے کہ ایک معاشرے میں افراد کی ذاتی اخلاقیات ہی وہ اینٹ ہے جس سے پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اخلاقیات کو ان تمام مادی فوائد پر فوقیت حاصل ہوتی ہے جن کا حصول ایک مسلمان کا مقصود ہوتا ہے اور اس طرح یہ معاشرے کے لیے ضروری بنیاد فراہم کرتی ہے۔ (Hamdan et al. ۱۹۹۷ء)۔

اسلام کا نظام تعلیم، اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لیے کئی پلیٹ فارم مہینا کرتا ہے۔ روزانہ کی زندگی کے مسائل کے حوالے سے مختلف سطح کے لوگوں تک پہنچنے کے لیے سب سے بہتر پلیٹ فارم مسجد ہے۔ اور دنوں میں نہیں تو جمعے کی نماز تو کم از کم ایسا ایک ہفتہ وار موقع ضرور فراہم کرتی ہے جب عام لوگوں سے مخاطب ہوا جاسکتا ہے۔ مگر بیشتر مسلمان ملکوں میں روزانہ ایسے اجتماعات ہوتے رہتے ہیں جہاں امام صاحبان اہم مسائل پر لوگوں سے خطاب کرتے ہیں۔ عمان میں ایک سروے کے مطابق ۶۳ فیصد جواب دہندگان کا خیال تھا کہ امام صاحبان ماحولیات کی تعلیم اور عوامی آگہی کو بڑھانے میں بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں جبکہ ۳۴ فیصد یہ سمجھتے تھے کہ امام صاحبان پہلے ہی یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ (Al-Sodi ۱۹۹۳ء)۔

اسلام میں تعلیم کی ذمہ داری خاندان کی سطح سے لے کر پورے معاشرے کی سطح تک، ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ اصول زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے تاہم اردن کے مفتی نے یہ فتویٰ جاری کیا ہے کہ خصوصی طور پر ماحول کی تعلیم واجب ہے اور اس فتوے کے تحت تمام مسلمان ماحولیات کی تعلیم میں شرکت کے پابند ہیں۔ یہ فتویٰ دراصل اسلام کے ایک بنیادی اصول پر دیا گیا ہے کہ ”واجب کی تکمیل کے لیے جو چیزیں لازمی ہیں وہ بھی واجب ہیں۔“ (Al-Tamimi ۱۹۹۱ء)۔ اس طرح اسلام ایک ایسا متحرک فورم مہینا کرتا ہے جس کے ذریعے پوری مسلمان آبادی تک پہنچا جاسکتا ہے خواہ وہ لوگ سڑک پر ہوں، تعلیم گاہوں میں ہوں یا مسجد میں۔

تعلیم کے لیے آفاقی ذمہ داری مسلمان ملکوں میں عوام تک پہنچنے کے لیے مثالی اوزار اور پلیٹ فارم مہینا کرتی ہے۔ بد قسمتی سے اب تک ان کا استعمال اطمینان بخش طریقے سے نہیں ہو سکا

ہے۔ چند ملکوں میں جہاں مذہب کو عوامی آگہی کی مہم کے لیے استعمال کیا گیا ہے وہاں بھی بڑے محدود پیمانے پر محض اخبارات کے مضامین اور پوسٹروں میں قرآن کریم کی آیات اور احادیثِ نبویؐ کے کچھ حصے نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ لیکن تحفظِ آب میں سبھی لوگوں کی شرکت اور رویوں میں تبدیلی درکار ہے۔ اس کے لیے قربانیاں بھی دینی ہوں گی اور سماجی اور مانی قیمت بھی۔ جس کے لیے تمام متعلقہ افراد کی کوششوں میں ربط اور مکمل تعاون کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے انفرادی کوششوں سے کبھی ٹھوس نتائج برآمد نہیں ہوں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عوامی آگہی کی سرگرمیوں میں آبی وسائل کے تحفظ اور انتظام کی ایسی حکمت عملیاں اور منصوبے تشکیل دیئے جائیں جن میں اسلامی تصورات اور ذرائع ابلاغ کو شامل کیا گیا ہو۔ اس باب میں کوشش کی گئی ہے کہ ایک ایسا طریقہ کار اور رہنما اصول وضع کیے جائیں جن سے دلچسپی رکھنے والے ادارے اسلامی تصورات کی بنیاد پر موثر عوامی آگہی کے پروگرام، حکمت عملیاں اور سرگرمیاں اختیار بھی کریں اور بروئے کار بھی لائیں۔

مشرقی متوسط خطے میں تحفظِ آب اور عوامی آگہی

حکومت کی سطح پر مشرقی خطہ متوسط کے بہت سے ملکوں میں یہ خیال بڑا قوی ہو گیا ہے کہ تحفظِ آب خطے میں پانی کی قلت کے مسئلے کا انتہائی قابل اعتبار اور باکفایت حل ہے۔ یہ خیال ان سفارشات میں بڑے واضح انداز سے جھلکتا ہے جو پانی کے بارے میں علاقائی اور بین الاقوامی ایجنسیوں اور عالمی اداروں نے پیش کی ہیں۔ (WHO ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۵ء، ۱۹۹۷ء؛ USAID ۱۹۹۳ء؛ World Bank ۱۹۹۵ء؛ UNIDO ۱۹۹۷ء)۔ بد قسمتی سے یہ سفارشات آبی پیش کاروں (پانی کے اداروں اور فیصلہ سازوں) تک محدود رہیں اور صارفین (عوام) تک نہیں پہنچائی گئیں۔ عوامی شرکت کا فقدان اور صارفین کی کم آگہی اس خلا کی خاص وجوہ لگتی ہیں۔

مشرقی خطہ متوسط میں آبی تحفظ اور عوامی آگہی کی سرگرمیوں کے موضوع پر لٹریچر کی بڑے وسیع پیمانے پر تلاش کی گئی لیکن صرف چند حوالے ہی دستیاب ہو سکے۔ اس سے دو بنیادی مسائل سامنے آتے ہیں۔ اول، ان سرگرمیوں کا فقدان؛ دوم، اس اہم شعبے میں معلومات کے تبادلے کی کمی اور اس تک رسائی کا نہ ہونا۔ ایک دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ آبی تحفظ کے بارے میں تمام سرگرمیاں گھریلو استعمال کنندگان تک محدود ہیں۔ زراعت اور صنعت کی طرف توجہ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔

علاقائی اور بین المملکتی سرگرمیاں

عالمی ادارہ صحت کا ماحولیاتی صحت کی کارروائیوں کا علاقائی مرکز (CEHA) مشرقی خطہ متوسط میں

صاف اور صحت افزا پانی کی فراہمی میں اضافہ کرنے کے لیے مربوط آبی وسائل کے انتظام کو بہتر بنانے میں بہت سرگرم ہے۔ تحفظ آب کو آبی وسائل کے انتظام کا لازمی جز قرار دیتے ہوئے کام کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں دو بین الاقوامی اجلاس اور کئی قومی اجلاس منعقد ہو چکے ہیں اور ۱۹۹۱ء سے اب تک کئی خصوصی مطالعے کیے جا چکے ہیں۔ برآمدہ نتائج میں تحفظ آب کی حکمت عملی کا ایک مسودہ اور آبی وسائل کی حفاظت کی خاطر قومی وسائل کو بروئے کار لانے کا عزم شامل ہیں۔ آج کل ان کوششوں پر توجہ مرکوز کی جا رہی ہے کہ ایک ایسا کتابچہ مرتب کیا جائے جس میں آبی تحفظ کے پروگرام کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا جائے۔ اس میں دس ابواب ہوں گے جس میں تمام متعلقہ پہلوؤں پر، بشمول عوامی آگہی، روشنی ڈالی جائے گی۔

قومی سرگرمیاں

افغانستان، خلیج تعاون کونسل (GCC) کے ممالک، مصر اور اردن کی چار مثالوں نے عوامی آگہی کو بہتر بنانے کے لیے اسلامی تصورات کو استعمال کرنے کی ضرورت اور اس کے اثرات کی وضاحت کی ہے۔ عالمی ادارہ صحت نے افغانستان میں ۱۹۹۷ء کے اواخر سے ایک مہم بعنوان ”مسجدوں کے ذریعہ صحت کی تعلیم اور آگہی“ شروع کی ہوئی ہے۔ یہ ان مہمات کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے جو افغان شہروں میں اچھی صحت کے طریقوں کی اشاعت، پانی کے تحفظ کا شعور اور بیماریوں کی روک تھام کے سلسلے میں صاف پانی اور اطمینان بخش صحت و صفائی اور حفظان صحت کے اصولوں کی پابندی کی اہمیت واضح کرنے کے لیے چلائی جائے گی۔ اس مہم کا ایک اہم حصہ امام صاحبان کو ماہرین آب اور علمائے دین کے ذریعہ تربیت دینا تھا۔ انہیں تمام دستیاب لٹریچر سے نفل کی ہوئی واضح ہدایات مہیا کی گئیں۔ اپنی تربیت مکمل کرنے کے بعد ہر امام نے جمعہ کا ایک خصوصی خطبہ تیار کیا جو لگا تار دو ہفتے نماز جمعہ سے قبل دیا گیا۔ (WHO ۱۹۹۷ء)۔ ابتدائی اندازوں سے معلوم ہوا کہ ان پیغامات پر پوری توجہ دی گئی۔ مکمل نتائج کا اس مہم کے اختتام پر ہی ملنے کی امید ہے۔

خلیج تعاون کونسل کے ملکوں کی معاشرتی اقدار میں یہ تبدیلی رونما ہو رہی ہے کہ وہ آبی تحفظ کے بارے میں ترقیاتی اساس کے بجائے، حفاظتی اساس کو اختیار کر رہے ہیں۔ ان ملکوں میں یہ عام خیال پایا جاتا ہے کہ قدرتی وسائل کا تحفظ بالعموم اور آبی وسائل کا تحفظ بالخصوص اسلامی تعلیمات کا اہم جزو ہے۔ ان کو یہ بھی یقین ہو چلا ہے کہ اسلامی تناظر میں تحفظ کے بارے میں عوامی شعور کو بلند کرنے کے لیے مؤثر ترین اور اہم ترین ذرائع، ذرائع ابلاغ اور تعلیمی نظام ہیں۔ (Akkad

۱۹۹۰ء)۔ چنانچہ اس مہم کے لیے جو پوسٹر اور ویڈیو تیار کیے جا رہے ہیں ان میں اسلامی پیغامات استعمال کیے جا رہے ہیں۔ عالمی یوم آب ۱۹۹۸ء کے موقع پر وزارت ہائے اسلامی امور و اوقاف کی درخواست پر مساجد کے ائمہ صاحبان کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ جمعہ کی تقریروں میں اسلامی فکر اور تحفظ آب کو موضوع خطاب بنائیں۔ (Salih ۱۹۹۸ء)۔ لیکن اس طرح کبھی کبھار کی تحفظ آب اور عوامی آگہی کی مہمیں ایسے جامع اور طویل المیعاد عملی منصوبوں کی متقاضی ہیں جو روپوں کی تبدیلی کو ہدف بنائیں وگرنہ ان کے اثرات بڑے محدود ہوں گے۔ قومی کمیونٹی آبی تحفظ کے پروگرام (NCWCP) کا مقصد یہ ہے کہ قومی و مقامی سطحوں پر تحفظ آب کی کارروائیوں کے ذریعے پینے کے پانی کے ضیاع کے مسائل کا حل ڈھونڈا جائے۔ اس پروگرام کے تحت ۱۹۹۳ تا ۱۹۹۶ء کے عرصے میں بہت بڑے پیمانے پر ابلاغ کا کام سرانجام دیا گیا۔ عیسیٰ کے مطابق (۱۹۹۶ تا ۱۹۹۷ء) اس مہم سے ایک خاص سبق یہ ملا کہ ”آبی تحفظ کے ابلاغ کی حکمت عملی عالمگیر اور باہمی عمل ردعمل کی بنیاد پر ہونی چاہیے اور اس میں صارفین کے علاوہ تمام متعلقہ عوامل کو بھی شامل کرنا چاہیے مثلاً مذہبی اور سیاسی رہنما اور آبادی کے غیر رسمی قائدین۔

اردن میں ایک ایسا منصوبہ عنقریب رو بہ عمل آنے والا ہے جس کے ذریعہ بہتر معیار کا پانی زیادہ مقدار میں اور خود کفالت کی بنیادوں پر فراہم کیا جاسکے گا۔ اس منصوبے کا بہت بڑا حصہ عوامی آگہی کی سرگرمیوں پر مشتمل ہے۔ مختلف تعلیمی اور آگہی کا مواد (پوسٹر، کھیل، اخباری رپورٹیں، ٹیلی ویژن کے پروگرام سیمینار وغیرہ) اسلامی تعلیمات اور تصورات کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے۔ نماز جمعہ کے متعدد خطبات صرف پانی اور اس کے تحفظ کے موضوع پر رکھے گئے ہیں (Ayesha ۱۹۹۶ء)۔ وزارت اوقاف و اسلامی امور کے تعاون سے ایک رہنما منصوبہ بعنوان ”ہفتہ مسجد“ ۱۹۹۸ء کے اوائل میں متعارف کیا گیا۔ گورنر عمان کے زیر انتظام صوبے کے تمام ائمہ صاحبان کو ایک ہفتہ کی تربیت دی گئی کہ وہ روزمرہ کے معاملات بشمول تحفظ آب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیان کر سکیں۔ انہیں اردن کے آبی وسائل اور ملک کو درپیش قلت آب جیسے مسائل پر معلومات فراہم کی گئیں اور تحفظ آب کی خاطر عوام کی شراکت اور تعاون کی ضرورت سے آگاہ کیا گیا۔ اس کے بعد امام صاحبان نے عوام میں اس تعلیم کو عام کیا۔ اب پروگرام یہ ہے کہ اس سرگرمی کو اردن کے دوسرے صوبوں تک پھیلا دیا جائے۔

آبی تحفظ کی اسلامی حکمت عملیاں

آبی تحفظ کے پروگرام ان اداروں کے سپرد کیے جائیں جو آبی وسائل کے انتظام کے ذمہ دار ہیں۔

مختلف شعبوں (مثلاً میونسپل، زرعی یا صنعتی) میں ان منصوبوں پر عملدرآمد اس شعبے کے ذمہ دار سرکاری ادارے کے ذریعے کروایا جائے۔ ادارہ ترسیل آب و طلب آب ان اداروں کے درمیان جو تعلیم، ذرائع ابلاغ اور آگہی کے لیے ذمے دار ہیں، قریبی ربط اور شراکت کو ایک بڑے ادارے کے تحت لایا جائے۔ بد قسمتی سے خطے میں وزارت ہائے تعلیم، اوقاف اور اسلامی امور، تحفظ آب کے پروگرام کے مسئلہ پر شاہزی دلچسپی لیتی ہیں حالانکہ آگہی کی مؤثر کارروائیوں کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے۔

آبی تحفظ کے پروگرام کی کامیابی کے لیے یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ آبی تحفظ کے اقدامات کی تشکیل اور عملدرآمد میں عوام کی شرکت اور تعاون حاصل ہو۔ یہاں عوام سے مراد صارفین، فراہمی آب کی خدمات انجام دینے والے منتظمین، منصوبہ گر اور پالیسی ساز ہیں۔ تحفظ آب کے لیے اسلامی تصورات کی روشنی میں عوامی آگہی کو بڑھانے کے لیے ہمیشہ ابلاغ کے دوسرے ذرائع، آلات اور چینلز کو مربوط انداز میں بروئے کار لانا چاہیے۔

عوام سے زیادہ تعاون اور شرکت کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ انہیں پانی کی فراہمی کی صورت حال، اس پر کیے جانے والے اخراجات اور آبی وسائل کی مجموعی صورت حال سے باخبر رکھا جائے اور انہیں پانی کے سرچشموں کے تحفظ کی ضرورت اور آئندہ نسلوں کے لیے انہیں محفوظ رکھنے کی اہمیت کا احساس دلایا جائے۔ اس طرح کی باخبری عوامی آگہی کی کسی بھی کامیاب کوشش میں پہلا قدم ہوگا۔ لیکن اس طرح کی معلومات کا قابل اعتبار ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔ چونکہ اسلام میں دیانتداری ایک اساسی اصول ہے اس لیے عوام امام صاحبان اور دوسرے اسلامی ذرائع سے سچائی کی ہی توقع رکھتے ہیں۔

پانی کے تحفظ کی زیادہ تر کارروائیاں رویوں اور رجحانات کی تبدیلی چاہتی ہیں لیکن یہ بالعموم ایک سست رو طریقہ ہے۔ اس لیے عارضی یا وقتی نوعیت کی عوامی آگہی کی کارروائیاں مؤثر ثابت نہیں ہوتیں۔ پانی کے با اختیار اہل کاروں کو چاہیے کہ وہ وزارت ہائے تعلیم اور اسلامی امور کے ساتھ تعاون اور رابطے کی مدد سے مسلسل جاری رہنے والی طویل المیعاد سرگرمیوں کے منصوبے بنائیں۔

آبی تحفظ کی بعض کارروائیوں پر اچھا خاصا خرچ آتا ہے جسے عوام کو ہی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ان میں پانی کے ٹل لگانا، آبپاشی کے نظام کو ترقی دینا یا صنعتی پیداوار کی مشینوں کے ڈیزائن میں تبدیلی کرنا شامل ہیں۔ آبی تحفظ کے ان پروگراموں پر آنے والے اخراجات پر مائل کرنے کے لیے وہ روحانی ترغیبات بھی سود مند ثابت ہو سکتی ہیں جو اسلام نے دی ہیں۔ اگرچہ آبی تحفظ کے بارے میں کفایت، تعاون اور دوسرے تصورات اسلام نے بڑی وضاحت سے بتادیئے ہیں تاہم انہیں

باقاعدہ تحریری شکل میں پیش کیا جائے تو زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ اس کے علاوہ علاقائی دارالافتاویٰ ایسے فتوے جاری کریں جن میں ان معاملات پر اسلامی نقطہ نظر واضح طور پر سامنے آئے۔ امید ہے کہ اس قسم کے فتوے سے پانی کے استعمال میں زیادہ کفایت برتی جائے گی، کیونکہ محض یہ کہنا کہ پانی ضائع کرنا بری بات ہے اتنا موثر نہیں ہوگا جتنا یہ کہنا کہ پانی ضائع کرنا حرام ہے۔

آبی تحفظ کی سرگرمیاں اور آگہی کی مہمات عام طور پر صرف گھریلو استعمال کنندگان پر مرکوز رہتی ہیں۔ یہ ناک کے آگے نہ دیکھنے والی بات ہے۔ دراصل توجہ تمام استعمال کنندگان کی طرف ہونی چاہیے۔ عوامی آگہی کے پروگراموں کے لیے مسجدیں مثالی جگہیں ہیں جہاں ہر قسم کے لوگ کم از کم ہفتے میں ایک بار توجہ ہوتے ہیں۔ بہر کیف امام صاحبان کو اس ضرورت سے آگاہ رہنا چاہیے کہ اپنی آبادی کے تمام طبقوں سے مخاطب ہونا ہے۔

مساجد کے ذریعہ آگہی میں اضافہ کرنا

کوئی بھی ذی علم مسلمان اسلام کے بارے میں دوسروں کو معلومات بہم پہنچا سکتا ہے۔ اسلام میں پابائیت نہیں ہے، تاہم امام صاحبان اسلامی تعلیمات کو عام کرنے اور عوام کو علم کی روشنی مہیا کرنے میں مسجدوں کے ذریعہ کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لیے آبی تحفظ کے بارے میں عوامی آگہی کی کارروائیوں میں ائمہ اور مساجد کو مرکزی حیثیت حاصل ہونا چاہیے۔ اماموں کی باقاعدہ تعلیم و تربیت ہونی چاہیے اور آبادی کے رہنما ہونے کے ناطے انہیں آبی وسائل کی منصوبہ بندی اور انتظامی کارروائیوں سے کبھی الگ نہیں رکھنا چاہیے۔

آبی ماہرین کے مقابلے میں امام صاحبان عوام تک زیادہ آسانی سے پہنچ جاتے ہیں۔ اگرچہ انہیں بالعموم فقہ، سنت اور شریعت کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں لیکن ان کا آبی وسائل اور تحفظ کے طریقوں کا علم اتنا نہیں ہوتا کہ وہ ان موضوعات پر دوسروں کو تعلیم دے سکیں۔ اس لیے آبی ماہرین کو چاہیے کہ وہ امام صاحبان کو نہ صرف پانی کی قلت، اس کے تحفظ کی کارروائیوں اور عوامی شرکت کی ضرورت کے بارے میں تعلیم و تربیت اور آگاہی فراہم کریں بلکہ انہیں سمعی، بصری آلات اور مواد کے استعمال کی تربیت دیں تاکہ عوام تک پہنچنے میں انہیں آسانی ہو۔ ایک مسلمان کی زندگی میں جمعہ کی نماز جو مساجد میں ادا کی جاتی ہے ایک اہم ہفتہ وار موقع فراہم کرتی ہے۔ امام صاحبان کو چاہیے کہ اپنے جمعہ کے خطبات آبی تحفظ اور ترسیل کے ماہرین سے صلاح و مشورے کے بعد تیار کریں اور اس میں قابل اعتبار اعداد و شمار اور حقائق پیش کریں۔ پانی کے بارے میں جمعہ کی

یہ تقریر کبھی بکھار نہ ہو بلکہ مناسب وقفوں سے اکثر ہوتی رہے تاکہ عوام کے رویوں میں تبدیلی آسکے۔ یہ سفارش کی جاتی ہے کہ اس قسم کی تقریریں موسم گرما یا اس زمانے میں زیادہ ہوں جب پانی کی مانگ بہت بڑھ جاتی ہے۔

رسمی اور غیر رسمی تعلیم کے ذریعہ آگہی بڑھانا

مساجد کے ساتھ ساتھ رسمی اور غیر رسمی تعلیم کے تمام وسائل آگہی بڑھانے کے لیے ضروری ہیں۔ دوسرے مضامین مثلاً دینیات، عربی، سائنس اور جغرافیہ پڑھانے کے دوران بھی پانی کی قلت اور اس کے تحفظ کے موضوع پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ بد قسمتی سے مشرقی متوسط خطے میں ماحولیات کی تعلیم ہنوز ابتدائی مراحل میں ہے۔ اس لیے مذکورہ مضامین کے نصاب کو وسعت دے کر بالآخر ان میں ماحولیات کی تعلیم کو بھی شامل کرنا ہوگا جس میں تمام ترجیحی مسائل بشمول آبی وسائل، تحفظ اور بچت پر بھی بات کی جائے گی۔ نصاب کی ایسی توسیع میں کچھ وقت لگے گا۔ اس لیے جب کبھی نصابی کتب یا نصاب میں تبدیلیاں کی جارہی ہوں تو اس وقت آبی انتظام کی اتھارٹی کے اہلکاروں کو چاہیے کہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بات کو یقینی بنائیں کہ آبی تحفظ کے تصورات بھی اس میں شامل کر لیے گئے ہیں۔

رسمی ماحولیاتی تعلیم کی حالت زار کے پیش نظر غیر رسمی تعلیم مختصر عرصے میں زیادہ قابل عمل معلوم ہوتی ہے۔ طالب علموں اور دوسرے گروہوں کے لیے سیمینار، ورکشاپ اور لیکچروں کا انتظام کرنا چاہیے۔ ان کارروائیوں میں اسلامی تصورات کو شامل کرنا نہایت اہم ہے۔ عام پبلک کو مخاطب کرنے کے لیے اخبارات، ٹیلی ویژن، پوسٹرز اور دوسرے ابلاغ عامہ کے ذرائع میں مضامین، تصاویر اور ویڈیو کی اشاعت بڑی موثر ثابت ہو سکتی ہے۔ عام طور سے یہ ذمہ داری آبی اتھارٹی کے اہلکاروں کی ہے کہ وہ دوسرے ماحولیاتی تحفظ کے اداروں کے تعاون سے اس کام کو سرانجام دیں۔ بہر حال ان امور میں اسلامی تصورات کو شامل کرنا نہایت اہم ہے۔ لیکن یہ کام وزارت ہائے اوقاف اور اسلامی امور کے قریبی اشتراک سے ہونا چاہیے۔

نتیجہ

۲۰۵۰ء تک مشرقی خطہ متوسط کے تقریباً تمام ممالک پانی کی قلت کا شکار ہو چکے ہوں گے۔ اس خطرناک بحران سے نمٹنے کے لیے مربوط آبی وسائل کا انتظام بہترین قابل عمل راستہ ہے۔ لیکن تحفظ آب کو اس کا ایک لازمی جزو ہونا چاہیے اور عوامی آگہی اور شراکت پر پوری توجہ مرکوز رکھنی چاہیے

کیونکہ اس کے بغیر کامیابی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

مشرقی نطفہ متوسط کے ممالک میں تحفظ آب اور عوامی آگہی کی کارروائیوں کے بارے میں معلومات تک رسائی کا بڑا فقدان ہے۔ اس کی دو وجوہ ہیں ایک تو یہ کہ ایسی کارروائیاں ہوتی ہی بہت کم ہیں اور دوسرے یہ کہ معلومات کے تبادلے اور ترسیل کا انتظام ناقص ہے۔ اس رسائی کو بہتر بنانے کے لیے آبی تحفظ اور عوامی آگہی کے بارے میں مشرقی نطفہ متوسط کے ملکوں کے تجربات کو لٹریچر اور دستاویزی شکل میں اکٹھا کیا جائے اور پھر اس کی ڈیٹا بیس (Database) مرتب کی جائے۔ یہ ڈیٹا بیس آبی ماہرین کو مہیا کی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ کے ذریعے قومی اور علاقائی سطحوں پر عوام کو بھی پہنچائی جائے۔

اسلام اگرچہ تعاون، باکفایت استعمال اور پانی کو آلودگی سے محفوظ رکھنے جیسے مسائل زیر غور لاتا ہے تاہم آبی وسائل کے تحفظ کے بارے میں شرعی اسلامی موقف کو علاقائی دارالافتاویٰ کے ذریعے مشتہر کرنا چاہیے۔ اس کے لیے آبی اداروں اور دارالافتاویٰ کے درمیان قریبی ربط اور تعاون ضروری ہوگا۔

مشرقی نطفہ متوسط میں اسلام کا بڑا اثر ہے اس لیے اسلامی رویے صحت و عافیت کے حصول کے لیے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لیے امام صاحبان کی تقاریر، تعلیم اور ذرائع ابلاغ کی مدد سے آبی تحفظ کے اسلامی تصورات کی اشاعت کے ذریعہ عوامی آگہی کو فروغ دیا جاسکتا ہے تاکہ قلت آب سے نمٹنے کی ضرورت کا احساس ہو سکے۔ یہ کام تمام متعلقہ افراد کے ساتھ قریبی رابطے اور تعاون کے ساتھ کیا جانا چاہیے اور اس کو مجموعی آبی وسائل کے انتظام کے ساتھ مربوط ہونا چاہیے۔

آبی تحفظ کی کارروائیاں رویوں میں تبدیلی چاہتی ہیں۔ ایسی تبدیلیاں بالعموم آہستہ آہستہ عمل میں لائی جاتی ہیں۔ اس لیے طویل المعیاد منصوبہ پر عمل کے لیے طویل المعیاد پروجیکٹس کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ کبھی کبھار کی تنہا کوششیں غیر موثر ہوتی ہیں۔ عوامی آگہی کے رہبر منصوبوں کا آغاز کیا جائے۔ اس میں وقتاً فوقتاً مناسب ترامیم کی جائیں اور پھر بڑے پیمانے پر ان کی نقلیں تیار کر کے عام کی جائیں۔

حواشی

- ۱۔ اردن، افغانستان، ایران، بحرین، پاکستان، تونس، جیبوتی، سعودی عرب، سوڈان، شام، صومالیہ، عراق، عمان، فلسطین، قبرص، قطر، کویت، لبنان، لیبیا، مصر، مراکش، متحدہ عرب امارت، یمن۔

- ۲۔ ۳۰:۲۱۔
 ۳۔ ۶۵:۱۶۔
 ۴۔ مسلم ۶۰:۷۔
 ۵۔ مسلم ۶۱:۰۔
 ۶۔ ابوداؤد ۲۶ (Hadith Encyclopedia)۔
 ۷۔ ۳۱:۷۔
 ۸۔ الاسراء ۷:۲۔
 ۹۔ ترمذی ۷:۳۲۔
 ۱۰۔ ۲:۵۔
 ۱۱۔ ۳۰:۲۔
 ۱۲۔ ۱۵:۷۔
 ۱۳۔ ابن ماجہ (Hadith Encyclopedia)۔
 ۱۴۔ مسلم ۱۳:۰۔

REFERENCES

حوالے

- Abdul Razzak, M. J. and Khan, M. Z. A. (1990), "Domestic Water Conservation Potential in Saudi Arabia," *Journal of Environmental Management* 14 (2), pp. 167-78.
- Afifi, Madiha Moustafa (1996), "Egyptian National Community Water Conservation Programme," in *Environmental Communication Strategy and Planning for NGOs, Ma'ain, Jordan, 27-31 May 1996*, Jordan Environment Society, Amman.
- Akkad, A. A. (1990), "Water Conservation in Arabian Gulf Countries," *Journal of the American Water Works Association* 82 (5), pp. 40-50.
- Al-Sodi, Abdul Mahdi (1993), *Attitudes of Jordanian Citizens towards Environmental Protection in the Sweileh and Naser Mountains Areas* (in Arabic), Environmental Research and Studies, 3, Jordan Environment Society, Amman.
- Al-Tamimi, Izz El Din (1991), *Religion As a Power for Protection of the Environment* (in Arabic), Environmental Research and Studies, 1, Jordan Environmental Society, Amman.
- Ayesh, Mohammed (1996), "Awareness Project in Water," in *Environmental communication Strategy and Planning for NGOs, Ma'ain, Jordan, 27-31 May 1996*, Jordan Environment Society, Amman.
- Khan, M. Z. A. and Abdul Razzak, M. J. (1986), "Domestic Water Conservation Technology in Arid Regions," *Arabian Journal for Science and Engineering*, 2 (4).
- Hamdan, M., Toukan, Ali, Shaniek, M., Abu Zaki, M., Abu Sharar, T., and Saqqar, M. (1997), "Environment and Islamic Education," in *International Conference on Role*

- of Islam in Environmental Conservation and Protection, 22–23 May 1997. Al-Najah University, Nablus. Palestine.
- Madani, Ismail (1989), "Islam and Environment," in *For Environmental Awareness in the Gulf Countries*, Ministry of Information, Manama, Bahrain.
- Salih, Abdin (1998), *Qatar IHP Committee Celebrates World Water Day*. Http://Waterway.org.
- Samarrai, Mawil Izzu Dien (1993), *Sharia'a and Environment*, University of Wales, Lampeter.
- UN (United Nations) (1993a), *Agenda 21, Chapter 18: Protection of the Quality and Supply of Freshwater: Application of Integrated Approaches to the Development, Management and Use of Water Resources*, International Development Research Centre, Ottawa.
- (1993b), *Agenda 21, Chapter 36: Promoting Education, Public Awareness and Training*, International Development Research Centre, Ottawa.
- UNIDO (United Nations Industrial Development Organization) (1997), "The Role of Industry in the Development and Conservation of Water Resources in the Arab Region: Challenges and Prospects," in *Workshop on the Role of Industry in the Development of Rational Use of Water Resources in the Middle East and North Africa*, Amman, Jordan, 13–15 May 1996, UNIDO, Vienna.
- USAID (US Agency for International Development) (1993), *Water Resources Action Plan for the Near East*, USAID, Washington, D.C.
- WHO (World Health Organization) (1992), *Regional Strategy for Health and Environment*, WHO/EMRO/CEHA, Amman.
- WHO (World Health Organization) (1995), *Beirut Declaration on Action for a Healthy Environment*. WHO/EMRO/CEHA, Amman.
- (1996a), *Health Promotion through Islamic Lifestyles: The Amman Declaration*, The Right Path to Health: Health Education through Religion, 5, WHO/EMRO, Alexandria.
- (1996b), *Water and Sanitation in Islam*, The Right Path to Health: Health Education through Religion, 2, WHO/EMRO, Alexandria.
- (1996c), *Environmental Health in the Islamic Perspective* (in Arabic), The Right Path to Health: Health Education through Religion, 7, WHO/EMRO, Alexandria.
- (1997), *Centre for Environmental Health Activities (CEHA) News Letter*, no. 23, WHO/EMRO/CEHA, Amman.
- WMO (World Meteorological Organization) (1992), *The Dublin Statement. International Conference on Water and Environment: Development Issues of the Twenty-First Century*, 26–31 January 1992, WMO, Geneva.
- World Bank (1995), *From Scarcity to Security: Averting a Water Crisis in the Middle East and North Africa*, World Bank, Washington, D.C.

پاکستان میں کمیونٹی اداروں کے ذریعہ تحفظِ آب: مساجد اور دینی مدارس

ایس ایم ایس شاہ، ایم اے بیگ، اے اے خان، اور ایچ ایف گبیریل

نوع انسانی کے لیے پانی اہم ترین وسیلوں میں سے ایک ہے۔ پانی کے بغیر کوئی زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ہم نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا ہے“۔ پانی صرف بنی نوع انسانی کے لیے ہی نہیں بلکہ جانوروں، پودوں اور دوسری ذی حیات چیزوں کے زندہ رہنے کے لیے بھی ضروری ہے۔ کرۂ ارض پر اس کی کل مقدار معین ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ”اور ہم ہی نے آسمان سے ایک اندازے کے مطابق پانی نازل کیا پھر اس کو زمین میں جذب کیا اور ہم ہی اس کو (آسانی) تابوہ کرنے پر قادر ہیں“۔ قرآن سختی کے ساتھ کسی وسیلہ حیات بشمول پانی کو ضائع کرنے سے روکتا ہے۔ ”فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے“۔ پانی کے ضیاع کو خاص طور سے روکا گیا ہے جیسا کہ ذیل کی حدیث سے ظاہر ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ وضو میں بہت کم پانی (دو تہائی لیٹر کے برابر) اور اس سے تھوڑا زیادہ (دو سے ساڑھے تین لیٹر) غسل میں استعمال فرماتے تھے“۔ وضو جسم کے کچھ حصوں کو نماز سے پہلے دھونے کا عمل ہے لیکن اس اہم فریضے کی ادائیگی میں بھی نبی کریم ﷺ نے پانی کی کفایت کی ایک مثال قائم کی ہے۔ اس لیے مسلمان ملکوں میں تحفظِ آب کی منصوبہ بندی اسلام کی روشنی میں کی جاسکتی ہے۔ ایسے منصوبے یقیناً مؤثر ثابت ہوں گے کیونکہ قلتِ آب کے مسئلے سے نمٹنے کے لیے یہ منصوبے ایک قدرتی طریقہ کار پر انحصار کرتے ہیں۔ ان کے نتائج بھی کہیں بہتر برآمد ہوں گے بمقابلہ ایسے منصوبوں کے جو محض سرکاری قواعد و ضوابط کے مطابق بنائے جائیں۔

اس باب میں تحفظِ آب کے فروغ کے لیے مساجد اور دینی مدارس کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کے استعمال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چونکہ پانی کا استعمال مختلف زمانوں اور مقامات میں مختلف طریقوں سے ہوتا ہے اس لیے یہ تو ممکن نہ ہوگا کہ ذیل میں دیا گیا طریقہ ہر جگہ قابل عمل ہوتا ہم یہ اکثر اوقات کار گر ثابت ہوگا جیسا کہ پاکستان کے ایک قصبہ اور ایک گاؤں کی صورت حال کے مطالعے سے حاصل شدہ مواد سے ظاہر ہوتا ہے۔ پانی کی فراہمی کے تین خاص طریقوں یعنی بلدیاتی فراہمی، آب پاشی اور صنعتی فراہمی میں سے پہلے دو کسی بھی ملک کے لیے انتہائی ضروری ہوتے ہیں کیونکہ اس سے انسانوں کی پانی کی طلب پوری ہوتی ہے یا کاشت کاری ہوتی ہے۔ پانی کے استعمال کے ان دو شعبوں میں مساجد اور دینی مدارس، دستیابِ آبی وسائل کے تحفظ اور انتظام میں مروجہ طریقہ کار اور اسلامی تعلیمات پر مبنی ایک تفصیلی لائحہ عمل کے ذریعہ اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے روایتی مقررہ طریقوں اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک تفصیلی منصوبہ بنایا جاسکتا ہے۔

بلدیاتی فراہمی آب

۱۹۹۱ء کے وسط میں چند تعلیم یافتہ افراد نے ضلع فیصل آباد کے قصبہ دتکلوٹ کے ایک گاؤں میں ایک گروپ تشکیل دیا تاکہ وہاں پانی کی قلت پر اس کے ضیاع کو کم کر کے اور باکفایت طریقوں پر عمل کر کے قابو پایا جاسکے۔ یہ گروپ کوئی باقاعدہ غیر سرکاری تنظیم نہیں تھا بلکہ اس میں کچھ ایسے افراد تھے جو باقاعدگی سے مسجد میں ملا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ بلدیاتی اور آب پاشی کے پانی کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے مسجدوں اور مدرسوں کو استعمال کر کے عوام کی سوچ اور رویے پر اثر انداز ہوا جائے۔ پروگرام یہ تھا کہ پہلے دتکلوٹ کے قصبہ کے باشندوں کو ترغیب دی جائے کہ باکفایت انداز سے پانی خرچ کریں اور اسے ضائع ہونے سے بچائیں۔ بعد میں اس تجربے کو قریبی گاؤں میں استعمال کیا جائے تاکہ وہاں فضلوں کی آب پاشی کے لیے پانی کی قلت کا مسئلہ حل ہو سکے۔ چنانچہ اس گروپ نے زیر نظر باب کے مصنفِ اڈل ایس ایم شاہ سے استدعا کی کہ وہ گروپ کی رہنمائی کریں اور ہر اختتامِ ہفتہ اس مقصد کے لیے کام کریں۔ چونکہ دتکلوٹ خود ان کا اپنا آبائی قصبہ تھا اس لیے وہ بخوشی راضی ہو گئے۔

یہ طے کیا گیا کہ مسئلے کو حل کرنے کے لیے بہت ہی سادہ لیکن منظم طریقہ کار اپنایا جائے۔ اس سلسلے میں پہلا مرحلہ یہ تھا کہ گھر گھر جا کر پانی کی کمی کا جائزہ لیا جائے تاکہ مسئلے کی سنگینی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ یہ جائزہ شام کے اوقات میں لیا گیا کیونکہ جو لوگ اس کام پر مامور کئے گئے وہ ایسے

رضاکار تھے جو دن میں کہیں اور کام کرتے تھے۔ اس جائزے میں مندرجہ ذیل آسان سوالات دریافت کئے گئے:

- کیا آپ پانی کی فراہمی سے مطمئن ہیں؟
 - اگر نہیں تو اس کی وجہ آپ کے خیال میں کیا ہو سکتی ہے اور وہ کیونکر دور ہو سکتی ہے؟
 - آپ مقامی حکومت کے افسران سے جو پانی کی فراہمی کے ذمہ دار ہیں کیا توقعات رکھتے ہیں؟
- اس جائزے کے لیے کل ۳,۱۱۳ گھروں کو چار گروپوں میں تقسیم کر کے ان کے مکینوں سے سوالات کیے گئے (جدول نمبر ۱)۔

جدول نمبر ۱۔ گھروں کی تعداد جنہیں پانی کی فراہمی کے بڑے ذخیرے سے فاصلے کی بنیاد پر گروپ میں ڈالا گیا اور ہر گروپ میں گھروں کی تعداد جو منصوبے پر عملدرآمد سے پہلے اور بعد میں پانی کی قلت کا شکار تھے۔

پانی کی قلت والے

پہلے (فی صد)	بعد (فی صد)	کل	
۰	۱۶۴ (۲۰%)	۱,۲۳۴	پہلا گروپ
☆ ۰	۴۳۳ (۳۲%)	۱,۰۲۸	دوسرا گروپ
۴۱۲ (۵۰%)	۴۳۳ (۳۲%)	۸۲۳	تیسرا گروپ
۷۷۱ (۷۵%)	۵۹۷ (۳۲%)	۱,۰۲۸	چوتھا گروپ
۱,۱۸۳ (۶۳%)	۵۹۷ (۳۲%)	۱,۸۵۱	کل (تیسرے اور چوتھے گروپ کا)
		۳,۱۱۳	کل میزان

☆ مفروضہ

- پہلا گروپ جو آبادی کا تقریباً ۳۰ فی صد تھا، قصبے میں پانی کے بڑے ذخیرے کے نزدیک رہتا تھا۔ انہیں کوئی شکایت نہیں تھی کیونکہ انہیں اپنی ضرورت کا پورا پانی مل رہا تھا۔
- دوسرا گروپ جو کل آبادی کا تقریباً ۲۵ فی صد تھا۔ وہ بڑے ذخیرے سے کچھ فاصلے پر رہتا تھا۔ انہوں نے پانی کی کمی کے کئی چھوٹے موٹے مسائل کا ذکر کیا لیکن وہ یہ بتانے سے گریزاں تھے کہ انہوں نے ان مسائل پر قابو کیسے پایا۔

- تیسرا گروپ جو کل آبادی کا ۲۰ فی صد تھا، وہ پانی کے بڑے ذخیرے سے اور بھی فاصلے پر رہتا تھا۔ اس گروپ کے لوگوں نے شکایت کی کہ تقریباً ۵۰ فی صد گھروں کو قلت آب کا سامنا ہے۔ انہوں نے اس کی تمام ذمہ داری سرکاری عہدیداروں پر ڈالی۔
- آخری گروپ جو آبادی کا ۲۵ فی صد تھا پانی کی تقسیم کے نظام کے آخری سرے پر رہتا تھا۔ یہ لوگ بالکل آخر کے استعمال کنندگان تھے۔ وہ پانی کی شدید کمی کا سامنا کر رہے تھے۔ اس کی تفصیل یہ تھی کہ ۲۰۲۵ فی صد گھروں کو شاید ہی بلدیہ کا پانی مل رہا تھا۔ صارفین وقتاً فوقتاً مقامی حکومت کے افسروں کے خلاف شکایت بھی کیا کرتے تھے اور احتجاج بھی کرتے رہتے تھے۔
- اس جائزے سے حاصل شدہ معلومات پر تفصیلی اور باہمی تبادلہ خیال کے بعد مندرجہ ذیل حقائق سامنے آئے۔
- صارفین کے پہلے گروپ کو کوئی مسئلہ نہیں تھا کیونکہ وہ پانی کے منبع کے قریب ہی رہتے تھے۔ یہ لوگ اکثر پانی کے نلکے کھلے چھوڑ دیتے تھے جس سے پانی ضائع ہوتا رہتا تھا۔
- دوسرے گروپ کو بھی کوئی سنگین مسئلہ درپیش نہیں تھا کیونکہ انہوں نے پانی کو کھینچنے والے پمپ لگا رکھے تھے۔ اس طرح وہ پانی کی کمی پر قابو پانے کے ناجائز طریقے استعمال کر رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بات کرنے سے کترارہے تھے کیونکہ وہ یہ بتانا نہیں چاہتے تھے کہ وہ کس طرح پانی کی قلت پر قابو پارہے ہیں۔
- تیسرے گروپ کے صارفین بھی غیر قانونی پمپ کے ذریعہ پانی کھینچ رہے تھے اس طرح صرف پچاس فی صد گھروں کو ضرورت بھر پانی ملتا تھا۔
- چوتھے گروپ نے بھی غیر قانونی پمپ لگا رکھے تھے لیکن اس کے باوجود ان میں سے صرف ۲۰۲۵ فی صد کامیاب ہو رہے تھے۔ تقریباً ۷۵ فی صد گھروں کو پانی کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔
- تحقیقی گروپ نے تفصیلی صلاح مشورے کے بعد فیصلہ کیا کہ معلوماتی اور آگہی کی مہم کے لیے پہلے دو گروپوں اور تیسرے گروپ کے ایک حصے کو ہدف بنایا جائے۔ چونکہ ہر گروپ کے مسائل جدا تھے اس لیے ہر گروپ کے لیے وہ موضوع بھی مختلف تھا جس پر زور دیا جائے گا۔
- پہلے گروپ کے لیے پانی کے ضیاع پر توجہ مرکوز کی جائے گی۔
- دوسرے گروپ کے لیے زیادہ زور ناجائز کنکشن اور پمپ کے خلاف ہوگا۔ مگر جزوی طور پر پانی کے ضیاع پر بھی توجہ دی جائے گی۔

• تیسرا گروپ جو کل آبادی کا ۲۰ فی صد تھا، وہ پانی کے بڑے ذخیرے سے اور بھی فاصلے پر رہتا تھا۔ اس گروپ کے لوگوں نے شکایت کی کہ تقریباً ۵۰ فی صد گھروں کو قلت آب کا سامنا ہے۔ انہوں نے اس کی تمام ذمہ داری سرکاری عہدیداروں پر ڈالی۔

• آخری گروپ جو آبادی کا ۲۵ فی صد تھا پانی کی تقسیم کے نظام کے آخری سرے پر رہتا تھا۔ یہ لوگ بالکل آخر کے استعمال کنندگان تھے۔ وہ پانی کی شدید کمی کا سامنا کر رہے تھے۔ اس کی تفصیل یہ تھی کہ ۲۵۵۲۰ فی صد گھروں کو شاید ہی بلدیہ کا پانی مل رہا تھا۔ صارفین وقتاً فوقتاً مقامی حکومت کے افسروں کے خلاف شکایت بھی کیا کرتے تھے اور احتجاج بھی کرتے رہتے تھے۔

اس جائزے سے حاصل شدہ معلومات پر تفصیلی اور باہمی تبادلہ خیال کے بعد مندرجہ ذیل حقائق سامنے آئے۔

• صارفین کے پہلے گروپ کو کوئی مسئلہ نہیں تھا کیونکہ وہ پانی کے منبع کے قریب ہی رہتے تھے۔ یہ لوگ اکثر پانی کے نلکے کھلے چھوڑ دیتے تھے جس سے پانی ضائع ہوتا رہتا تھا۔

• دوسرے گروپ کو بھی کوئی سنگین مسئلہ درپیش نہیں تھا کیونکہ انہوں نے پانی کو کھینچنے والے پمپ لگا رکھے تھے۔ اس طرح وہ پانی کی کمی پر قابو پانے کا جائز طریقہ استعمال کر رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بات کرنے سے کترا رہے تھے کیونکہ وہ یہ بتانا نہیں چاہتے تھے کہ وہ کس طرح پانی کی قلت پر قابو پارہے ہیں۔

• تیسرے گروپ کے صارفین بھی غیر قانونی پمپ کے ذریعہ پانی کھینچ رہے تھے اس طرح صرف پچاس فی صد گھروں کو ضرورت بھر پانی ملتا تھا۔

• چوتھے گروپ نے بھی غیر قانونی پمپ لگا رکھے تھے لیکن اس کے باوجود ان میں سے صرف ۲۵۵۲۰ فی صد کامیاب ہو رہے تھے۔ تقریباً ۷۵ فی صد گھروں کو پانی کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

تحقیقی گروپ نے تفصیلی صلاح مشورے کے بعد فیصلہ کیا کہ معلوماتی اور آگہی کی مہم کے لیے پہلے دو گروپوں اور تیسرے گروپ کے ایک حصے کو ہدف بنایا جائے۔ چونکہ ہر گروپ کے مسائل جدا تھے اس لیے ہر گروپ کے لیے وہ موضوع بھی مختلف تھا جس پر زور دیا جائے گا۔ پہلے گروپ کے لیے پانی کے ضیاع پر توجہ مرکوز کی جائے گی۔

• دوسرے گروپ کے لیے زیادہ زور ناجائز کنکشن اور پمپ کے خلاف ہوگا۔ مگر جزوی طور پر پانی کے ضیاع پر بھی توجہ دی جائے گی۔

• تیسرے گروپ کے اس حصے کو ہدف بنایا جائے گا جو غیر قانونی پمپوں کے ذریعہ پانی کھینچ رہا ہے۔

متعلقہ بستیوں کی منتخب مساجد کے بااثر اماموں سے کہا گیا کہ وہ ان مسائل کو اپنی جمعہ کی تقاریر میں اٹھائیں۔ ان میں سے چند اماموں نے تو انکار کر دیا لیکن زیادہ تر راضی ہو گئے۔ اخلاقی اقدار اور دینی نقطہ نگاہ پر مبنی مناسب لٹریچر بھی ان اماموں کے درمیان تقسیم کیا گیا تاکہ اس حوالے سے ان کی معلومات میں اضافہ ہو اور جمعہ کا وعظ مزید موثر ہو سکے۔ دینی مدارس سے رضا کار بھی حاصل کئے گئے اور ان سے کہا گیا کہ ہاتھ سے لکھے ہوئے ایسے پوسٹر تیار کریں جن میں پانی ضائع کرنے اور غیر قانونی پمپ نصب کرنے کے خلاف مذہبی اور اخلاقی نقطہ نظر سے تنقید کی گئی ہو۔ مقصد یہ تھا کہ خطا کاروں کو بتایا جائے کہ دوسرے کے حصے کا پانی چرا لینا گناہ کا کام ہے۔

لٹریچر کو جمع کرنے اور دیگر مواد کی تیاری میں تقریباً تین ماہ لگ گئے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ یا تو ایسا لٹریچر سرے سے دستیاب ہی نہیں تھا یا اس تک رسائی نہیں تھی۔ درحقیقت اس عملی منصوبے کو نافذ کرنا انتہائی مشکل کام تھا۔ اس میں تقریباً چھ مہینے لگ گئے کیونکہ دینی مدارس کے طلباء صرف ہفتہ میں ایک بار بطور معاون کام کرتے تھے اور وہ بھی آدھے دن کے لیے۔ امام صاحبان نے یہ مشورہ دیا کہ اگر ہر جمعے کے خطبے میں اسی موضوع پر بات کی گئی تو اس کا اثر ختم ہو جائے گا۔ اس لیے مہینے میں دو تقریریں ۳۰ سے ۴۰ منٹ کے دورانیے کی تیاری کی گئیں۔ یہ حساب تو نہیں لگایا گیا کہ مساجد کے ائمہ اور دینی مدارس کے طلباء نے اس کام کے لیے کتنے گھنٹے دیئے البتہ ان کا تعاون ۹ سے ۱۰ مہینے تک جاری رہا۔

ان خطبوں کے مسودے کا ریکارڈ بھی دستیاب نہیں ہے کیونکہ یہ تحریری شکل میں نہیں تھے اور بد قسمتی سے ان کو ٹیپ ریکارڈ بھی نہیں کیا گیا۔ اماموں کو خطبوں کے اہم نکات دے دیئے گئے تھے باقی پیشکش کی مکمل تفصیل خود انہی کو تیار کرنی تھی۔ اس طرح وہ مفید مواد جو مستقبل کے منصوبوں کے مطالعوں میں کام آتا، محفوظ نہیں کیا جاسکا۔

منصوبوں پر عملدرآمد کے دو ماہ بعد ایک سیدھا سادا سا سروے کیا گیا تاکہ اس کے موثر ہونے کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اس مرتبہ صرف تیسرے اور چوتھے گروپوں کا سروے کیا گیا کیونکہ یہی لوگ پانی کی شدید تکلیف اٹھا رہے تھے۔ شکایتوں کی تعداد کے اعتبار سے معلوم ہوا کہ تیسرے گروپ کی شکایات ۵۰ فی صد سے کم ہو کر ۲۰ فی صد رہ گئیں اور چوتھے گروپ میں ۷۵ فی صد سے کم ہو کر ۴۲ فی صد رہ گئیں۔ انہی دونوں گروپوں کے گھروں کی شکایتوں کی مجموعی شرح ۶۳ فی صد

سے کم ہو کر تقریباً ۳۲ فی صد رہ گئی۔ یعنی تقریباً آدھے گھر جو پہلے پانی کی کمی کا سامنا کر رہے تھے اب اس مسئلے سے آزاد ہو چکے تھے۔ (جدول نمبر ۱)۔

اس مہم سے پانی کی کمی کے مسئلہ پر سرکاری کارروائیوں کا غیر موثر ہونا کھل کر سامنے آ گیا۔ سرکاری افسران پانی کے ضیاع کے بارے میں اصل خطا کاروں کے بجائے ایک عمومی انتباہ آبادی کے تمام طبقوں کو بھیج دیا کرتے تھے۔ اس قسم کا انتباہ دینا بہت سنگین غلطی تھی کیونکہ خطا کاروں کو اپنے جرم کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا وہ اُسے اپنے بارے میں سمجھتے ہی نہیں تھے۔ ایک عام وارننگ سمجھتے تھے جو سب کے لیے تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ عام وارننگ پریشان حال لوگوں میں جھنجھلاہٹ پیدا کرتی تھی۔ وہ یہی کہتے تھے کہ ہم نے تو کوئی غلطی نہیں کی پھر بھی ہمیں تنبیہ دی جا رہی ہے۔ مزید یہ کہ حکومت تمام باشندوں سے یکساں قیمت وصول کرتی تھی، اس سے قطع نظر کہ کون کتنا پانی استعمال کر رہا ہے۔ جو لوگ غیر قانونی پمپ لگائے ہوتے یا ناجائز کنکشن لیے ہوتے اُن پر حکومت جو جرمانہ کرتی وہ اتنا کم ہوتا کہ جرم کو روکنے میں مددگار ثابت نہ ہوتا۔ سب سے زیادہ مصیبت میں تو آخر کے استعمال کنندگان تھے۔ مگر سرکاری اہلکار ان کی شکایات یا احتجاج کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے کیونکہ انہیں چھوٹے سے جرمانے کے لیے بھی طویل اور پیچیدہ کارروائی کرنا پڑتی تھی اور بعض اوقات سزا سے بچنے کے لیے خطا کار سیاسی دباؤ کا بھی استعمال کرتے تھے۔

اس کامیاب مہم سے کچھ ایسے مسائل بھی سامنے آئے جو پانی کی قلت پر قابو پانے کے اقدامات کے نفاذ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ ذیل میں ان کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔

- سرکاری قاعدے قانون، زمینی حقائق پر مبنی نہیں ہیں۔
- آبادی کا ناخواندہ ہونا۔
- مسئلے سے آگہی کا فقدان۔
- تحفظ آب کے مسئلے کے بارے میں مذہبی رہنماؤں میں تفہیم کی کمی حالانکہ وہ صورت حال کو بہتر بنانے میں فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے ہیں۔
- مسئلہ کی گہرائی تک پہنچنے میں سرکاری افسران کی عدم دلچسپی۔
- آگہی اور شعور بیدار کرنے کی مہم کے لیے کام کی لگن رکھنے والے کل وقتی رضا کاروں کی عدم دستیابی۔
- دستیاب رضا کاروں میں پیشہ ورانہ مہارت کی کمی۔

آب پاشی کا پانی

مذکورہ بالا خطوط پر ایک قریبی گاؤں کے آبی مسائل کا بھی مطالعہ کیا گیا۔ یہاں جو مسئلہ درپیش تھا وہ اس چھوٹی نہر سے وابستہ تھا جو بڑی نہر سے زمین کی کشش کی وجہ سے گاؤں کے کاشتکاروں تک پانی پہنچاتی تھی۔ کسانوں کو پانی ان کی اراضی کے رقبے کی بنیاد پر ایک نظام الاوقات کے تحت دیا جاتا تھا۔ جس طرح ڈبجکٹ کے قصبے میں سروے کیا گیا تھا اسی طرح اس گاؤں میں بھی کیا گیا جس سے پتہ چلا کہ یہاں بھی کم و بیش ڈبجکٹ جیسے مسائل درپیش تھے۔ لہذا سب سے آخر کے استعمال کنندگان شدید بے چارگی کے عالم میں تھے جبکہ شروع اور بیچ کے مالکان اراضی کو پانی افراط سے مل رہا تھا اور اگر وہ کبھی کمی محسوس بھی کرتے تو پانی چوری کرنے سے بھی باز نہیں آتے تھے۔ حکومت کے قاعدے قانون کی کمزوریاں بھی اسی طرح کی تھیں۔ مثال کے طور پر پانی کے واجبات اراضی کے رقبے کے حساب سے مقرر کردہ پانی ملنے کے دورانیے کی بنیاد پر یکساں شرح سے وصول کئے جاتے تھے، خواہ مالک اراضی کو اپنے حصے کا پورا پانی ملے یا نہ ملے۔ اس کے علاوہ کسان کو خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو، اپنے حصے کا پانی لینا لازمی تھا۔ اب اگر کسان اسے استعمال نہ کر سکتا تو وہ پانی ضائع ہو جاتا۔ اسی طرح نہر سے پانی چرانے یا غیر قانونی طور پر اس کا راستہ تبدیل کرنے کے جرمانے بھی بہت معمولی تھے۔

چنانچہ یہاں بھی پہلے جیسا عملی منصوبہ تیار کیا گیا، فرق بس یہ تھا کہ یہاں مساجد کے اماموں کے بجائے گاؤں کے نمبردار اور بااثر خاندانوں کے سربراہوں کو شریک کیا گیا۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں کم و بیش انہی مشکلات اور تحدیدات کا سامنا کرنا پڑا جو قصبے میں پیش آئی تھیں۔ کامیابی کا اندازہ کرنے کے لیے بھی وہی طریقہ کار اپنایا گیا جس سے معلوم ہوا کہ یہاں قصبے کے مقابلے میں کامیابی کم ہوئی۔ تاہم اس منصوبے کے نفاذ کے بعد پہلے کے مقابلے میں ناکافی پانی کی شکایات تقریباً ۲۶ فی صد کم ملیں۔

نتائج

یہ مطالعہ وقت اور وسائل کے اعتبار سے محدود پیمانے پر اختیار کئے گئے تھے اس لیے ضروری ہے کہ بہتر اور سائنٹفک طریقہ کار کے ساتھ مزید مطالعے کئے جائیں تاکہ پانی کے استعمال میں کمی اور جزوی طور پر مذہبی اقدار پر مبنی عوامی آگہی کے پروگراموں کے درمیان واضح طور پر ایک ربط قائم ہو سکے۔ تحدیدات کے باوجود ان مطالعوں کے ذریعہ مندرجہ ذیل نتائج حاصل کیے گئے:

- مساجد اور دینی مدارس پانی کے ضیاع کا مذہبی نقطہ نظر استعمال کر کے پانی کے ضیاع پر قابو پانے میں مفید کردار ادا کر سکتے ہیں۔ پانی کی قلت کی شکایتوں میں کمی جو ان مطالعوں سے سامنے آئی ہے وہ بتاتی ہے کہ اس طرح پانی کی خاصی بچت ممکن ہے۔
- محض سرکاری قواعد و ضوابط عوام کے آبی انتظام کے رویوں کو تبدیل کرنے میں اکثر غیر موثر ثابت ہوتے ہیں۔

- پائیدار انتظام کے لیے طویل المیعاد پالیسیاں درکار ہیں۔
- نتائج کے حصول کے لیے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کو باہم اشتراک سے کام کرنا چاہیے۔
- غیر سرکاری تنظیموں کے اراکین کو تحفظ آب کے سلسلے میں عوامی آگہی کے پروگراموں میں ائمہ مساجد اور دینی مدرسوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے پیشہ ورانہ مہارت بھی حاصل کرنی چاہیے۔

حالانکہ یہ مطالعے باقاعدہ یا کسی نہیں تھے اور وقت بھی محدود تھا تاہم ان سے بڑا مفید تجربہ حاصل ہوا جو مستقبل میں ان دوسرے علاقوں میں جہاں پانی کی قلت ہوگی، دینی نقطہ نظر استعمال کرتے ہوئے مناسب منصوبہ بندی میں مددگار ثابت ہوگا۔

کسی بھی مسلم ملک میں تحفظ آب کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عوامی آگہی کے پروگراموں میں مندرجہ ذیل اجزاء شامل ہونا چاہئیں تاکہ طویل المیعاد پائیدار فائدے حاصل ہو سکیں:

- دینی مدرسوں میں پانی کے تحفظ اور انتظام کے بارے میں اسلامی نقطہ نگاہ سے نصابوں کا آغاز کیا جائے اور اس میں بالخصوص قرآن اور حدیث کو بھی شامل کیا جائے۔

- جامعات کے شعبہ ہائے معارف اسلامیہ اور دینی مدارس کے لیے مالی وسائل مختص کیے جائیں تاکہ پانی کے تحفظ اور انتظام کے بارے میں اسلامی نقطہ نگاہ سے پوسٹ گریجویٹ سطح پر تحقیق ہو سکے۔

- تحفظ آب کے سلسلے میں سرکاری افسران کے لیے اسلامی نقطہ نگاہ سے مختصر کورسز اور ورکشاپس منعقد کی جائیں جہاں جامعات کے شعبہ ہائے معارف اسلامیہ اور دینی مدارس میں کیے گئے تحقیقی کام کو استعمال کیا جائے۔

- پانی کے ضیاع اور تحفظ کے مسائل پر عوامی سوچ اور رویوں پر اثر انداز ہونے کے لیے دینی مدارس کے طلباء کو ایسی تربیت دی جائے کہ وہ اس موضوع پر ٹھوس دینی دلائل دے سکیں۔
- ایسی غیر سرکاری تنظیمیں بنائی جائیں جو مقامی دینی رہنماؤں اور طالب علموں کو ساتھ لے کر

چلیں۔ انہیں اپنے کام کو مستقل بنیادوں پر چلانے اور تسلسل کو یقینی بنانے کے لیے سرکاری فنڈ مہیا کیے جائیں۔

- سرکاری قواعد و ضوابط کو زمینی حقائق اور اُن غیر سرکاری تنظیموں کے مشوروں کے مطابق تکمیل دیا جائے جو مقامی آبادیوں میں کام کر رہی ہوں۔ پانی کے تحفظ کے شعور کو بلند کرنے کی مہم کو غیر سرکاری تنظیمیں جو مقامی آبادی میں پہلے سے کام کر رہی ہوں، شروع کریں۔
- ماڈل مطالعے بہت سے مختلف شہروں اور اگر ممکن ہو تو مختلف مسلم ممالک میں شروع کیے جائیں۔ اس طرح مختلف مطالعوں سے حاصل شدہ تجربات منصوبوں کو بہتر بنانے میں استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ یہ طریقہ کار ترجیحاً ان مسلم ممالک میں شروع کیا جائے جہاں خواندگی کی شرح زیادہ ہو۔

حواشی

- ۱۔ ۳۰:۲۱۔
- ۲۔ ۱۸:۲۳۔
- ۳۔ ۱۴:۶۔
- ۴۔ البخاری ۱۶۲۰۰۔ ۲۰۱۔

سعودی عرب میں طلب آب کا انتظام

ولید اے عبدالرحمن

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے ”میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ تم میں سے ہر فرد نگران ہے اور اپنے زیرِ ولایت افراد اور زیرِ حفاظت اشیاء کے لیے جوابدہ ہے۔ امام یعنی حکمران اپنی رعایا کا نگران ہے اور ان کے لیے ذمے دار بھی۔ مرد اپنے خاندان کا سربراہ اور ذمہ دار ہوتا ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران اور اس کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ملازم اپنے مالک کی تمام چیزوں کا نگران ہوتا ہے اور وہ ان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ’ایک آدمی اپنے باپ کی جائیداد کا بھی نگران ہوتا ہے اور اس کا ذمہ دار بھی۔ تم میں سے سب اپنے اپنے زیرِ تحویل افراد اور اشیاء کے نگران اور ذمہ دار ہیں۔‘ یہ حدیث شریف واضح الفاظ میں حکومتوں پر ذمہ داری ڈالتی ہے کہ وہ لوگوں کی بنیادی ضروریات مثلاً پانی کو پورا کریں۔

اپنے فرائض کو سمجھتے ہوئے حکومت سعودی عرب نے جو زندگی کے ہر شعبے میں شریعت اسلامی کے اصولوں پر کاربند ہے، دوسری جنگ عظیم کے بعد کی دہائیوں میں خصوصی آبی اداروں کی بنیاد رکھی تاکہ مملکت میں پانی کی پیداوار، تقسیم اور صفائی کا کام ہو سکے۔ ۱۹۵۳ء میں وزارت زراعت و آب قائم کی گئی جس کو پانی کی پیداوار (حصول) کی ذمہ داری سونپی گئی تاکہ طلب آب کی ضرورتوں کو بااعتبار مقدار و معیار پورا کیا جاسکے۔ ۱۹۶۵ء میں اس وزارت کے ایک ذیلی ادارے کی حیثیت سے کھارے پانی کی صفائی کی کارپوریشن قائم کی گئی۔ بعدہ ۱۹۷۴ء میں اس کو وزارت زراعت و آب کے تحت ایک خود مختار کارپوریشن کی حیثیت دے دی گئی جس کا کام یہ تھا کہ کھارے پانی کو صاف

کرنے کے پلانٹ کی تنصیب، اُس کو چلانے اور دیکھ بھال کا کام کر سکے تاکہ پینے کا پانی حاصل کیا جاسکے۔ وزارت برائے بلدیاتی و دیہی امور کے تحت ایک خود مختار ادارہ ”اتھارٹی برائے پانی و ضائع شدہ پانی“ کے نام سے قائم ہے جو پینے کا پانی نہ صرف تقسیم کرتا ہے بلکہ مملکت کے تمام شہروں و قصبوں سے ضائع شدہ پانی کو اکٹھا کر کے اسے صاف کرنے کا کام کرتا ہے۔

ابھی حال ہی میں حکومت نے ماضی کے طریقہ کار میں کچھ تبدیلیاں کر دی ہیں جس کے مطابق پانی کی بڑھتی ہوئی مانگ کے ساتھ فراہمی بھی بڑھا دی جاتی تھی۔ کمیونٹی کے مفادات کی حفاظت کے لیے حکومت نے روایتی اسلامی قوانین کے مطابق متعدد اقدامات کیے ہیں تاکہ چٹان کے نیچے زیر زمین آبی ذخائر کا نظام اور زیر زمین پانی کے وسائل کو قائم رکھا جاسکے۔ شریعت اسلامی کے مطابق قوانین، ضابطے اور فتاویٰ مرتب کیے گئے ہیں تاکہ انتظام آب کے مسائل حل ہو سکیں۔ ان میں وہ اقدامات شامل ہیں جن سے قومی طلب آب کم کی جاسکتی ہے اور موجودہ آبی وسائل میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔

اسلامی شریعت اور رواج کے مطابق پانی کے استعمال کی پہلی ترجیح گھریلو مقاصد ہیں، اس کے بعد جانوروں کے لیے اور سب سے آخر میں زراعت کے لیے استعمال ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جن کی طرف نہ دیکھے گا اور نہ بات کرے گا:۔۔۔ ان میں وہ شخص بھی ہوگا جو ضرورت سے زائد پانی ذخیرہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی سے کہے گا ’آج کے دن میں اپنی رحمت و مغفرت تم سے اسی طرح دور رکھوں گا جس طرح تم نے ان فاضل چیزوں کو جنہیں تم نے تخلیق بھی نہیں کیا تھا‘ اوروں سے دور رکھا تھا“^۱ جانوروں کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں ”اگر کوئی شخص کسی صحرائی چراگاہ میں کنواں کھودتا ہے اور وہاں کوئی دوسرا پانی کا منبع نہ ہو تو اس کنویں سے جانوروں کو پیاس بجھانے سے کوئی نہیں روک سکتا“^۲ اور ”کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے فاضل پانی سے دوسرے جانوروں کو پانی پینے سے روکے اور یوں اس کی فاضل گھاس سے بھی انہیں دور رکھا جائے“^۳ سعودی عرب میں صنعتی اور تفریحی مقاصد کے لیے پانی کے استعمال کی ترجیح، بالترتیب چوتھی اور پانچویں ہے۔ ان مؤخر الذکر دو مقاصد کی ترجیح ملک میں رائج اسلامی رسم و رواج اور توجیہ کی بنیاد پر رکھی گئی ہے نہ کہ کسی سخت دینی اصول پر۔ اس باب میں سعودی عرب میں موجود آبی وسائل کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی شریعت کے مطابق مختلف مقاصد کے لیے طلب آب کا انتظام کیوں کر کیا جاتا ہے؟

دستیاب آبی وسائل

مملکت سعودی عرب کا کل رقبہ ۲،۲۵ ملین مربع کلومیٹر ہے جو بیشتر بخر خطوں پر مشتمل ہے۔ زیر زمین اور برسر زمین پانی کے وسائل محدود ہیں۔ پانی کا عمل تبخیر تو بہت زیادہ ہے لیکن بادلوں میں تبدیل ہونے کی شرح کم ہے۔ ملک کے زیادہ تر حصوں میں اوسطاً سالانہ بارش ۱۵۰ ملی میٹر سے بھی کم ہے۔ گذشتہ دو دہائیوں کے دوران مملکت کے ہر شعبے میں بڑے پیمانے پر ترقیاتی کام ہوا ہے۔ ساتھ میں آبادی میں بھی اضافہ ہوا ہے اور معیار زندگی بھی بلند ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں قومی سطح پر پانی کی مانگ جو ۱۹۸۰ء میں ۲،۳۵۲ ملین مکعب میٹر سالانہ تھی، وہ بڑھتے بڑھتے ۱۹۹۰ء میں تقریباً ۲۷،۲۳۹ ملین مکعب میٹر اور ۱۹۹۲ء میں ۳۰،۰۰۰ ملین مکعب میٹر ہو گئی۔ (جدول نمبر ۱)۔

جدول نمبر ۱

سعودی عرب میں پانی کے استعمال میں اضافہ ۲۰۱۰ء-۱۹۸۰ء
(ملین مکعب میٹر)

کل میزان	زراعتی استعمال (فی صد)	گھریلو اور صنعتی استعمال (فی صد)	۱۹۸۰	۱۹۹۰	۱۹۹۲	۱۹۹۷	۲۰۰۰	۲۰۱۰
۲،۳۵۲	۷۸ء۷	۱،۸۵۰	۲۱ء۳	۵۰۲	۱۹۸۰	۲۱،۶۳	۲،۹۰۰	۲۰،۰۰۰
۲۷،۲۳۹	۹۳ء۹۳	۲۵،۵۸۹	۶ء۰۶	۱،۶۵۰	۱۹۹۰	۲۱،۶۳	۲،۹۰۰	۲۰،۰۰۰
۳۱،۶۹۶	۹۳ء۱	۲۹،۸۲۶	۵ء۹	۱،۸۷۰	۱۹۹۲	۲۱،۶۳	۲،۹۰۰	۲۰،۰۰۰
۱۸،۳۶۹	۸۸ء۸۳	۱۶،۴۰۶	۱۱ء۱۷	۲،۰۶۳	۱۹۹۷	۲۱،۶۳	۲،۹۰۰	۲۰،۰۰۰
۱۳،۱۰۰	۷۹ء۴۳	۱۱،۲۰۰	۲۰ء۵۷	۲،۹۰۰	۲۰۰۰	۲۱،۶۳	۲،۹۰۰	۲۰،۰۰۰
۱۸،۳۰۰	۸۰ء۳۳	۱۴،۷۰۰	۱۹ء۶۷	۳،۶۰۰	۲۰۱۰	۲۱،۶۳	۲،۹۰۰	۲۰،۰۰۰

ذرائع: وزارت منصوبہ بندی ۱۹۹۰ء؛ دباغ اور عبدالرحمن ۱۹۹۷ء (زرعی اور کل استعمال ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۲ء)

روایتی وسائل

مملکت سعودی عرب میں پانی کا سالانہ خرچ ۲،۲۳۰ ملین مکعب میٹر ہے۔ ۱۸۵ ڈیم ہیں جن کی ذخیرہ کرنے کی کل گنجائش ۷۷۵ ملین مکعب میٹر ہے جس سے زمینی پانی کی ترسیل ہو سکتی ہے اور سیلاب سے بچاؤ بھی ممکن ہے۔

زمینی پانی کو اولیٰ اور ثانوی زیر زمین آبی ذخائر (aquifers) یعنی زیر چٹان پانی کی ۲۰ سے

زیادہ سطحوں میں ذخیرہ کیا جاتا ہے جن کی علم ارضیات کے مطابق مختلف عمریں ہیں۔ (وزارت آب و زراعت ۱۹۸۳ء)۔ اس زمینی پانی کا معیار جائے وقوع سے زیر زمین آبی ذخائر (aquifers) تک تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ ہم جالی (Isotopic) تجربات بتاتے ہیں کہ ان زیر زمین آبی ذخائر میں چٹانوں کے نیچے کا زمینی پانی ۳۲ تا ۱۰ ہزار سال پرانا ہے۔ سطح زمین سے تین سو میٹر گہرے زیر زمین پانی کے ذخائر کا تخمینہ ۲,۱۸۵ ارب مکعب میٹر ہے جس میں سے سالانہ ۲,۷۶۲ ملین مکعب میٹر کا اضافہ ہوتا ہے (Dabbagh and Abderrahman؛ ۱۹۹۳ء Al Alawi and Abdulrazzak؛ ۱۹۹۷ء)۔ قابل تجدید ارضی پانی کے وسائل زیادہ تر اچھے سیلابی مٹی کے زیر زمین آبی ذخائر اور سنگ سیاہ کی بدلتی ہوئی چوڑائی اور موٹائی کی تہوں کے اندر جمع ہیں۔ اس قسم کے وسائل عموماً جنوب مغرب میں پائے جاتے ہیں۔ ان زیر زمین آبی ذخائر میں تقریباً ۸۴ ارب مکعب میٹر پانی موجود ہے اور اس میں سالانہ اضافہ اوسطاً ۱,۹۹۶ ملین مکعب میٹر ہے۔

جدول نمبر ۲

سعودی عرب میں پانی کی فراہمی ۱۹۷۰-۱۹۹۰ء
(ملین مکعب میٹر میں)

۱۹۹۰ (فی صد) *	۱۹۹۲ (فی صد) *	۱۹۹۷ (فی صد) *	۱۹۹۷ (فی صد) *
۱۳	۲,۱۳۰	۷	۲,۱۳۰
۱۲	۲,۱۳۰	۱۲	۲,۱۳۰
۸۳	۲۳,۳۸۹	۹۰	۲۸,۵۷۶
۸۳	۲۳,۳۸۹	۹۰	۲۸,۵۷۶
۳	۵۳۰	۲	۷۹۵
۳	۵۳۰	۲	۷۹۵
۱	۱۱۰	۰.۶	۱۸۵
۱	۱۱۰	۰.۶	۱۸۵
۲۷,۲۳۹	۳۱,۶۹۶	۱۸,۴۹۶	۱۸,۴۹۶
۲۷,۲۳۹	۳۱,۶۹۶	۱۸,۴۹۶	۱۸,۴۹۶

ذرائع: وزارت منصوبہ بندی ۱۹۹۰ء کے تخمینے؛ دباغ اور عبدالرحمن ۱۹۹۷ء (کل میزان ۱۹۹۲ء)۔
* فی صد کا مجموعہ صحیح عدد میں لانے کی وجہ سے ۱۰۰ نہیں ہے۔

غیر روایتی وسائل

تقریباً دس ارب امریکی ڈالر کے خرچ سے کھارے پانی کو صاف کرنے کے ۳۵ پلانٹ تعمیر کیے گئے ہیں تاکہ بحیرہ احمر اور خلیج عرب کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ زیر زمین کھارے پانی اور سمندری نمکین پانی کو پینے کے قابل بنایا جائے۔ ان پلانٹس میں مرحلہ وار پانی کا بہاؤ (multi stage flush system) اور ٹکسی نفوذ پذیری (reverse osmosis) کا طریقہ استعمال کیا گیا ہے۔ (Bushnak ۱۹۹۷ء، ص: ۹۳)۔ اس وقت سعودی عرب دنیا کا سب سے بڑا کھارے پانی کو میٹھا کرنے والا ملک ہے۔ میٹھے پانی کی تیاری تقریباً ۷۹۵ ملین مکعب میٹر سالانہ تک پہنچ گئی ہے جبکہ سال ۲۰۰۰ تک اس کی مقدار ۱،۰۵۰ ملین مکعب میٹر تک پہنچ جائے گی۔

نمک سے پاک کرنے والے بڑے سائز کے پلانٹ سے حاصل شدہ میٹھے پانی پر لاگت ۰،۷۰ امریکی ڈالر یا ۲،۶۶ سعودی ریال فی مکعب میٹر آتی ہے۔ (ایک امریکی ڈالر = ۳،۷۵۱ سعودی ریال) (Bushnak ۱۹۹۷ء، ۹۳)۔ اس صاف شدہ پانی کی شہروں اور قصبوں میں ترسیل پر تقریباً تین تا چار سعودی ریال خرچ آتا ہے۔ اس طرح کھارے پانی سے حاصل شدہ ایک مکعب میٹر پانی جو گھروں تک پہنچتا ہے، اس کی قیمت ۵،۵ سے ۶،۶ سعودی ریال ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۱۹۹۶ء میں ملک میں ایک ہزار ملین مکعب میٹر ضائع شدہ پانی اکٹھا کیا جا سکا جس کی مقدار ۲۰۰۰ء تک بڑھ کر ۱۵۰۰ ملین مکعب میٹر ہو جائے گی (Ishaq and Khan ۱۹۹۷ء)۔ شہری ضائع شدہ پانی تقریباً ۴۱ فی صد صاف کیا گیا اور ۱۹۹۷ء میں ۱۸۵ ملین مکعب میٹر یا ۱۸،۵۵ فی صد صاف شدہ پانی کا دوبارہ زرعی فصلوں اور سڑکوں کے کنارے لگائے گئے پودوں کی آبپاشی اور ریفائٹری میں استعمال کیا گیا۔

گھریلو طلب آب کا انتظام

جیسا کہ اس کتاب کے دوسرے ابواب میں تذکرہ ہو چکا ہے جس میں عامری و قدوری وغیرہ کے تحریر کردہ مضامین بھی شامل ہیں، کہ پانی کی قلت کو دور کرنے یا کسی فرد واحد کے قبضے سے نکالنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے پانی پر تمام انسانوں کے حق کا اعلان فرمایا تھا۔ یہ اصول سعودی عرب کے لیے بالخصوص بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس کے وسائل بھی محدود ہیں اور پانی کی مانگ بھی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ سعودی عرب کی کل آبادی جو ۱۹۷۰ء میں تقریباً ۷ لاکھ تھی، ۱۹۹۰ء میں بڑھ کر ایک کروڑ ۱۸ لاکھ ہو گئی اور اُمید ہے کہ اگر آبادی میں اضافے کی موجودہ ۳ فی صد شرح قائم رہی تو یہ

۲۰۱۰ء تک ایک کروڑ ۹۰ لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ نتیجتاً گھریلو پانی کی مانگ جو ۱۹۸۰ء میں تقریباً ۳۳۶ ملین مکعب میٹر تھی وہ ۱۹۹۷ء میں بڑھ کر ۱,۵۶۳ ملین مکعب میٹر ہوگئی اور توقع ہے کہ ۲۰۱۰ء تک ۲,۸۰۰ ملین مکعب میٹر ہو جائے گی۔ (Al-Alawi and Abdulrazzak ۱۹۹۴ء؛ Al-Tukhais ۱۹۹۷ء)۔ اس لیے نمک سے پاک کرنے والے پلانٹ بڑے پیمانے پر تعمیر کرنا لازمی ہو جائے گا جو فی الوقت ۳۶ فیصد گھریلو مانگ پوری کر رہے ہیں۔

بہر حال جیسا کہ اس کتاب میں شاہ اور عطاء اللہ وغیرہ نے نشان دہی کی ہے کہ ابتدائے اسلام میں بھی پانی کی بچت پر بہت زور دیا گیا تھا اور سعودی عرب میں گھریلو پانی کی مانگ کم کرنے کے لیے آبی تحفظ اور نظم و ضبط کے متعدد اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل اقدامات بھی شامل ہیں:

• ۱۹۹۴ء میں آبی محصولات کا نظام متعارف کرایا گیا تاکہ لوگوں میں پانی کی پیداوار کی قدر و قیمت کا شعور پیدا ہو سکے۔ محصولات کچھ یوں ہیں: پینے کے پانی کے لیے سو مکعب میٹر کی قیمت ۰.۰۴ امریکی ڈالر (سعودی ریال ۰.۱۵) ہے۔ دوسرے سو مکعب میٹر پانی کی قیمت ۰.۲۷ امریکی ڈالر (سعودی ریال ۱.۰) ہے۔ تیسرے سینکڑے کی قیمت ۰.۵۳ امریکی ڈالر (سعودی ریال ۲.۰) ہے اور چوتھے سینکڑے کی قیمت ۱.۰ امریکی ڈالر (سعودی ریال ۴.۰) ہے۔ ایک درمیانے سائز (چھ افراد پر مشتمل) کے متوسط طبقے کا کنبہ جو ایک چھوٹے مکان میں رہائش پذیر ہو اور جن کے مکان کے ساتھ باغ بھی ہو (جس کا ممکنہ ماہانہ پانی کا خرچ ۲۰۰ مکعب میٹر فرض کر لیا جائے) اور جس کی اوسط ماہانہ آمدنی ۴۰۰۰ سعودی ریال ہو اس کا ماہانہ پانی کا بل ۲۰۰ سعودی ریال (۵۵ امریکی ڈالر) سے بھی کم ہوتا ہے۔ لیکن یہ رقم اصل پیداواری لاگت اور پانی کی ترسیل پر ہونے والے خرچ کا جو درحقیقت تقریباً ۱۱۲/ اور ۱۳۲۰ سعودی ریال کے درمیان ہوتی ہے، ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔

• پانی کی ترسیل کے نیٹ ورک سے پانی کے ضیاع کو کم کرنے کے لیے رساؤ کی نگرانی کے اقدامات کیے گئے ہیں۔

• ضائع شدہ پانی کو دوبارہ قابل استعمال بنانے کے لیے اس کی صفائی کا انتظام کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مسجد الحرام، مکہ معظمہ اور مسجد نبویؐ، مدینہ منورہ میں وضو کے پانی کو بیت الخلا میں غلاظت بہانے کے لیے دوبارہ استعمال کیا جاتا ہے۔

• مکہ معظمہ کے نزدیک وادی ملک ان کے انتہائی کھارا پانی بھی میٹھے پانی کی جگہ مسجد الحرام میں

بیت الخلا کی غلاظت بہانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

زراعت میں طلب آب کا انتظام

مملکت میں زیر کاشت رقبہ جو ۱۹۷۱ء میں ۳ لاکھ ہیکٹر سے بھی کم تھا، بڑھ کر ۱۹۹۲ء میں ۱۶ لاکھ ۲۰ ہزار ہیکٹر ہو گیا۔ (MAW ۱۹۹۲ء)۔ آبپاشی کے لیے پانی کا کل خرچ جو ۱۹۸۰ء میں تقریباً ۱۸۵۰ ملین مکعب میٹر تھا وہ ۱۹۹۲ء میں بڑھ کر ۲۹،۸۲۶ ملین مکعب میٹر ہو گیا۔ (جدول نمبر ۱)۔ زراعتی رقبے میں سرعت کے ساتھ اضافے کا آغاز ۱۹۷۹ء میں ہوا۔ چونکہ حکومت کی ذمہ داری تھی کہ لوگوں کو مختلف مقاصد کے لیے پانی مہیا کرے اور ان میں آبپاشی کو تیسری ترجیح حاصل تھی، اس لیے اس نے کنویں کھودنے اور جدید اور کارگر آب پاشی کے نظام کو متعارف کرانے کے لیے کاشتکاروں کو مالی امداد فراہم کی۔ آب پاشی کے لیے مناسب نظام الاوقات پر عملدرآمد کروانے کے لیے کاشتکاروں کو توسیعی خدمات بھی مہیا کی گئیں تاکہ پانی فضول نہ خرچ ہو۔ ایسے کنوؤں سے جن کی گہرائی چار سو میٹر سے کم ہو، حاصل شدہ آب پاشی کے پانی کی لاگت کا ابتدائی تخمینہ آب پاشی کی بڑی اسکیموں کے لیے ۰ء۲۰ سعودی ریال اور ۰ء۵۰ سعودی ریال کے درمیان تھا۔

جدول نمبر ۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۹۲ء میں آب پاشی کے لیے اٹھلے اور گہرے زیر زمین آبی ذخائر نے ۶،۵۷۶،۲۸ ملین مکعب میٹر ناقابل تجدید زیر زمین پانی فراہم کیا۔ یہ سعودی عرب میں آبپاشی کے لیے استعمال ہونے والے کل پانی کا تقریباً ۹۴ فی صد تھا اور کل قومی پانی کے استعمال کا ۹۰ فی صد تھا۔ ڈرل کیے ہوئے کنوؤں کی کل تعداد ۱۹۸۲ء میں تقریباً ۲۶،۰۰۰ تھی جو ۱۹۹۰ء میں بڑھ کر ۵۲،۵۰۰ ہو گئی اور بعض زراعتی علاقوں میں تو سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں پیداواری کنویں ایک ہی جگہ بنا دیئے گئے۔ کئی زرعی خطوں میں بہت زیادہ پانی پمپ کرنے سے زیر زمین پانی کی سطح یا معیار پر منفی اثرات مرتب ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زیر زمین پانی کے انتظام میں اصلاح اور آب پاشی کے پانی کے خرچ میں کمی بالخصوص گندم کی کاشت کے لیے ناگزیر ہو گئیں تاکہ زیر زمین آبی ذخائر کے معیار اور طویل المیعاد پیداوار کو برقرار رکھا جاسکے۔ اس سنگین مسئلہ سے نبرد آزما ہونے کے لیے حکومت نے ممتاز علمائے اسلام اور زراعت، معاشیات اور پانی کے امور کے ماہرین کے مشوروں سے متعدد اقدامات اٹھائے تاکہ طلب آب کے انتظام میں بہتری آئے اور آبی وسائل کی بچت اور حفاظت ہو سکے۔

کنوؤں کی کھدائی کا ضابطہ کار

نبی کریم ﷺ کی مشہور حدیث ہے کہ ”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو وہ سب کچھ ترک کر دے جسے اللہ نے ممنوع قرار دیا ہے“۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اسلامی شریعت نے دوسروں کو جس میں اس کی اپنی کمیونٹی بھی شامل ہے، نقصان پہنچانا حرام قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں، نبی کریم ﷺ نے تسلیم کیا ہے کہ کنوؤں یا دوسرے پانی کے وسائل کی ملکیت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ ایک مخصوص حد تک اردگرد کی زمین یا ’حریم‘ بھی اسی مالک کے قبضے میں ہو جس میں دوسرا کنوؤں کھودنا ممنوع ہو۔ یہ حکم اس لیے تھا کہ کنوؤں کے پانی کی افراط یا معیار پر منفی اثر نہ مرتب ہو۔

اسلام کے اس عمومی رجحان کے اتباع میں ۱۹۸۰ء میں ایک شاہی فرمان جاری کیا گیا کہ کنوؤں کی کھدائی کو ضابطے کے تحت لایا جائے اور زیر زمین آبی ذخائر کو استحصال اور آلودگی سے محفوظ رکھا جائے۔ کنوؤں کی کھدائی یا انہیں گہرا کرنے کے لیے پیشگی خصوصی اجازت نامے حاصل کرنا لازمی کر دیا گیا اور یہ بھی کہ ان کاموں کو وزارت زراعت و آب کے منظور شدہ ڈیزائن کے مطابق ہونا چاہیے اور اس کی نگرانی میں ہی ہونا چاہیے۔ اس فرمان کی خلاف ورزی کرنے والے کنوؤں کے مالکان یا ڈرلنگ کمپنیوں کو جرمانے بھرنا پڑتے ہیں۔

گندم کے لیے زراعت میں تخفیف

سعودی عرب میں سب سے بڑی فصل گندم کی ہوتی ہے جس کی کاشت ۱۹۹۲ء میں ۳۰۹.۷۰ ہیکٹر یا کل زیر کاشت رقبے کے ۵۶ فی صد پر کی جا رہی تھی جبکہ چارے، سبزیوں اور پھلوں کی کاشت بالترتیب ۱۸، ۷ اور ۶ فی صد رقبے پر ہوتی ہے۔ ۱۹۹۲ء میں گندم کی پیداوار ۲۵.۴ ملین ٹن ہوئی جو متوقع قومی مانگ یعنی ۲۲.۲ ملین ٹن کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی (MOP ۱۹۹۰ء)۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زرعی پیداوار مختلف النوع بنانے کی کوشش میں رکاوٹ پڑی اور خواہ مخواہ بہت بڑی مقدار میں زیر زمین پانی خرچ ہو گیا۔ ۱۹۹۲ء میں صرف گندم کی فصل کی آبپاشی کے لیے ۹.۸۹۵ ملین مکعب میٹر پانی جو کل قومی آبپاشی کے خرچ کا ۳۳ فی صد تھا، استعمال ہو گیا۔

۱۹۹۳ء میں حکومت نے گندم کی کاشت کا وہ رقبہ جو زراعت کا مستحق تھا کم کر دیا اور یہ پہلے کے مقابلے میں صرف ۲۵ فی صد رہ گیا۔ یہ اس وجہ سے کیا گیا تا کہ اسی قدر گندم پیدا کی جائے جتنی سالانہ خرچ ہوتی ہے، مختلف انواع کی فصلیں اگانے کے لیے کاشت کاروں کی حوصلہ افزائی ہو

اور آبپاشی کا پانی کم خرچ ہو۔ پانی کے استعمال میں کمی کا جو اندازہ لگایا گیا وہ تقریباً ۷۴۰۰ ملین مکعب میٹر سالانہ تھا یعنی ۲۵ فی صد۔ (اس مفروضے کی بنیاد پر کہ گندم کی کاشت کا رقبہ ۷۵ فی صد کم کر دیا جائے گا) فی الواقع گندم کا زیر کاشت رقبہ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۳ء کے درمیان تقریباً ۳۲۵,۰۰۰ ہیکٹر کم ہو گیا جیسا کہ جدول نمبر ۲ میں دکھایا گیا ہے۔ اگرچہ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۷ء تک دوسرے ذرائع سے پانی کی فراہمی ایک جیسی رہی تاہم گندم کی پیداوار میں زراعت میں تخفیف کی وجہ سے زیر زمین آبی ذخائر سے پمپ کیا ہوا ناقابل تجدید پانی ۲۸,۵۷۶ ملین مکعب میٹر سے کم ہو کر ۶۷۶ ملین مکعب میٹر رہ گیا۔ اس تخفیف سے مملکت کے گندم کے کاشت کے مختلف علاقوں میں زیر زمین پانی کی سطح اور معیار پر یقیناً اثر پڑا۔ مشرقی صوبے میں آبپاشی کی ایک بڑی اسکیم میں زیر مشاہدہ کنوؤں میں زیر زمین سطح آب کی پیمائش سے معلوم ہوا کہ گندم کے کاشت کے علاقوں میں ۲۰ تا ۳۰ فی صد کمی کے بعد سطح آب میں پچھلے سالوں کے مقابلے میں بہتری آئی ہے۔ حال ہی میں وزارت زراعت و آب نے گندم کی کاشت میں کمی کے نتیجے میں مملکت کے دوسرے خطوں میں بھی زیر زمین پانی کی سطحوں میں اسی طرح کے مثبت اثرات کا اعلان کیا ہے۔

خارج شدہ گندے پانی کا زراعت میں دوبارہ استعمال

ماضی میں لاکھوں مکعب میٹر گندہ پانی دوبارہ استعمال ہوئے بغیر ٹھکانے لگا دیا جاتا تھا۔ ایسا فنی وجوہ کی بنا پر نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ واضح نہیں تھا کہ یہ خارج شدہ پانی باقاعدہ صفائی کے عمل سے گزارنے اور ملائیں دور کرنے کے بعد بھی اسلامی نقطہ نظر سے پاک ہوگا یا نہیں؟ طویل اور عمیق تحقیق اور سائنسدانوں سے تبادلہ خیال کے بعد ۱۹۷۸ء میں سعودی عرب کے ممتاز علمائے اسلام کی مجلس نے اس مسئلے پر ایک خصوصی فتویٰ جاری کیا۔ اس فتوے میں کہا گیا کہ:

ضائع شدہ گندے پانی کو خالص اور اصلی پاک و صاف پانی جیسا تصور کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اسے اعلیٰ فنی طریقوں سے صاف کیا گیا ہو اور اس میں سے گندگی اس حد تک دور کر دی گئی ہو کہ اس کا ذائقہ، رنگ اور بو سب صاف پانی کی طرح ہوں جس کی گواہی وہ لوگ دیں جو دیانتدار ہوں اور اس کا خصوصی علم رکھنے والے ماہرین ہوں۔ صرف اسی طرح یہ پانی جسم کی نجاستوں کو دور کرنے، پاک کرنے اور پینے تک میں استعمال ہو سکتا ہے۔ تاہم اگر اس پانی کے استعمال سے انسانی صحت پر مضر اثرات مرتب ہوں تو بہتر ہے کہ اسے نہ استعمال کیا جائے، اس لیے نہیں کہ یہ پانی گندا ہے بلکہ اس لیے کہ انسانوں کو ضرر سے بچایا جائے۔ ممتاز علماء اسلام کی مجلس صحت کی حفاظت کی غرض سے اس پانی کو پینے سے گریز کرنے کو ترجیح دیتی ہے (جہاں تک ممکن ہو) لیکن اس کا مقصد انسانی عادتوں سے تعارض کرنا نہیں ہے۔“

یہ فتویٰ مسلم برادری کو بدلتی ہوئی ضروریات کا سامنا ہونے کی صورت میں اسلامی شریعت کے متحرک مزاج اور دانش مند ہونے کی نمازی کرتا ہے۔ یہ ضائع شدہ گندے پانی کو مختلف مقاصد کے لیے دوبارہ استعمال کرنے کی طرف ایک اہم قدم تھا۔ یہ تو صاف شدہ پانی کی صفائی کے معیار پر منحصر ہوگا کہ اسے پینے، وضو کرنے، گندگی کو دور کرنے اور محدود و لامحدود آبپاشی میں سے کس مقصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ اس وقت ریاض کے نزدیک تقریباً ۹ ہزار ہیکٹر پر لگے ہوئے کھجور کے درختوں اور چارے کی فصلوں کو تقریباً ۱۳۶ ملین مکعب میٹر ضائع شدہ گندے پانی کے ذریعہ سیراب کیا جاتا ہے۔ ضائع شدہ پانی کو متعدد شہروں مثلاً دہران، جدہ، جُبیل، ریاض اور طائف کے بلدیاتی باغات میں پودوں، درختوں اور گھاس کو پانی دینے کے لیے بھی دوبارہ استعمال کیا جاتا ہے۔

طلب آب میں کمی کے لیے دوسرے اقدامات

وزارت زراعت و آب نے کھیتوں پر لگائے گئے پانی کے پمپ کے ساتھ میٹر لگانے کے بارے میں غور کیا ہے تاکہ پمپ کا فضول استعمال اور پانی کا ضیاع کم سے کم ہو۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ چارے اور اجناس کی کاشت کو ایسے علاقوں سے منتقل کر دیا جائے جہاں آب پاشی کے لیے پانی کا خرچ زیادہ ہے اور کم خرچ والے علاقوں میں پہنچا دیا جائے۔ اس طرح آبپاشی کا پانی بڑی مقدار میں بچایا جاسکے گا۔ وزارت زراعت و آب، ذرائع ابلاغ اور تعلیمی اداروں کے ذریعہ پانی کی حفاظت کی اہمیت کا شعور عوام میں بلند کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

صنعتی طلب آب کا انتظام

اگرچہ صنعتوں میں پانی کا استعمال مجموعی طلب آب کا ایک معمولی حصہ ہے تاہم بعض صنعتیں ایک خاص معیار کا پانی چاہتی ہیں۔ علاوہ ازیں صنعتوں کا ضائع شدہ پانی اگر بدانتظامی کا شکار ہو جائے تو وہ ماحول کے لیے ایک بڑا خطرہ بن جاتا ہے۔ صنعتوں کے لیے طلب آب جو ۱۹۸۰ء میں تقریباً ۵۶ ملین مکعب میٹر سالانہ تھی وہ ۱۹۹۰ء میں بڑھ کر تقریباً ۱۹۲ ملین مکعب میٹر سالانہ ہو گئی اور توقع ہے کہ ۲۰۱۰ء تک تقریباً ۵۰۰ ملین مکعب میٹر ہو جائے گی۔ (Al-Alawi and Abdulrazzak ۱۹۹۳ء اور مصنف کا تخمینہ)۔ بعض صنعتوں کی بڑھتی ہوئی مانگ کو تو صرف زیادہ لاگت سے نمکین پانی کو صاف کر کے ہی پورا کیا جاسکتا ہے، خاص طور پر غذائی صنعتوں میں۔ مگر دوسری صنعتوں میں زیر زمین پانی ہی موزوں ہوتا ہے۔ صنعتی ضرورت کے لیے پانی کی طلب مملکت کے مختلف خطوں میں مختلف ہے۔ بعض صنعتی پلانٹس میں خارج شدہ پانی کے ایک حصے کو ہی دوبارہ استعمال کر لیا جاتا ہے۔

بہر کیف، ضائع شدہ پانی کو بے قاعدگی سے ٹھکانے لگانے سے ماحول پر بھی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور زیر زمین پانی پر بھی۔

صنعتی طلب آب کے انتظام کو بہتر بنانے کے لیے مندرجہ ذیل قانون سازی اور اقدامات کیے گئے ہیں:

- صنعتی طلب آب کو کم کرنے، ضائع شدہ پانی کو دوبارہ قابل استعمال بنانے اور ماحول کے تحفظ کے لیے حکومت نے مملکت کے مختلف حصوں میں بڑے بڑے صنعتی شہر قائم کیے ہیں۔ ہر شہر میں دسیوں بلکہ سینکڑوں کارخانے ہیں۔ صنعت اور باغات کے لیے ہر شہر میں پلانٹ کے اندر صنعتی ضائع شدہ پانی کو جمع کر کے صاف کیا جاتا ہے اور دوبارہ استعمال میں لایا جاتا ہے۔ کارخانوں سے جمع شدہ گندے پانی کے معیار کے بارے میں صنعتی شہروں کے پاس مخصوص تصریحات موجود ہیں۔

- کارخانوں میں پانی کے استعمال کے ایسے بند نظام شروع کیے گئے جن کا مقصد پانی کو ضائع ہونے سے بچانا، زمین کے نیچے سے پانی نکالنے کو کم کرنا اور ماحول کا تحفظ تھا۔ اس طریقے میں ضائع شدہ پانی کو خلا (vacuum) میں کم درجہ حرارت پر بھاپ بنا کر عمدہ درجے کی برف میں تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ یہ ٹیکنالوجی بڑے بڑے کارخانوں میں ۱۹۹۵ء میں شروع کی گئی (Abderrahman ۱۹۹۷ء)۔

نتیجہ

مملکت سعودی عرب نے اپنے تقریباً صد سالہ قیام کے آغاز سے ہی زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی شریعت کا اتباع کیا ہے۔ شریعت کے مطابق کسی قوم کی زندگی اور سلامتی کے استحکام اور خود انحصاری کے لیے پانی ایک اہم جزو ہے۔ حکومت نے ان مسائل کو ابتدا ہی میں قابو کر لیا تھا جو ریگستانی موسمی حالات، محدود فراہمی آب اور طلب آب میں تیزی سے اضافے نے مل کر پیدا کیے تھے۔ چنانچہ اس نے پانی کی پیداوار اور تقسیم کے لیے خصوصی ماہرانہ ادارے قائم کیے۔ علاوہ ازیں اسلامی شریعت کی روشنی میں قواعد و ضوابط، اقدامات اور فتاویٰ جاری کیے تاکہ آبادی اور اس کے قدرتی وسائل کے مفاد میں طلب آب کا انتظام مؤثر انداز سے ہو سکے۔ اس پر عملدرآمد کے دوران ممتاز اسلامی علماء کے علاوہ ماہرین آب، زراعت، منصوبہ بندی اور معاشیات سے مسلسل مشاورت جاری رکھی گئی۔ ان قواعد و ضوابط کی ایک مثال پانی کی قیمتوں کے بارے میں نئی پالیسیاں ہیں جن کے نتیجے میں گھریلو

طلب آب میں کمی واقع ہوئی۔ رساؤ کا پتہ چلانے اور اس پر کنٹرول کے اقدامات کیے گئے اور پانی کی قدر و قیمت کے بارے میں عوامی شعور کو بلند کیا گیا۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ گیہوں کی پیداوار کے لیے زراعت کم کیا گیا جس کے نتیجے میں آبپاشی کے پانی کی مانگ میں تقریباً ۲۵ فیصد کمی ہوگئی۔ مزید برآں، علماء کے فتوے کی وجہ سے جس میں اجازت دی گئی تھی کہ ضائع شدہ پانی کے اخراج کو بالخصوص زراعت میں دوبارہ استعمال کیا جاسکتا ہے، لاکھوں اور کروڑوں مکعب میٹر ضائع شدہ پانی صاف کر کے زراعت میں دوبارہ استعمال کیا جانے لگا۔ صنعتوں کے ضائع شدہ پانی کو صاف کر کے دوبارہ قابل استعمال بنانے کی حوصلہ افزائی کی گئی نتیجتاً صنعتی پلانٹس میں اس منصوبے پر عملدرآمد کروایا گیا۔ دوسرے اقدامات کے تحت کنویں ڈرل کرنے پر کنٹرول کیا گیا اور کھیتوں میں پانی کے خرچ پر نظر رکھی گئی تاکہ پانی بہت زیادہ پمپ نہ کیا جائے اور زیر زمین آبی ذخائر کی حفاظت ہو سکے۔ کسانوں کو بھی آبپاشی کے جدید نظام کو اپنانے اور طلب آب کو کم کرنے کے لیے آبپاشی کے لیے نظام الاوقات کو اختیار کرنے پر مائل کیا گیا۔ ان تمام طریقوں میں طلب آب کے انتظام کے لیے اسلامی اصولوں کو اختیار کرنا، پانی کی ضروریات پوری کرنے اور آبی وسائل کی حفاظت کے حوالے سے بڑا کامیاب ثابت ہوا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم اقوام کو درپیش پانی جیسے حیات پرور وسیلے سے متعدد مسائل کے حل کے لیے اسلامی اصول و ضوابط بہ تمام و کمال متحرک، چلکار اور معقول ہیں۔

حواشی

۱۔ البخاری ۲۳۶۷۔

۲۔ البخاری ۷۰۵۲۔

۳۔ البخاری ۵۵۵۰ (Hadith Encyclopedia)۔

۳۔ البخاری ۲۳۱۹۔

۵۔ البخاری ۱۰۔

REFERENCES

حوالے

مجلس کبار العلماء (۱۹۷۸ء) ”فتویٰ حول معالجة المياه العادمة، جو ممتاز علمائے اسلام کی مجلس کے تیرھویں اجلاس منعقدہ ۲۵ شوال ۱۳۹۸ھ میں جاری کیا گیا۔“ طائف: اسلامی تحقیق کا رسالہ نمبر ۱۷، صفحات ۳۰، ۳۱۔

وزارت منصوبہ بندی (۱۹۹۰ء) الخطة الخمسية للتنمية (پانچواں ترقیاتی منصوبہ)، ریاض۔

- Abderrahman, W. A. (1997), "The Use of Closed Water Cycle in Industrial Plants in Saudi Arabia," in *Proceedings of the Conference on Development and Environmental Impact, 21-23 September*, Ministry of Municipal and Rural Affairs, Riyadh.
- Al Alawi, M. and Abdulrazzak, M. (1994), "Water in the Arabian Peninsula: Problems and Perspectives," in P. Rogers and P. Lydon (eds.), *Water in the Arab World: Perspectives and Progress*, Division of Applied Sciences, Harvard University, Cambridge, Mass.
- Al-Tukhais, A. S. (1997), "Water Resources and Agricultural Production in Saudi Arabia: Present and Future," in *Water Resources and Its Utilization in Saudi Arabia: Proceedings of the First Saudi Conference on Agricultural Sciences, 25-27 March 1997*, College of Agriculture, King Saud University, Riyadh.
- Bushnak, A. (1997), "Water Desalination and Wastewater Reuse: Review of the Technology, Economics and Applications in the ESCWA Region," *Expert Group Meeting on Development of Non-Conventional Water Resources and Appropriate Technologies for Groundwater Management in the ESCWA Member Countries, 27-30 October, Manama, Bahrain*. Economics and Social Commission of Western Asia (ESCWA)/UN, Beirut.
- Dabbagh, A. E. and Abderrahman, W. A. (1997), "Management of Groundwater Resources under Various Irrigation Water Use Scenarios in Saudi Arabia," *Arabian Journal of Science and Engineering* 22 (special theme issue on water resources in the Arabian Peninsula), pp. 47-64.
- Ishaq, A. M. and Khan, A. A. (1997), "Recharge of Aquifers with Reclaimed Wastewater: A Case for Saudi Arabia," *Arabian Journal for Science and Engineering* 22, pp. 133-41 (special theme issue on water resources in the Arabian Peninsula).
- MAW (Ministry of Agriculture and Water) (1984), *Water Atlas of Saudi Arabia*, MAW, Riyadh.
- (1992), *Agricultural Statistical Year Book*, vol. 7, MAW, Department of Economic Studies and Statistics, Riyadh.

فلسطین میں ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کی سماجی و ثقافتی قبولیت

نادر الخطیب

ضائع شدہ پانی کو زراعت میں استعمال کرنے کا تصور دو ہزار سال پہلے کے زمانے میں ملتا ہے جب یونان میں فصلوں کی آبپاشی اسی طرح کے پانی سے ہوا کرتی تھی، لیکن اس تصور سے موجودہ دور میں زبردست دلچسپی ابھی حال ہی کی بات ہے۔ لگ بھگ ۱۹۸۰ء سے ترقی پذیر ممالک میں ضائع شدہ پانی کو صاف کر کے دوبارہ استعمال کرنا نمایاں طور پر بڑھ گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آبادی بڑھتی جا رہی ہے اور فی کس پانی کے خرچ میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک کے شہری اور دیہی علاقوں میں ضائع شدہ پانی بھی اب کہیں زیادہ مقدار میں بن رہا ہے۔ اس کے علاوہ ترقی پذیر ممالک میں گندے پانی کو صاف کرنے کے کارخانے بڑی تعداد میں تعمیر ہو چکے ہیں اور مسلسل تعمیر ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اقوام متحدہ نے آبی کانفرنس کے بعد ۱۹۸۰ء کی دہائی کو زمین الاقوامی فراہمی و نکاسی آب کی دہائی کا نام دیا تھا۔ اسی دوران، متعدد پانچ اور نیم پانچ ممالک میں پانی کی بڑھتی ہوئی قلت نے منصوبہ سازوں کو مجبور کر دیا کہ پانی کے اضافی وسائل تلاش کیے جائیں جنہیں کاشت کے ساتھ استعمال کیا جائے اور جو مزید ترقی کے لیے مؤثر ثابت ہو سکیں۔ ضائع شدہ پانی ایک ایسا ہی نیا اور غیر روایتی وسیلہ آب ہے جسے بہت سے ملکوں میں زرعی پیداوار کے لیے استعمال کر کے فائدہ زدگی سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک میں ماحولیات اور صحت کے مسائل سے بڑھتی ہوئی دلچسپی وہاں پر ضائع شدہ پانی کو محفوظ اور منافع بخش انداز سے ٹھکانے لگانے کے طریقے معلوم کرنے اور انہیں اختیار کرنے کا

سبب بنی۔ لیکن متعدد معاشروں میں ضائع شدہ پانی کو صاف کر کے دوبارہ استعمال کرنے پر یہ سوال اٹھا کہ کیا ثقافتی اعتبار سے پانی کا یہ نیا وسیلہ قابل قبول ہے؟ یہ ایسا سوال نہیں ہے جس کا جواب ہمیشہ آسانی سے دیا جاسکے۔ ثقافتیں شاید ہی کبھی ہموار ہوتی ہیں اور اکثر و بیشتر ان میں ذیلی ثقافتوں کا پیچیدہ تنوع پایا جاتا ہے جن کا جھکاؤ مختلف سمتوں میں ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ ثقافتوں کا کوئی جامد وجود نہیں ہوتا۔ اقدار، عقائد اور رسم و رواج بدلتے رہتے ہیں یا تبدیل کیے جاسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں، معلومات جمع کرنے کے مناسب ترین طریقے خصوصاً جو سماجی بشریات پر کیے جانے والے فیلڈ ورک میں استعمال کئے جاتے ہیں، اس ثقافتی اعتبار سے حساس موضوع پر شاذ ہی استعمال کیے گئے ہیں۔

ان تمام نکتوں کا اطلاق فلسطین پر بھی ہوتا ہے جہاں نابلس کے شہر میں حال ہی میں ایک نمونے کا پروجیکٹ شروع کیا گیا ہے۔ اس منصوبے میں قطرہ قطرہ ٹپکنے والے فلٹر اور activated sludge system گندے پانی کی صفائی کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ اس اخراج سے اور کچھ تازہ پانی سے بیٹنگن، سیاہ مرچ، سیب، انگور اور آڑو کی کاشت کے لیے آبپاشی کی گئی۔ پھر ان فصلوں کی فلسطین کی وزارت زراعت کی تجربہ گاہوں میں جانچ کی گئی اور انہیں کھانے کے لیے محفوظ قرار دیا گیا۔ علاوہ ازیں، یہ بات طے پا گئی (بالخصوص اس فنوے کی بنیاد پر جو سعودی عرب کے ممتاز علمائے اسلام کی مجلس نے جاری کیا تھا جس کا تذکرہ عبدالرحمن نے اس کتاب میں کیا ہے) کہ اسلام ضائع شدہ پانی کو زراعت اور دوسرے مقاصد میں دوبارہ استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ ایک اہم معاملہ ہے کیونکہ مذہب نئے خیالات کو فروغ بھی دے سکتا ہے اور ان کو قبول کئے جانے سے روک بھی سکتا ہے اور فلسطینی زیادہ تر مسلمان ہیں۔ اس نکتے کو منوانے کے بعد ہم نے فلسطین کے عام شہریوں اور کسانوں کے ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کی سماجی قبولیت معلوم کرنے کے لیے ایک سروے کیا۔ سوال نامے تیار کیے گئے اور دو انجینئروں کو اس بات پر مامور کیا گیا کہ وہ ہر ضلع میں بلا کسی تخصیص کے منتخب کئے گئے افراد کا انٹرویو لیں اور سوالنامے بھرا لیں۔ بعض صورتوں میں یہ سوالنامے جواب دہندگان کو دے دیے گئے تاکہ وہ انہیں بھر کر اگلے دن واپس کر دیں۔ اس کام کے علاوہ پروجیکٹ پر آنے والوں کا بھی انٹرویو لیا گیا۔ اس سروے کا اصل مقصد یہ تھا کہ ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کے بارے میں سماجی و ثقافتی تناظر کا اندازہ لگایا جائے تاکہ پانی کی قلت دور کی جاسکے اور عوامی آگہی کی مہموں کے ذریعہ ضائع شدہ پانی کے زیادہ سے زیادہ دوبارہ استعمال کے امکانات کا جائزہ لیا جاسکے۔ عام پبلک، کسانوں اور نابلس پر اکیٹ دیکھنے کے لیے آنے والوں نے جو جوابات دیئے ان کا خلاصہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

عام پبلک

بیت اللحم، الخلیل، جنین، اریکا، نابلس، قلقیلیہ، رملہ اور طولکرم کے اضلاع کے (بلا کسی تخصیص کے منتخب کئے گئے) ۴۸۰ رہائشیوں کے انٹرویو کئے گئے تاکہ ضائع شدہ پانی کے زراعت میں دوبارہ استعمال کے بارے میں ان کے خیالات معلوم کئے جاسکیں۔ اس سروے سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آئے:

- جن افراد کا سروے کیا گیا ان میں ۸۸ فیصد کا خیال تھا کہ فلسطین میں پانی کی کمی ہے۔
- اگرچہ ۷۳ فیصد تک پانی پائپوں کے ذریعے پہنچتا ہے، ۷۷ فیصد لوگ تا حال گھریلو فضلہ ٹھکانے لگانے کے لیے گندگی کو جذب کر لینے والے گڑھے استعمال کرتے ہیں۔
- تقریباً تمام جواب دہندگان (۸۵ فیصد) اس بات پر متفق تھے کہ آبپاشی کے لیے پانی کی کمی کو پورا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ضائع شدہ پانی کو دوبارہ استعمال کیا جائے۔
- آدھے سے زیادہ جواب دہندگان (۵۵ فیصد) کا کہنا تھا کہ ضائع شدہ پانی فی الواقع ضائع شدہ نہیں ہے بلکہ یہ قابل استعمال وسیلہ ہے۔
- ۷۸ فیصد سے زیادہ کا خیال تھا کہ ضائع شدہ پانی کو زراعت میں استعمال کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

- ۸۰ فیصد سے زیادہ کا خیال تھا کہ وہ ضائع شدہ پانی کو استعمال کرنے کے لیے تیار ہیں۔
- تقریباً ۵۰ فیصد محسوس کرتے تھے کہ وہ فصلیں جو ایسے پانی سے تیار کی گئی ہوں برآمد کر دی جائیں جبکہ دوسرے ۵۰ فیصد کہتے تھے کہ انہیں مقامی طور پر فروخت کیا جائے۔
- تقریباً ۶۵ فیصد جواب دہندگان نے کہا کہ وہ صاف کیے ہوئے ضائع شدہ پانی سے تیار کی ہوئی فصلوں کو خریدنے کو تیار ہیں۔
- تقریباً ۸۰ فیصد کو پتا ہی نہیں تھا کہ ضائع شدہ پانی سے کیونکر نمٹا جائے اور ۹۴ فیصد کہتے تھے کہ ضائع شدہ پانی سے نئے وقت احتیاط برتی جائے۔
- تقریباً ۹۳ فیصد کہتے تھے کہ وہ اس پانی کو صاف کرنے کے پلانٹ اپنے شہر میں لگوانے کو تیار ہیں۔

- تقریباً ۸۰ فیصد افراد نے جن کا سروے کیا گیا کبھی گندے پانی کو صاف کرنے کا پلانٹ دیکھا ہی نہیں تھا۔

- تقریباً ۶۰ فیصد کا خیال تھا کہ صاف کیے ہوئے ضائع شدہ پانی سے آبپاشی کرنے کے لیے

- مناسب ترین طریقہ یہ ہے کہ قطرات کی شکل میں آبپاشی (drip irrigation) کی جائے۔
- تقریباً ۶۵ فیصد جوہر دہندگان نے کہا کہ شہروں میں سب سے عام مرض دستوں کی بیماری ہے۔
 - ۶۶ فیصد سے زیادہ کا کہنا تھا کہ ان کے خاندان کی ماہانہ آمدنی دو ہزار نئے اسرائیلی شیکل سے بھی کم ہے۔ (ایک امریکی ڈالر = ۳.۷۱ نیا اسرائیلی شیکل)
 - تقریباً ۵۰ فیصد نے کہا کہ ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کے بارے میں ٹیلی ویژن سے معلومات فراہم کی جائیں جبکہ باقیوں نے کہا کہ وہ ریڈیو یا اخباری رپورٹوں کے ذریعہ اس کی معلومات حاصل کرنے کو ترجیح دیں گے۔
 - تقریباً سبھی جوہر دہندگان کو یقین تھا کہ اسلام میں ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کی اجازت ہے بشرطیکہ اس سے استعمال کنندگان کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

کاشت کار

- مختلف مقامات یعنی ضلع طوکریم کے گاؤں دیر الغصون، ضلع نابلس کے گاؤں بیت عیسا اور ضلع الخلیل کے گاؤں طفوح میں بلا تخصیص ستر کاشتکاروں کا انٹرویو لیا گیا تاکہ ضائع شدہ پانی کے زراعت میں دوبارہ استعمال کے بارے میں ان کے خیالات معلوم ہو سکیں۔
- زیادہ تر جوہر دہندگان نے کہا کہ انہوں نے زراعت میں استعمال شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کے بارے میں سن رکھا ہے۔
 - تقریباً سبھی کو اس بات کا یقین تھا کہ آبپاشی کے پانی کی کمی کو دور کرنے کے لیے فنی اور مالی اعتبار سے ضائع شدہ پانی کا دوبارہ استعمال ممکن ہے۔
 - متعدد جوہر دہندگان نے بتایا کہ ان کی سب سے بڑی مشکل پانی کا کافی ہونا اور کھاد کی اونچی قیمت ہے۔
 - کاشتکاروں کی اکثریت کا کہنا تھا کہ ہمارے مذہب نے ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کو منع نہیں کیا ہے اور ایسا کیا جاسکتا ہے۔
 - زیادہ تر کاشتکاروں نے کہا کہ تازہ پانی کے مقابلے میں ضائع شدہ پانی آبپاشی کے لیے بہتر ہے کیونکہ اس میں اکثر کھاد کے وہ اجزا شامل ہوتے ہیں جن کی پودوں کو ضرورت ہوتی ہے۔
 - کاشت کار اپنے کھیتوں میں آبپاشی کے لیے ضائع شدہ پانی استعمال کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ

اخراج کے معیار کی یقین دہانی کرائی جائے اور قانون اس کی اجازت دے اور انہیں فصلوں کی کاشت کے انداز بدلنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

- تقریباً ۵۳ فیصد کاشتکاروں نے صاف کیے ہوئے ضائع شدہ پانی کی قیمت بحساب ایک جدید اسرائیلی شیکل فی مکعب میٹر ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ مزید ۳۹ فیصد نے یہ کہا کہ ہم صاف کئے ہوئے ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کو تیار ہیں بشرطیکہ وہ مفت فراہم کیا جائے۔
- تقریباً ۶۵ فیصد کاشتکاروں نے کہا کہ گندے پانی کی صفائی کے بعد پلانٹ سے نکلنے والے گاد (Sludge) کے بارے میں وہ زیادہ نہیں جانتے تاہم بطور کھاد اسے استعمال کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ یہ محفوظ ہو اور جراثیم سے پاک ہو۔
- لگ بھگ ۷۶ فیصد کاشتکاروں نے کہا کہ اگر گاد محفوظ ہے اور اس کو بطور کھاد استعمال کیا جاسکتا ہے تو ہم اس کی قیمت بھی ادا کرنے کو تیار ہیں۔

نمونے کا پراجیکٹ دیکھنے کے لیے آنے والے

سروے کے علاوہ نمونے کے پروجیکٹ پر بھی بہت سے لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا جس میں مغربی کنارے کی متعدد بلدیات کے زیر تربیت اہلکار شامل تھے جو ضائع شدہ پانی کو اکٹھا کرنے، صاف کرنے اور دوبارہ استعمال کرنے کے موضوعات پر (جرمنی کے مالی تعاون سے) بیروزیت یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے۔ تمام مہمانوں کو ضائع شدہ پانی کی صفائی اور دوبارہ استعمال کے تصور اور اس میں پوشیدہ خطرات اور فوائد سے مختصراً آگاہ کیا گیا۔ ان کے انٹرویو بھی لیے گئے جن سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آئے:

- زیادہ تر مہمانوں نے ضائع شدہ پانی کی صفائی کے پلانٹ پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ یہ بات ان کے خیالات سے عیاں ہوئی جو انہوں نے پانی کے دوبارہ استعمال کے بارے میں ظاہر کیے۔
- جب مہمانوں نے نمونے کے پروجیکٹ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو وہ ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کے حامی ہو گئے۔
- مہمان ضائع شدہ پانی کے حوالے سے صحت اور بُو کے بارے میں متفکر تھے۔
- زیادہ تر مہمان اس کے حق میں تھے کہ یہ صاف کیا ہوا پانی درختوں یا ان سبزیوں کی سیرابی کے لیے استعمال کیا جائے جو پکا کر کھائی جاتی ہیں۔
- مہمانوں میں اس بات کا شعور تھا کہ خطے میں پانی کی کمی ہے، ضائع شدہ پانی زراعت میں

استعمال کیا جاسکتا ہے اور تب صاف پانی گھروں میں استعمال کے لیے زیادہ مقدار میں مختص کیا جاسکتا ہے۔

- مہمانوں نے مشورہ دیا کہ بڑے پیمانے پر عوامی آگہی کی مہمیں چلائی جائیں اور ضائع شدہ پانی کی صفائی اور ناپلس میں قائم کیے گئے پروجیکٹ کی طرح کے دوسرے منصوبوں سے حاصل شدہ معلومات کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔
- نمونے کے پروجیکٹس کے قیام کے تصور سے مہمان مطمئن تھے کیونکہ ان کے خیال میں بڑے پیمانے پر ضائع شدہ پانی کے پلانٹ لگانے کے سلسلے میں یہ منصوبے پہلا قدم ثابت ہوں گے۔
- مہمان ضائع شدہ پانی کی صفائی اور دوبارہ استعمال کے بارے میں منصوبہ بندی اور فیصلہ سازی میں مقامی باشندوں کو شریک کرنے کے حامی تھے۔
- مہمانوں نے کہا کہ ضائع شدہ پانی کی صفائی کی ذمہ داری آلودگی پھیلانے والوں کے سر ہونی چاہیے نہ کہ کاشتکاروں کے کندھوں پر۔

نتائج

مغربی کنارے کے کسانوں اور عام پبلک کے سماجی و ثقافتی سروے کی بنیاد پر ہم مندرجہ ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں:

- مغربی کنارے کے فلسطینیوں کا خیال ہے کہ اسلام میں ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کی اجازت ہے بشرطیکہ خارج شدہ پانی بے ضرر ہو اور اس سے استعمال کنندگان کی صحت کو نقصان پہنچنے کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔
- مغربی کنارے کے فلسطینیوں کا خیال ہے کہ فلسطین میں پانی کی قلت ہے اور صاف کیا ہوا ضائع شدہ پانی زراعت میں بحفاظت استعمال ہو سکتا ہے اور اس طرح تازہ پانی بچایا جاسکتا ہے۔
- جن لوگوں کا سروے کیا گیا ان کی اکثریت نے ضائع شدہ پانی کی صفائی کے پلانٹ نہ تو دیکھے تھے اور نہ ان سے کبھی ان کا سابقہ پڑا تھا اس لیے اس نوعیت کی سرگرمیوں کو تیز کرنے کی ضرورت ہے۔
- زیادہ تر جواب دہندگان کا خیال ہے کہ گھروں کا گندا پانی استعمال کرنا خطرناک ہے البتہ صاف کرنے کے بعد یہ ایک مفید وسیلہ آب بن سکتا ہے۔

- جواب دہندگان صاف کئے ہوئے ضائع شدہ پانی سے سبھی گئی پیداوار کے استعمال پر راضی ہیں۔
- جن لوگوں کا سروے کیا گیا وہ ضائع شدہ پانی کی صفائی اور دوبارہ استعمال کے بارے میں معلومات کو ٹیلی ویژن کے ذریعہ حاصل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔
- ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کے ممکنہ طریقوں پر قومی مہم کا آغاز کیے جانے کی بہت ضرورت ہے۔ اس مہم کے دوران، نمونے کے پروجیکٹس پر لوگوں کو بلایا بھی جانا چاہیے۔

FURTHER READING مزید مطالعے کے لیے

فلسطين کی مقتدرہ آب (۱۹۹۹ء) اعادہ استخدام المیاء العادمة فی الزراعة فی غزة و محافظاتہا، غزة۔

- Al Khateeb, N. (1997), *Nablus Wastewater Treatment and Reuse Demonstration Project: Final Report*. United Nations Development Programme, Jerusalem.
- Al Khateeb, N., Assaf, K., Kally, E., and Shuval, H. (1993), *A Proposal for the Development of a Regional Water Master Plan*, Israel-Palestine Centre for Research and Information, Jerusalem.
- Al Yaazigi, N and Dadah, J. (1994), *The Utilisation of Dry Sludge as Fertiliser in Gaza Strip*, Government Education College, Gaza.
- DANIDA (Danish International Development Assistance) (1996), *Urgent Action Plan for Wastewater Management: Gaza Governorates*. DANIDA, Gaza.
- Gearheart, R., Bahri, A., and Al Hamaidi, M. (1994), *Wastewater Treatment and Reuse Strategy for Gaza and the West Bank: Water and Wastewater Sector*, Palestinian Economic Council for Development and Reconstruction, Jerusalem
- IWACO-Euroconsult (1995), *Gaza Environmental Profile – Water Reuse, Prefeasibility Study*, Palestinian Environmental Protection Agency, Gaza.
- Juanio, M. and Amiel, A. (1992), *Impact of Sewage on Groundwater Quality in the Gaza Strip: Final Report*, Water Commission, Gaza Israeli Civil Administration and the Technical Research and Development Foundation, Gaza.
- Nashashibi, M. (1995), "Wastewater Treatment Strategies in Palestine," M.Sc. thesis, Delft.
- Sourani, G. (1991). "Desalination: A Feasibility Study for the Gaza Strip," M.Sc. thesis, Loughborough University of Technology.
- TAHAL Consulting Engineers (1993), *Recycling of Wastewater for Environmental Protection and Water Supply in Agriculture*, TAHAL Consulting Engineers Ltd., Tel Aviv.
- World Bank (1994), *Strategic Study on Wastewater Reuse*, World Bank, Washington, D.C.
- WHO (World Health Organization) (1973), *Reuse of Effluent: Methods of Wastewater Treatment and Health Safeguards*, Technical Report 517, WHO, Geneva.

آبی حقوق اور آبی تجارت: ایک اسلامی تناظر

ایم ٹی قدوری، وائی جبار، اور ایم نہدی

۱۹۹۲ء میں ریوڈی جنیز و میں ہونے والی ماحولیات اور ترقی کے موضوع پر اقوام متحدہ کی کانفرنس اور اسی سال ڈبلن میں پانی اور ماحولیات پر بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد سے اس بات پر اتفاق رائے پیدا ہو گیا کہ ترقی پذیر ممالک کو فراہمی و نکاسی آب کے حوالے سے دو بڑے چیلنجوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ پہلا چیلنج پانی کی فراہمی کی خدمت کو گھر تک پہنچانے کا پرانا ایجنڈا مکمل کرنا ہے (Bronstro ۱۹۹۸ء)۔ ہر چند کہ اس شعبے میں قابل ذکر ترقی ہو چکی ہے تاہم ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ایسے لوگوں کی تعداد جنہیں صاف پانی میسر نہیں تھا، ۸ء بلین سے کم ہو کر ۲ء بلین رہ گئی تھی جبکہ ایسے لوگوں کی تعداد جنہیں نکاسی آب کی سہولت حاصل نہیں تھی جوں کی توں یعنی تقریباً ۷ء بلین ہی رہی۔ ان معمولی کامیابیوں کے باوجود پانی کا مناسب مقدار میں فراہم نہ ہونا اور غلاظت کی نکاسی کا تسلی بخش انتظام نہ ہونا انسانی ترقی کے نقطہ نظر سے سنگین نتائج کی حامل ہیں (Serage El-Din ۱۹۹۳ء)۔ دوسرا چیلنج پائیدار ترقی کا نیا ایجنڈا ہے۔ اس چیلنج میں طویل المیعاد، زیادہ کارگر اور منصفانہ فراہمی آب کی ضرورت شامل ہے۔

مشرق وسطیٰ میں پانی کے بحران پر قابو پانے کے لیے جس کا ذکر اس کتاب کے آغاز میں کیا گیا ہے، طلب آب کے انتظام کے اوزار مثلاً قیمتوں کا تعین، قواعد و ضوابط، ٹیکنالوجی اور تعلیم کا استعمال لازمی ہیں۔ اگرچہ ان اوزاروں میں یہ مخفی صلاحیت موجود ہے کہ وہ پانی کی خدمات فراہم کرنے والے بہت سے اداروں کو موجودہ بحران سے نکال سکیں اور ساتھ ہی آبی خدمات کی توسیع

اور اصلاح بھی کر سکیں تاہم ان فوائد کا حصول ابھی دور کی بات ہے کیونکہ ترقی پذیر ممالک میں طلب آب کے انتظام کی تاریخ بڑی مختصر ہے۔ پہلے سے ادا شدہ فیس کے ذریعے پانی کی قیمت کا حصول طلب آب کے انتظام کے اوزاروں میں سب سے زیادہ متنازعہ چیز ہے۔ اسے بہتر بازار جیسی دستاویز کی ضرورت ہے تاکہ پائیداری میں اضافہ ہو، آمدنی بڑھے اور مناسب قیمتوں کا تعین ہو سکے بالخصوص غریبوں کے لیے۔ طلب آب کے انتظام کے اوزار کے طور پر پانی کی قیمتوں کے نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ نہ صرف شہری مسائل کو پوری طرح سمجھا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے ادارے موجود ہوں جو اس بات کو یقینی بنائیں کہ جن پر اصلاحات کی ذمے داری ڈالی جا رہی ہو وہ ان پر عملدرآمد کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں اور خواہش بھی۔

مشرق وسطیٰ میں زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام ایک محور کی کردار ادا کرتا ہے، قانون سازی سے لے کر بنیادی سماجی رویوں کی تشکیل تک۔ اس لیے آبی مسائل کے انتظام کا کوئی بھی حل تلاش کرتے ہوئے اس خطے کی اسلامی حیثیت کو سامنے رکھنا ہوگا۔ زیر نظر باب اسلام کے تناظر میں آبی حقوق اور قیمتوں کی تعین کے معاملات پر بحث کرتا ہے اور مشرق وسطیٰ میں انتظام آب کے اسلامی پس منظر کا خاکہ پیش کرتا ہے۔

معاشی نظریہ، آبی تجارت اور قیمتوں کا بگاڑ

پانی کے موجودہ ذرائع سے محدود فراہمی اس بات کا سبب بنی ہے کہ ان نئے ذرائع کو ترقی دی جائے جو زیادہ فاصلے پر واقع ہوں اور مہنگے بھی ہوں (World Bank ۱۹۹۳ء)۔ خاص بات یہ ہے کہ نئے آبی منابع کے اوپر آنے والے مارجینل اخراجات (Marginal Costs) خاصے بھاری ہیں۔ مثلاً الجزائر اور مصر میں نئے آبی منابع کی لاگت موجودہ منابع پر آنے والی لاگت سے دوگنی یا تین گنی ہے (World Bank ۱۹۹۲ء)۔

معاشیات کے اصول بتاتے ہیں کہ پانی کی قیمت ایسی مقرر کرنی چاہیے جو آبی وسیلے کو اگلی وسعت دینے کے مارجینل اخراجات کے برابر ہو۔ بہر کیف تاریخی اعتبار سے پانی لاگت سے کم یا مفت فراہم کیا جاتا رہا ہے۔ اکثر و بیشتر پانی کے نرخ اس طرح مقرر کیے جاتے ہیں کہ مارجینل لاگت کی وصولیابی نہیں ہوتی۔ اس کے بجائے اوسط مالیاتی اخراجات یا اس سے بھی کم کی وصولیابی کی جاتی ہے۔ اس کا بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ قیمت جو محض لاگت کی وصولیابی تک محدود ہے، ماضی کی لاگت کی عکاسی کرتی ہے جبکہ مارجینل لاگت کی بنیاد پر قیمتوں کا تعین مستقبل کی لاگت پر مبنی ہوتا

ہے۔ اس لیے اوسط لاگت پر قیمتوں کا تعین بے ضرورت استعمال کی حوصلہ افزائی کر سکتا ہے۔ مزید یہ کہ بہت سے مقامات پر ایک مقررہ رقم وصول کی جاتی ہے یا بتدریج کم ہوتے ہوئے ہلاک ریٹ ڈھانچوں کا استعمال ہوتا ہے جن سے پانی کی بچت کے لیے کوئی ترغیب نہیں ملتی (Bronstro ۱۹۹۸ء)۔ بروسنرو نے (۱۹۹۸ء) تجویز پیش کی ہے کہ ہمہ گیر فراہمی آب کے مثبت مفروضے پر نظر ثانی کی جائے اور یہ کہ معاشی بنیادوں پر قیمتوں کا تعین کیا جائے جس کے نتیجے میں قلت آب کے مارے ہوئے شہروں میں قیمتوں کی شرح میں خاصا اضافہ ہونے کا امکان ہے۔

پائیداری کا لب لباب یہ ہے کہ پانی ایک کمیاب معاشی وسیلہ ہے اس وجہ سے پانی کی قیمت میں صرف سیدھی سیدھی لاگت یعنی اس کی ترسیل پر آنے والے خرچ ہی کو شامل نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس میں ماحولیات پر منفی اثرات اور ماضی کے بے جا استعمال کے ازالے کی گنجائش بھی رکھنا چاہیے۔ لیکن ماحول پر مرتب ہونے والے اثرات کی قیمت کا تعین خاصہ متنازعہ معاملہ ہو سکتا ہے کیونکہ قدرت کے آبی نظام کے فائدوں مثلاً مچھلیوں، جانوروں اور پودوں کی حیات، آب و ہوا میں اعتدال اور جمالیاتی قدر و قیمت کو بازار میں فروخت نہیں کیا جاتا (Bronstro ۱۹۹۸ء)۔ پانی کے لیے جو قیمت وصول کی جاتی ہے اس میں ان فوائد سے محرومی کا مالی شکل میں کوئی ازالہ شامل کرنا ممکن نہیں۔

آج کے جدید حوالے سے موثر انتظام کے لیے پانی کو جمع کرنے اور تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ آبی وسائل اور متعلقہ ڈھانچے کی دیکھ بھال بھی ضروری ہے۔ ان سب کاموں پر کچھ خرچ آتا ہے جس کی وصولی کے لیے قیمتوں کا مناسب تعین لازمی ہے۔ محصولات کو وصول کرنے کے مقابلے میں قیمتوں کا تعین اکثر آسان ہوتا ہے۔ پانی جیسی ضروری شے کے محصولات بڑھانے سے طاقتور سماجی و سیاسی قوتیں بنگامہ کھڑا کر سکتی ہیں۔ پانی پر زراعت کی وجہ سے اگر ایک بااثر اقلیت اکثریت کے نقصان کے باوجود فائدے اٹھاتی ہے تو زراعت ختم کرنا انتہائی مشکل کام ہو سکتا ہے۔ جب قیمتوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے، مارکیٹ میں مقابلے کا رجحان ختم ہو جائے اور مفاد عامہ کی اشیاء کی نجی شعبے میں تجارت ہونے لگے تو ماہرین معاشیات کی نظر میں یہ منڈیاں ”نا کام“ ہیں (Panayotou ۱۹۹۳ء)۔ جکارٹہ میں شہری ۸۰ لاکھ آبادی کے اندازاً ۲۰ فی صد لوگ بلدیہ کے پائپوں سے کنکشن لیے ہوئے ہیں جبکہ باقی لوگ نجی کنوؤں پر انحصار کرتے ہیں یا نجی آب فروشوں سے پانی خریدتے ہیں۔ اگرچہ کنوؤں کا پانی تقریباً مفت ہوتا ہے لیکن یہ آلودہ اور غیر محفوظ ہوتا ہے۔ اس کے زیادہ استعمال سے عمومی صحت کے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں، زیر زمین آبی ذخائر کا پانی کم ہو جاتا ہے اور زمین دھسنے لگتی ہے (Bronstro ۱۹۹۸ء)۔ کرین (Crane ۱۹۹۳ء) کا کہنا ہے کہ جکارٹہ میں جن

لوگوں کو بلدیہ کے پائپوں سے پانی نہیں ملتا وہ ان لوگوں کے مقابلے میں جنہیں ملتا ہے، پانی کی قیمت ۶ تا ۱۴ گنا زیادہ ادا کرتے ہیں۔ قیمتوں میں اس طرح کا فرق عام ہے: Bahl and Linn (۱۹۹۲ء) نے مختلف ممالک میں پانی بیچنے والوں کی قیمت اور بلدیہ کے محاصل کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے جس کے مطابق نجی آب فروشوں کی قیمتی بورکینا فاسو میں تین سے پانچ گنا زیادہ، گھانا میں ۱۳ سے ۲۵ گنا زیادہ کینیا (نیروبی) میں ۷ سے ۱۰ گنا زیادہ اور یوگینڈا (کمپالا) میں ۴ سے ۱۰ گنا زیادہ ہیں۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ جکارا میں جو لوگ مہنگا پانی خریدتے ہیں وہ بہت کم پانی خرچ کرتے ہیں یہ نسبت ان لوگوں کے جو سستا خریدتے ہیں۔ اول الذکر ۱۳ لیٹر یومیہ فی فرد بمقابلہ موخر الذکر ۶۲ لیٹر یومیہ فی فرد۔ زیادہ قیمت میں خریدنے والے صارفین بالعموم اس پانی کو پینے اور کھانا پکانے میں استعمال کرتے ہیں۔ دوسرے مقاصد کے لیے کنوئیں کا پانی استعمال ہوتا ہے۔

مارکیٹ کا اس قسم کا ڈھانچہ اقلیت کے لیے تو مفید ہو سکتا ہے لیکن ماحول، پانی کی تقسیم کے اداروں اور عام گاہکوں کے لیے مسائل کا سبب بن جاتا ہے۔ پانی کے فروخت کنندگان بلدیہ کے نلکوں سے پانی لے کر قیمتوں میں اچھے خاصے اضافے کے ساتھ اسے فروخت کرتے ہیں۔ اس مارکیٹ میں داخلہ تو قواعد و ضوابط کے تحت ہوتا ہے لیکن قیمتوں پر کوئی مؤثر کنٹرول نہیں ہے۔ اس لیے قیمتیں بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہیں اور فروخت کنندگان اپنی اجارہ داری کا خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اسلام ایسے طریقوں کی ممانعت کرتا ہے جو وابستہ مفادات کو جنم دیں اور قیمتوں کی اصلاح میں رکاوٹ بنیں۔ اس کے برخلاف زیر زمین پانی تک رسائی پر کنٹرول نہیں ہے۔ اس لیے اس پانی کا کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ بہت سے غریب لوگ اونچی قیمتوں اور غیر معیاری پانی کے درمیان کسی ایک کے انتخاب کا سامنا کرتے ہیں۔ اگر انہیں گھروں میں کنکشن مل جائیں تو وہ زیادہ فائدے میں رہیں گے کیونکہ نجی فروخت کنندگان سے پانی خریدنے والے عام گاہک اپنا بلدیہ کے پانی کا خرچ ۵ گنا بڑھا لیں تب بھی ان کا پانی کا بل اس سے کم ہی آئے گا جو وہ نجی فروخت کنندگان سے اس کی خرید پر صرف کر رہے تھے۔ مگر بہت سے لوگ بلدیہ کے پانی کے نظام سے کنکشن نہیں لے پائے کیونکہ اول تو انہیں پانی کی فراہمی کے متبادل طریقہ کار کا علم ہی نہیں ہوتا۔ دوسرے قرضوں کی بندشیں، دفتری رکاوٹیں اور سرکاری اہلکاروں کی بدعنوانیاں ان کے راستے میں حائل ہو جاتی ہیں (Lovei & Whittington ۱۹۹۳ء؛ Crane ۱۹۹۴ء)۔ ایک اور مسئلہ جو بلدیہ کے فراہمی آب کے نظام میں حائل ہے وہ پانی کے رساؤ اور چوری کا ہے جس کے ذریعے ۵۰ فیصد سے بھی زیادہ پانی کھو دیا جاتا ہے (Bhattia & Falkenmark ۱۹۹۳ء)۔

اسلام میں پانی کی قیمتوں کا تعین

پانی کے حقوق اور قیمتوں کے تعین پر اسلامی تناظر میں بحث کرنے سے پہلے اسلامی شریعت میں دولت کی ملکیت کے تصور کو سمجھ لینا چاہیے۔ اسلام میں جائیداد ایک سماجی عمل ہے یعنی دولت کا مالک اللہ ہے اور انسان اس کا منتظم ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ اس میں اضافہ کرے اور اسے مناسب طریقے سے استعمال کرے۔ لفظ دولت (عربی زبان میں مال) کی اپنی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ محض ایک تعلق کا نام ہے۔ قرآن کریم میں اس کی وضاحت یوں آئی ہے ”اے ایمان والو! خرچ کرو اس (مال) کو جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے“۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ”بے شک جو دولت ہم نے تم کو عطا کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے کیونکہ اس نے اسے تخلیق کیا ہے۔ اُس نے تم کو محض اس کا مہتمم بنایا ہے اور اس سے استفادہ کرنے کی اجازت دی ہے۔“

بہر حال اس کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسلام جائیداد کی ”خارجیت“ کو ظاہر کر کے معاشی ترغیبات میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ وہ بنیادی طور پر ذاتی ترغیبات اور بہترین معاشرتی مصالح کے درمیان ایک توازن قائم کرتا ہے۔ اسلام میں معاشی تصور انعام کی بنیاد پر ہے۔ ایک شخص کو اس کے کام پر انعام ملنا چاہیے اور کام بڑے اعزاز کی بات ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ”اگر کوئی شخص مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے تو وہ اسی کی ملکیت ہے...“^۲

مارکیٹ کی ترغیبات معیشت کو آگے بڑھاتی ہیں۔ حکومت کو مارکیٹ میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے سوائے غیر منصفانہ مقابلے اور حرام طریقوں کو روکنے کے لیے۔ مسلمان علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام حکومت کو چیزوں کی قیمتیں مقرر کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور ان چیزوں میں پانی بھی شامل ہے۔ مارکیٹ خود قیمتیں مقرر کرتی ہے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے بڑھتی ہوئی قیمتوں کے بارے میں شکایت کی اور درخواست کی کہ ان کو مناسب سطح پر لے آئیں۔ آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ”نرخ کم و بیش کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہی تنگی یا فراخی پیدا کرنے والا ہے، وہی سب کا روزی رساں ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ کوئی مجھ سے جان و مال کے ظلم اور حق تلفی کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو“۔^۳ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت کے مطابق عام حالات میں قیمتوں کا تعین نہیں کرنا چاہیے۔ تاہم بعد میں ہم بتائیں گے کہ اس قاعدے کی مستثنیات بھی موجود ہیں۔

دولت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اساسی ملکیت اور انسانوں کی انتظامی ملکیت میں فرق

کرنے میں دوہرا فائدہ ہے۔ پہلا یہ کہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ خود کو، اپنی چیزوں کو، دوسروں کو یا ماحول کو نقصان پہنچائے۔ دوسرا یہ کہ معاملات کی بجا آوری میں کوئی شخص دولت کے وسائل کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور نہ عوامی مفادات کے مقابلے میں ذاتی مفادات کو ترجیح دے سکتا ہے۔ اسلام معاشرتی عدل کو فروغ دینے اور بدعتوں انہوں کا قلع قمع کرنے کے لیے ذاتی طور پر عائد کی جانے والی اخلاقی پابندیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور پھر اخلاقی ضابطوں کے نفاذ کے لیے شرعی قوانین کا پورا نظام پیش کرتا ہے۔

دولت پیدا کرنے کے ذرائع سے معاملہ کرتے وقت اسلام کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ دولت کی غیر مساویانہ تقسیم کو ختم کیا جائے تاکہ یہ (محض) تمہارے درمیان دولت مند لوگوں ہی میں نہ گردش کرتی رہے۔^{۱۲} اس لیے اسلامی شریعت آبی وسائل کے انتظام کے سلسلے میں کام کا انعام اور عوامی مفاد دونوں کے درمیان ایک توازن قائم کرنا چاہتی ہے۔ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”مسلمانوں کا تین چیزوں میں یکساں حصہ ہے؛ گھاس، پانی اور آگ“^{۱۳} آپ نے پانی بیچنے کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ حضرت عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ ”ہمیں یہ نہیں معلوم کہ حضور کا فرمان قدرتی رواں پانی کے بارے میں تھا (یعنی دریا، جھیل وغیرہ) یا جس پانی کو منتقل کیا جائے (اضافی قیمت کے ساتھ)۔“ بہر حال، بیشتر مسلم علماء متفق ہیں (Zouhaili ۱۹۹۲ء) کہ پانی کو دوسری اشیاء کی طرح فروخت کیا جا سکتا ہے۔ ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”جو کوئی رومہ کے کنویں کو خرید کر مسلمانوں کو اس کا پانی بلا معاوضہ دے گا اسے اللہ تعالیٰ بہشت عطا کرے گا“^{۱۴} اس حدیث نبوی سے صاف ظاہر ہے کہ کنوؤں کی بھی تجارت ہو سکتی ہے اور اس کے پانی کی بھی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ”تم میں سے کسی کے لیے بھی یہ بہتر ہے کہ وہ رسی لے اور (جنگل سے) لکڑیاں کاٹے پھر اپنی پیٹھ پر لاد کر لے جائے اور اسے فروخت کرے (اپنی روزی کمانے کے لیے) بمقابلہ اس کے کہ وہ کسی دوسرے شخص کے آگے ہاتھ پھیلائے اور وہ دوسرا شخص اُسے کچھ دے یا انکار کر دے“^{۱۵} پس مسلمان علماء اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ پانی کو، لکڑی اور دوسری عام اشیاء کی طرح فروخت کیا جا سکتا ہے اور اس کی تجارت ہو سکتی ہے (Zouhaili ۱۹۹۲ء)۔

اگر گہرائی میں جائیں تو بیشتر مسلمان علماء آبی وسائل کو تجارتی مقاصد کے لیے تین اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔ (Sabeq ۱۹۸۱ء؛ Zouhaili ۱۹۹۲ء)۔ نجی مال، محدود عام مال اور عام مال۔ جو پانی بڑے نجی ٹینکوں میں رکھا جائے، نجی تقسیمی نظام کے تحت ہو اور بڑے ذخائر میں محفوظ کیا گیا ہو اُسے نجی مال سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کنوؤں اور دریاؤں سے خصوصی آلات کے ذریعہ نکالا

گیا پانی یا تقسیمی نظام کی کمپنیوں سے حاصل کیا ہوا پانی بھی شامل ہے۔ یہ پانی اس کے مالک کا ہے اور اس کی اجازت کے بغیر استعمال نہیں ہو سکتا۔ مالک کو اختیار حاصل ہے کہ چاہے خود استعمال کرے، تجارت کرے، فروخت کرے یا عطیہ دے دے۔ یہ پانی اگرچہ نجی ہے تاہم کوئی ضرورت مند مالک کی اجازت سے اسے استعمال کر سکتا ہے۔ اسی طرح صاف کیے ہوئے پانی کی بھی خرید و فروخت ہو سکتی ہے کیونکہ کسی تنظیم کی طرف سے اس کی صفائی پر روپیہ بھی خرچ کیا گیا ہے اور کچھ کام بھی کیا گیا ہے (اضافی قدر یا کام کا انعام)۔ اس حکم کے دائرے میں وہ پانی آجاتا ہے جو صفائی کے پلانٹ سے آیا ہو یا نجی طور پر لایا اور اکٹھا کیا گیا ہو یا جس کے حصول کے لیے کچھ کام کیا گیا ہو، بنیادی ڈھانچہ کھڑا کیا گیا ہو یا کسی طرح کی معلومات سے استفادہ کیا گیا ہو۔

پانی کے ذخائر یا ذرائع مثلاً جھیل، نہریں اور چشمے جو نجی زمینوں میں واقع ہوں، انہیں محدود عام مال تصور کیا جائے گا۔ یہ پانی ملکیت کے وسیع تر مفہوم کے مطابق مالک کا نہیں ہے۔ ہاں اس کے مالک کو دوسرے استعمال کنندگان کے مقابلے میں خصوصی حقوق اور اختیارات حاصل ہوں گے۔ مثال کے طور پر دوسرے لوگ اس پانی کو پینے اور دوسری بنیادی ضروریات کے لیے استعمال کر سکتے ہیں لیکن وہ مالک کی اجازت کے بغیر اسے صنعتی یا زرعی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتے۔ تاہم شافعی مسلک میں جو کوئی کنواں کھودتا ہے وہی اس کے پانی کا مالک ہوتا ہے اس لیے اس کو پہلی قسم میں ڈالا جاسکتا ہے یعنی نجی مال۔

دریاؤں، جھیلوں، گلیشیر، زیر زمین پانی کے ذخائر اور سمندر کا پانی۔ اس کے علاوہ بارش اور پگھلی ہوئی برف کا پانی، عام مال کے درجے میں آتا ہے۔ ہر شخص کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اس پانی کو پینے اور صنعتی یا زرعی مقاصد کے لیے مناسب طریقے سے استعمال کرے مگر شرط یہ ہے کہ اس سے ماحولیات یا عوامی بہبود میں خلل نہ پڑے۔ اس پانی کو نجی استعمال کے لیے پائپوں، نہروں اور بڑی ٹینکیوں کے ذریعے دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے۔ حکومت کو اس پانی کے استعمال کو اس وقت تک نہیں روکنا چاہیے جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس کے استعمال سے عوامی بہبود کے کاموں کو نقصان پہنچے گا یا اس کی ناجائز تجارت ہو رہی ہے۔ اس قسم کے پانی کو نجی مفاد کے حصول کے لیے نہ تو فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ خریدا جاسکتا ہے (Zouhaili، ۱۹۹۲ء)۔ تاہم اگر اس پانی پر کچھ خرچ کیا گیا ہے مثلاً صفائی، ذخیرہ اور ترسیل پر، تو اب اس پر ہونے والے خرچ کو وصول کرنے کے لیے اس کی فروخت ہو سکتی ہے اور منافع بھی لیا جاسکتا ہے۔

ہر چند کہ شریعت اسلامی نے قیمت کے تعین یا مارکیٹ پر کنٹرول کے بارے میں قواعد و ضوابط

کی تفصیلات نہیں دی ہیں، تاہم اس نے ایسے عمومی اصول ضرور بتائے ہیں جو کسی مال تجارت بشمول پانی کی قیمتوں کے تعین کے بارے میں رہنمائی کرتے ہیں۔ ان رہنما اصولوں کا خلاصہ ذیل میں دیا جا رہا ہے (Sabeq ۱۹۸۱ء؛ Zouhaili ۱۹۹۲ء):

• قرآن کریم کی روح اور احادیث کی روشنی میں مسلمان علماء پانی مفت فراہم کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو انعام دے گا جو ایسا کرتے ہیں۔ تاہم وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نجی پانی کے مالک پر دباؤ نہ ڈالا جائے کہ وہ مفت پانی تقسیم کرے سوائے اس انتہائی مجبوری کی صورت میں جبکہ پانی کا کوئی دوسرا وسیلہ موجود نہ ہو اور ان حالات میں بھی مالک کو منصفانہ معاوضہ ملنا چاہیے۔

- نجی اور محدود نجی پانی کی خرید و فروخت بھی دوسری اشیاء کی طرح ہو سکتی ہے۔
- جو پانی عام مال کی حیثیت رکھتا ہو اسے بیچا نہیں جاسکتا۔
- قیمتوں کا تعین مارکیٹ خود کرے گی۔

بیشتر علماء متفق ہیں کہ اگر پانی کا تاجر اپنے رویے سے مارکیٹ کو نقصان پہنچاتا ہے یا عوامی بہبود میں رکاوٹ ڈالتا ہے تو حکومت کو مداخلت کر کے قیمتوں کا تعین خود کرنا چاہیے (Sabeq ۱۹۸۱ء)۔ مسلمان علماء کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر تاجر اور صارفین کے مفادات میں تصادم ہو تو صارفین کے مفادات کو ترجیح دی جائے۔ علماء اس پر بھی متفق ہیں کہ اسلام قیمتیں بڑھانے یا منافع بڑھانے کے لیے مارکیٹ میں سٹے بازی یا جوڑ توڑ کی اجازت نہیں دیتا۔ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”جو کوئی مسلمانوں کے معاملات میں دخل ہوتا ہے تاکہ قیمتوں کے تعین میں گڑبڑ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ میں ڈال دے گا“^۵

قیمتوں کے تعین سے طلب آب کے انتظام کا نفاذ

اسلام اس آزاد تجارت کی حمایت کرتا ہے جس کی بنیاد دستیابی، انصاف اور سماجی عدل ہو۔ اس لیے معاشرے میں پانی کی قیمتوں کا تعین باقی دنیا سے مختلف نہیں ہے۔ بھانیا وغیرہ (Bhattia et al. ۱۹۹۵ء) طلب آب کے انتظام کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ کوئی اقدام جس کے نتیجے میں استعمال ہونے والے تازہ پانی کی مقدار میں کمی آئے مگر صارف کے اطمینان میں کمی واقع نہ ہو اور نہ اس کی کارکردگی میں۔ اس قسم کے اقدامات میں جو پائیداری سے مطابقت رکھتے ہیں، مارکیٹ اور مارکیٹ کے باہر کی ترغیبات کے علاوہ اداروں پر توجہ مرکوز کرنا بھی شامل ہیں۔

مارکیٹ کی ترغیبات

مارکیٹ کی پالیسیوں کا مقصد نجی ترغیبات کو سماجی عدل سے ہم آہنگ کرنا ہے۔ اس طرح حکومت کی طرف سے رابطے اور کنٹرول کی ضرورت کم ہو جاتی ہے۔ انتہائی راست مارکیٹ کی ترغیب قیمت ہے کیونکہ صارفین اپنے ذاتی اخراجات کے پیش نظر مارکیٹ کے رویے بدل دیتے ہیں۔ قیمت کی ترقی پذیر ممالک میں وہی اہمیت ہے جو دوسری کسی جگہ ہوگی۔ قیمت کے حوالے سے طلب کی چمک مسلسل منفی اور قابل لحاظ چلی آتی ہے جو منفی ۰.۳ء سے منفی ۰.۷ء کے درمیان بدلتی رہتی ہے اور اوسطاً منفی ۰.۴۵ء رہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تمام باتیں یکساں ہوں تو پانی کی قیمت میں ۱۰ فیصد اضافے سے طلب آب میں ۴.۵ فیصد کمی واقع ہو سکتی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود بہت سے ممالک میں ابھی تک یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ پانی کی قیمتیں اس کی مانگ کا تعین کرنے میں کوئی قابل ذکر کردار ادا نہیں کرتی ہیں کیونکہ پانی کے بل، گھر کے کل اخراجات اور کل صنعتی پیداوار کی لاگت کے مقابلے میں بہت کم ہوتے ہیں (Cestti et al. ۱۹۹۶ء)۔

عجیب بات یہ ہے کہ سرکاری پائپوں کے ذریعہ فراہمی آب کی قیمت بڑھانے سے درحقیقت غریبوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے جو عام پانی بیچنے والے کو اونچی قیمتیں ادا کرتے ہیں مگر اس کے لیے لازمی ہے کہ انہیں بلدیہ کے نظام سے کنکشن مل جائیں۔ فراہمی آب کا اگلا منصوبہ موجودہ منصوبے کے مقابلے میں دو تین گنا مہنگا ہوگا۔ چونکہ قیمتوں میں پہلے ہی زراعت شامل ہوتا ہے، اس لیے پوری لاگت کے مطابق قیمتوں کے تعین کا مطلب یہ ہوگا کہ پانی کی شرح چھ، سات گنا بڑھ جائے گی (Bronsro ۱۹۹۸ء)۔ بہر حال، ان غریبوں کے لیے جو سرکاری شرح کے مقابلے میں پہلے ہی پانچ تا دس گنا زیادہ قیمتیں ادا کر رہے ہیں، اب بھی سوچ بچار کی گنجائش رہتی ہے (Arlosoroff ۱۹۹۳ء)۔

مارکیٹ کی بنیاد پر دوسرے راست عمل انگیزوں (Catalysts) میں صنعتوں میں پانی کی بچت کی ٹیکنالوجی میں سرمایہ کاری پرنیکس میں کمی، گھروں میں کم پانی کے استعمال کی مشینری پرنیکس کی چھوٹ کے علاوہ قرضے، بلوں میں کٹوتی اور فنی تعاون شامل ہیں۔ آخر میں مارکیٹ کے طریقہ کار کے مطابق پانی کی موقع کے لحاظ سے قیمت کی نشاندہی کا طریقہ پانی کا ٹیلام، پانی کی منڈیاں اور قابل تجارت پانی کے حقوق ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں چلی وہ واحد ترقی پذیر ملک تھا جہاں پانی کی منڈیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے جامع قوانین کا سیٹ موجود تھا (Bhattia et al. ۱۹۹۵ء)۔

بہر حال منڈی کے طریقہ کار کو کنٹرول کے بغیر نہیں چھوڑا جاسکتا کیونکہ پانی ایک انتہائی ضروری شے ہے اور غریبوں کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اس تک رسائی کی ضمانت ہونی

چاہیے۔ اس مسئلے پر یہاں بحث نہیں کی جا رہی ہے۔ یہ مزید تحقیقات کا موضوع بن سکتا ہے۔

ادارہ جاتی مرکز توجہ

ادارہ جاتی کلچر مثبت بھی ہو سکتا ہے اور منفی بھی، مددگار بھی ہو سکتا ہے اور مائع بھی۔ جیسا کہ پچھلے حصوں میں بتایا گیا ہے کہ مسلم معاشروں کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ وہاں طلب آب کے انتظام کا کوئی مناسب کلچر نہیں ہے، وہاں اس کے نفاذ کی مہم ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ بجائے خود ایک اہم موضوع ہے اور مزید مطالعہ چاہتا ہے۔

اداروں کے بارے میں غور و فکر کا مطلب یہ ہے کہ ادارہ جاتی تبدیلیوں کی ارتقائی نوعیت کو تسلیم کیا جائے اور بین الاقوامی مالیاتی اداروں نے تاریخی اعتبار سے جتنا وقت لیا تھا اس کی بہ نسبت زیادہ وقت کا لیا جانا تسلیم کیا جائے۔ پانی کی ترقیاتی راہ میں ادارہ جاتی اصلاح پر اصرار کوئی نئی چیز نہیں ہے؛ عالمی بینک گذشتہ تیس سال سے مقامی اصلاح اور تعمیر گنجائش کو فروغ دینے پر کام کر رہا ہے۔ بہر حال، روایتی طریقہ کار میں بے صبری یا تھامس کیلائی (Thomas Callaghy ۱۹۹۳ء) کی اصطلاح میں ”تجزیاتی جلد بازی“ کا فرما ہے۔ یہ اداروں کو پہلے سے مصدقہ اور مقررہ تصور کرتی ہے جو اختیار رکھنے کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نافذ بھی کر سکتے ہیں اور حقوق کے ضامن بھی ہیں۔ روایتی مالی نقطہ نگاہ میں ادارہ جاتی عناصر کو شامل کرنے سے ان مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔ اس میں نظریے کو معاشی تاریخ میں ضم کرنا پڑے گا جیسا کہ مرڈال (Myrdal ۱۹۷۸ء) اور دوسروں نے کہا ہے۔ کیلائی (Callaghy ۱۹۹۳ء) کا اصرار ہے کہ امدادی اداروں کو تسلیم کرنا چاہیے کہ ترقی پذیر ممالک میں تبدیلی آہستہ اور ناہموار طریقے سے آتی ہے اور وہ پیچیدہ عوامل پر منحصر ہوتی ہے۔ نفاذ کا سخت کام ہنوز شروع نہیں ہوا ہے۔ طلب آب کے انتظام کے ابتدائی قدم کے طور پر قیمتوں کے تعین میں کامیابی اس بات پر منحصر ہے کہ ”ایک نئی ثقافتی سوچ کہ پانی ایک محدود وسیلہ ہے جس کے لیے خطے کے لوگوں کو قیمت ادا کرنی چاہیے“، کو فروغ دیا جائے (NRC ۱۹۹۵ء)۔

اگرچہ اسلام آبی وسائل کے منصفانہ اور موثر انتظام کے لیے رہنما ہدایات اور اصولوں کا ایک مربوط مجموعہ پیش کرتا ہے تاہم بے شمار ممالک کو مارکیٹ کی ناکامی، نئے خیالات میں رکاوٹوں، اداروں کو مرکز توجہ بنانے سے گریز اور غیر منصفانہ تقسیم آب کے مسائل کا سامنا ہے۔ اسلامی اصولوں کا نفاذ بتدریج اور تبدیلی کے طویل عمل کے ذریعہ ہونا چاہیے۔

حواشی

- ۱۔ ۲:۲۵۴۔
- ۲۔ الموطأ۔
- ۳۔ ابوداؤد ۳۲۵۲۔
- ۴۔ ۵۹:۷۔
- ۵۔ ابوداؤد ۳۲۷۸۔
- ۶۔ احمد ۵۲۴ (Hadith Encyclopedia)۔
- ۷۔ البخاری ۱۴۵۳۔
- ۸۔ احمد ۱۹۴۲۶ (Hadith Encyclopedia)۔

REFERENCES

حوالے

زحیلی، و۔ (۱۹۹۲ء) الفقہ و دلالت [فقہ اور اس کا ثبوت]، دارالمشرق، دمشق۔
سابق، ایس۔ (۱۹۸۱ء) فقہ السنۃ، (تیسرا ایڈیشن)، دارالفکر، بیروت۔

- Arlosoroff, S. (1993), "Water Demand Management in Global Context: A Review from the World Bank," in D. Shrubsole and D. Tate (eds.), *Every Drop Counts: Proceedings of Canada's First National Conference and Trade Show on Water Conservation, Winnipeg, Manitoba*, Canadian Water Resources Association, Cambridge, Ont.
- Bahl, R. W. and Linn, J. F. (1922), *Urban Public Finance in Developing Countries*, Oxford University Press, New York.
- Bhatia, R. and Falkenmark, M. (1993), *Water Resources Policies and the Urban Poor: Innovative Approaches and Policy Imperatives*, World Bank, Washington, D.C.
- Bhattia, R., Cestti, R., and Winpenny, J. (1995), *Water Conservation and Reallocation: Best Practice Cases in Improving Economic Efficiency and Environmental Quality*, World Bank, Washington, D.C.
- Bronsro, A. (1998), "Pricing Urban Water As a Scarce Resource: Lessons from Cities around the World," in *Proceedings of the CWRA Annual Conference, Victoria, B.C., Canada*, Canadian Water Resources Association, Cambridge, Ont.
- Callaghy, T. M. (1994), "State, Choice and Context: Comparative Reflections on Reform and Intractability," in D. E. Apter and C. C. Rosberg (eds.), *Political Development and the New Realism in Sub-Saharan Africa*, University of Virginia Press, Charlottesville.
- Cestti, R., Guillermo, Y., and Augusta, D. (1996), *Managing Water Demand by Urban Water Utilities*, World Bank, Washington, D.C.
- Crane, R. (1994), "Water Markets, Market Reform and the Urban Poor: Results from Jakarta, Indonesia," *World Development* 22 (1), pp. 71–83.

- Hyden, G. (1983), *No Shortcuts to Progress*, University of California Press, Berkeley.
- Lovei, L. and Whittington, D. (1993), "Rent Extracting Behavior by Multiple Agents in the Provision of Municipal Water Supply: A Study of Jakarta, Indonesia," *Water Resources Research* 29 (7), pp. 1965-74.
- Myrdal, G. (1978), "Institutional economics," *Journal of Economics Issues* 21, pp. 1001-38.
- NRC (National Research Council) (1995), *Mexico's City Water Supply. The Outlook for Sustainability*, National Academy Press, Washington, D.C.
- Panayotou, T. (1993), *Green Markets: The Economics of Sustainable Development*, ICS Press, San Francisco.
- Serage El-Din, I. (1994), *Water Supply, Sanitation, and Environmental Sustainability: The Financing Challenge*, World Bank, Washington, D.C.
- World Bank (1992), *World Development Report, 1992: Development and the Environment*, World Bank, Washington, D.C.
- (1993), *Water Resources Management, Policy Paper*, World Bank, Washington, D.C.

اسلام میں پانی اور زمین کی ملکیت اور منتقلی

دانٹے لے کاپونیرا

چونکہ اسلام کا آغاز ایک صحرائی خطے سے ہوا جہاں آبی وسائل کی بڑی اہمیت تھی اور وہیں اس نے نشوونما بھی پائی، اس لیے اسلامی شریعت کے ماخذ اور علماء پانی کی ملکیت اور منتقلی اور اراضی کے قبضے کے بارے میں بہت کچھ بتاتے ہیں۔ صرف ماحول ہی اس کا سبب نہیں تھا۔ اس کا تعلق اسلام کے مزاج سے بھی تھا جو توحید پر مبنی مذہب ہے اور جو انسانوں کے رویوں کو اللہ کے احکامات کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔

پیغمبر خدا حضرت محمد ﷺ سے قبل، دور جہالت میں عرب میں پانی کے بارے میں کوئی قاعدے قانون رائج نہیں تھے۔ کنویں یا تو پورے قبیلے کی ملکیت ہوتے تھے یا پھر اس شخص کے ہوتے تھے جس کے آباؤ اجداد نے انہیں کھودا تھا۔ ہر دو صورتوں میں کنویں کے مالک خواہ قبیلے والے ہوں یا کوئی ایک فرد، اجنبی قبائل سے پانی کھینچنے کی فیس لیتے تھے خواہ وہ قبائل خود اپنے پینے کے لیے پانی لے رہے ہوں یا اپنے جانوروں کے لیے (Caponera ۱۹۷۳ء)۔ جنونی عرب میں جہاں پانی وافر تھا، پانی کی ملکیت انفرادی تھی اور لاتعداد الاٹیوں کے درمیان منقسم ہوتی تھی۔ پانی بیچنا ایک عام بات تھی۔ عام طور پر بستی کی آبادیوں اور خانہ بدوشوں، سب میں پانی کی قلت تھی اور اس کی ملکیت پر اکثر خونیں جنگاں ہو جاتے تھے۔ طاقت ہی قانون تھا۔

دوسری طرف، پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے سخاوت کو بہت بڑی نیکی قرار دیا۔ اس میں بد نصیبوں کی امداد ہی نہیں مادی اشیاء سے لائق بھی شامل تھی۔ یوں اس عمومی اصول سے شروع کرتے ہوئے

اور کلام اللہ کے مطابق کہ ”پس جو کوئی ذرہ بھریگی کا کام کرے گا وہ دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرہ بھر برائی کرے گا وہ بھی دیکھ لے گا“! پیغمبر خدا ﷺ نے پانی میں شراکت کو نیکی کا عمل قرار دیا۔ جو بالآخر بہت سے امور میں ایک شرعی فریضہ بن گیا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ پانی تک رسائی مسلمان برادری کا حق ہے۔ کسی مسلمان کو پانی کے لیے محتاج نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن کریم نے اس حق کو تسلیم کرتے ہوئے ایک عمومی کلیہ دے دیا ہے کہ ”ہم نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا ہے“۔^۲

مزید برآں، پیغمبر خدا ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ”مسلمانوں کی تین چیزوں میں برابر کی حصہ داری ہے؛ گھاس، پانی اور آگ“^۳ اور پانی پر حق ملکیت جتانے کی کوشش سے باز رکھنے کے لیے آپ نے اس کو بچنا ممنوع قرار دے دیا۔ (Yahya ibn Adam ۱۸۹۶ء، ص: ۷۵)۔ اس حدیث نبوی کے الفاظ یہ ہیں ”اللہ کے نبی کریم ﷺ نے فاضل پانی کی فروخت کو منع فرمایا ہے“۔^۴ ان حدیثوں کی بنیاد پر بعض مصنفین کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا کہ پیغمبر خدا ﷺ نے لوگوں کے درمیان پانی کے استعمال کی ایک برادری قائم کر دی تھی (Van Den Berg ۱۸۹۶ء، ص: ۱۲۳)۔

پیغمبر ﷺ کی کوشش تھی کہ کمیونٹی کے تمام اراکین کو پانی تک رسائی حاصل ہوتا کہ یہ صرف ایک شخص کے قبضے میں نہ چلا جائے اور وہ اس کی ذخیرہ اندوزی نہ کرنے لگے۔ آپ ہی کی ہدایت پر حضرت عثمانؓ نے رومہ کا کنواں خریدنا اور اسے عام مسلمانوں کے فائدے کے لیے وقف (مذہبی مقاصد اور عوامی بہبود کے کاموں کے لیے اجتماعی ملکیت) قرار دے دیا۔ آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ جو خطہ اراضی بلندی پر ہو پہلے اس کی آبپاشی کی جائے اور نیچے کی اراضی پر آبپاشی بعد میں ہو۔ پانی کی ذخیرہ اندوزی کو روکنے کے لیے آپ نے حکم دیا کہ پانی کی مقدار صرف اس قدر بچائی جائے جو ٹخنوں سے اوپر نہ جاسکے۔ اس کے علاوہ پیغمبر خدا ﷺ نے تسلیم کیا کہ نہروں، کنوؤں اور دوسرے آبی وسائل کی ملکیت، آس پاس کے کچھ خطہ اراضی یا جگہ کی جسے حریم کہا جاتا ہے، ملکیت بھی بخشی ہے۔ اس زمین پر نئے کنوئیں کھودنے کی ممانعت کی گئی ہے تاکہ پہلے سے موجود کنوؤں کا پانی نہ کم ہو اور نہ اس کا معیار خراب ہو (Yahya ibn Adam ۱۸۹۶ء، ص: ۷۵)۔

مذکورہ اساسی ہدایات کے علاوہ جو تمام مسلمان مذہبی رسوم، فرقے اور مکاتب فکر کی تفریق کے باوجود تسلیم کرتے ہیں، بعد کی احادیث میں کچھ دوسرے اصول بھی ملتے ہیں جن کی صحت یا کم از کم تشریح میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسلام کے دو بڑی شاخوں سنی اور شیعہ سے تعلق رکھنے والے علماء نے پیغمبر خدا حضرت محمد ﷺ کی احادیث کے مخفی مفہوم کی توضیح کرتے ہوئے ان اصولوں کو ان مقامی

معاملات کے سلسلے میں اپنایا ہے جو زیادہ پیچیدہ صورت حال کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ بالخصوص ان مسائل کے بارے میں جیسے پیاس بھانے کا حق، آبپاشی اور پانی اور اراضی کی فروخت یا منتقلی۔

حق عطش

قانونی اعتبار سے حق عطش کا مطلب یہ ہے کہ پانی سے اپنی پیاس بجھائی جائے یا جانوروں کو پانی پلایا جائے۔ یہ حق مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے لیے تسلیم کیا گیا ہے۔

سُنئیوں کے نزدیک، حق عطش کا اطلاق ہر جگہ کے پانی پر ہوتا ہے (Al-Wanscharisi ۱۹۰۹ء، ص: ۲۸۳)۔ بہر کیف یہ اصول بطور عوامی بہبود کا کام، تصور کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کا انحصار اس پر ہے کہ پانی کس کٹیگری سے تعلق رکھتا ہے۔ سُنئی نظریے کے مطابق پانی کی تین کٹیگریز یا قسمیں ہیں (نچی مال، محدود عوامی مال اور عوامی مال) جن کی تفصیل اس کتاب کے قدوسی، جبار اور نہدی کے تحریر کردہ باب میں دی گئی ہے۔ دوسری طرف شیعہ طرز فکر کے مطابق حق عطش صرف سرکاری پانی تک محدود ہے (ایسا پانی یا وسیلہ آب یا کنواں جس کا کوئی مالک نہ ہو)۔ جہاں تک نجی ملکیت کے پانی کا تعلق ہے، اس کے مالک کے علاوہ کسی دوسرے کو اس کے استعمال کا حق نہیں ہے اور اگر کوئی یہ پانی لے لیتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ مساوی مقدار میں واپس کرے (Query ۱۸۷۲ء، دفعات ۶۹ تا ۷۳)۔

آبپاشی

سُنئی نظریے کے مطابق کمیونٹی کے حقوق صرف پانی کے بڑے منبع پر نافذ ہوتے ہیں (Ali ibn Muhammad ۱۹۰۳ تا ۱۹۰۸ء، ص: ۳۱۳)۔ تاہم ان میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ جھیل کا پانی بغیر کسی اعتراض کے آبپاشی کے لیے استعمال ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس سے کمیونٹی کو نقصان نہ پہنچے اور بارش کا وہ پانی جو ایسی زمین پر برستا ہے جس کا کوئی مالک نہیں، ہر کوئی آبپاشی کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ پانی سے قریب ترین زیر کاشت زمین کے مالک کی سب سے پہلی ترجیح ہے۔ اگر پانی کے نزدیک کئی زیر کاشت زمینیں ہیں تو پھر کسی کو کسی پر ترجیح حاصل نہیں ہے تاہم اس کا پہلا حق ہوگا جس کی فصلوں کو پانی کی اشد ضرورت ہے۔ (Ahmad ibn Husain ۱۸۵۹ء، ص: ۹۰۰؛ Khalil ibn Ishak ۱۸۷۸ء، پیرا ۱۶، ۲۰، ۲۲، ۲۳)۔

جہاں تک عام افراد کے آبپاشی کے حقوق کا تعلق ہے اس میں مسائل پیدا ہو سکتے ہیں اور سُنئی

فقہ میں یہ مختلف قوانین کے تابع ہیں جن کا انحصار اس بات پر ہے کہ کیا یہ حقوق ان چھوٹے دریاؤں کے پانی کے بارے میں ہیں جس میں پانی کو مطلوبہ سطح تک لانے کے لیے اس کا ذخیرہ کرنا لازمی ہو جاتا ہے یا نہروں، کنوؤں یا چشموں اور بارش کے پانی کے سلسلے کے ہیں۔

چھوٹے دریاؤں کے لیے پانی کو مطلوبہ سطح تک بلند کرنے کے لیے ذخیرہ کرنا لازمی ہو جاتا ہے (Ali ibn Muhammad ۱۹۰۳ تا ۱۹۰۸ء، ص: ۳۱۳، ص: ۳۲۲)۔ آپاشی کے حقوق دو عمومی اصولوں کے تحت چلتے ہیں۔ جب پانی کیباب ہو تو پہلے ان زمینوں کی آپاشی کی جائے جو بالائی دریا کے نزدیک ہیں مگر پانی کی مقدار اتنی لی جائے جس سے اس کی سطح ٹخنوں سے اوپر تک نہ پہنچے ورنہ کوئی بھی شخص اپنی من مانی کرتے ہوئے مرضی کے مطابق آپاشی کر لے گا (Khalil ibn Ishak ۱۸۷۸ء؛ پیرا ۱۹ تا ۲۱)۔

جہاں تک پانی کی اس مقدار کا تعلق ہے جو بالائی دریا کے ساتھ کی زمینوں کا مالک زیریں دریا کے آس پاس کی زمینوں کی آپاشی کے لیے چھوڑے گا، شافعی فقہ کے مطابق صرف فاضل پانی (یعنی وہ پانی جو زمینوں کو سیراب کرنے کے بعد کھیتوں میں کھڑا رہے) واپس کیا جائے۔ لیکن مالکی فقہ میں یہ ہے کہ بالائی زمینوں کا مالک اپنی زمینوں کو پانی دینے کے بعد مصنوعی طریقے سے روک نہیں سکتا بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ باقی پانی زیریں زمینوں کے لیے چھوڑ دے اور یہ انتظار نہ کرے کہ اس کے کھیت اسے بھی جذب کر لیں۔ اگر اس کے نتیجے میں زیریں زمینیں زیر آب آجائیں تو اگر اس میں اس کی نیت نقصان پہنچانے کی نہیں تھی اور اس میں اس کی لا پرواہی کو بھی دخل نہیں تھا تو اس پر واجب نہیں ہے کہ وہ نقصان پورا کرے (Ali ibn Muhammad ۱۹۰۳ تا ۱۹۰۸ء، ص: ۳۱۵)۔

آپاشی کی نہریں ان لوگوں کی مشترکہ ملکیت ہیں جنہوں نے انہیں تعمیر کرایا ہے اور صرف انہی کو ان نہروں سے آپاشی کا حق حاصل ہے (Ali ibn Muhammad ۱۹۰۳ تا ۱۹۰۸ء، ص: ۳۱۶؛ Al-Wanscharisi ۱۹۰۹ء، ص: ۲۸۵)۔ دوسرے تعمیراتی کاموں (مثلاً کارخانے، پل وغیرہ) کے لیے تمام شریک مالکان کی اجازت لازمی ہے (Ali ibn Muhammad ۱۹۰۳ تا ۱۹۰۸ء، ص: ۳۱۶؛ Al-Wanscharisi ۱۹۰۹ء، ص: ۲۸۵)۔ استعمال کا طریقہ کار تمام متعلقین کی باہمی رضامندی سے طے کیا جائے (Ibn' Abidin ۱۸۶۹ء، ص: ۴۳۹)۔

کنواں کھودنے والا، خواہ وہ اپنی زمین پر کھود رہا ہو یا خالی پڑی ہوئی زمین پر، جو ہی کنویں کی کھدائی مکمل کرتا ہے، اس کے پانی کا مالک بن جاتا ہے۔ (Ali ibn Muhammad ۱۹۰۳ تا ۱۹۰۸ء،

ص: ۳۲۱)۔ استعمال کے ذریعہ حق ملکیت کا تصور بھی موضوع گفتگو ہے (Muhammad ibn Ali) ۱۹۲۳ء، ص: ۱۶۹)۔ کنویں کا مالک آپاشی کے حقوق کا تنہا مالک ہے اور اس کے لیے لازم نہیں ہے کہ وہ دوسری زمینوں کی آپاشی کے لیے پانی فراہم کرے (Ahmad ibn Husain ۱۸۵۹ء، ص: ۹۱-۹۰؛ Khalil ibn Ishak ۱۸۷۸ء، پیرا ۱۸، ۱۹؛ Ali ibn Muhammad ۱۹۰۳ تا ۱۹۰۸ء، ص: ۳۱۹-۳۲۰)۔

مالکی مکتب فکر کے لوگ اس پر زور دیتے ہیں کہ کسی ایسے کنویں کے مالک کو جس کا کنواں بیٹھ گیا ہو اور جس میں خود اس کی اپنی کوئی غلطی نہ ہو، فالٹو پانی تختتاً دینا فرض ہے اور اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاسکتا۔ تاہم اگر کنواں اس کی اپنی لاپرواہی سے بیٹھ گیا ہو تو اب وہ پانی قیمتاً لے سکتا ہے۔ (Khalil ibn Ishak ۱۸۷۸ء، پیرا ۱۸، ۱۹؛ Malik ben Anas ۱۹۱۱ء، ص: ۱۹۰ تا ۱۹۱) شافعی مسلک میں فالٹو پانی دوسروں کے کھیتوں کی آپاشی کے لیے دنیا ہر حال میں فرض ہے۔ حنیفوں کے نزدیک پانی کے مالک پر کسی قسم کا کوئی فرض نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص خالی زمین پر چشمہ کھودتا ہے یا پہلے سے موجود چشمے کو بہتر بناتا ہے تو اس کو بلا شرکت غیرے اس کے پانی سے آپاشی کا حق حاصل ہے (Ali ibn Muhammad ۱۹۰۳ تا ۱۹۰۸ء، ص: ۳۲۱) اور بارش کا پانی اس زمین کے مالک کا ہے جس کی زمین پر بارش ہوئی ہے۔ (Khalil ibn Ishak ۱۸۷۸ء، پیرا ۱۶ء اور ۲۰)۔ لیکن ان زمینوں کی آپاشی کے لیے جہاں فصلیں تباہ ہو جانے کا خطرہ ہو، چشمے یا بارش کا پانی کسی صورت میں بھی روکا نہیں جاسکتا۔

آپاشی کے حقوق کے بارے میں اہل تشیع کا عام اصول یہ ہے کہ تمام حقوق اس شخص کو حاصل ہیں جو زیر بحث وسیلہ آب کا قانونی مالک ہے اور اس پر کسی اور کا کوئی دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ جہاں کئی مالک ہوں تو ان کے درمیان پانی کی تقسیم اس پر منحصر ہوتی ہے کہ وہ وسیلہ آب چشمہ ہے کہ کنواں یا بارش؛ ایک مصنوعی نہر ہے یا قدرتی دریا۔

جب چشموں، کنوؤں اور بارش کا پانی اتنا زیادہ ہو کہ ہر ایک کی ضروریات پوری ہو رہی ہوں یا جب مالکان اس پر متفق ہوں کہ وسائل کس طرح استعمال میں لائے جائیں، پھر تو کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پانی کی تقسیم قطعاً زمین کے سائز کے تناسب سے ہوگی مگر اس کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ زمین کا محل وقوع کیا ہے۔ (Query ۷۲، دفعہ ۷۲)۔ اس کے برعکس مصنوعی نہر کا پانی نہر کھودنے والوں کی ملکیت ہوتا ہے اور انہیں آپاشی کا حق اسی تناسب سے حاصل ہوتا ہے جس تناسب سے سرمایہ لگایا گیا ہو (بچھلا حوالہ دفعہ نمبر ۷۵)۔ قدرتی دریا یا ندی کے معاملے میں

بالائی حصہ کے مالکان زمین کو پانی استعمال کرنے کا پہلا حق ہے۔ اور اس کی حدیوں مقرر کر دی گئی ہے: فصلوں کے لیے، جبکہ پودے پانی سے ڈھک گئے ہوں؛ درختوں کے لیے، ان کا نچلا تنا زپر آب ہو اور کھجور کے درختوں کے لیے، جب پانی تنے کی اونچائی تک پہنچ جائے۔ بالائی حصہ کے مالک کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ آبپاشی کے مروجہ طریقوں سے اپنی فصلوں کی مکمل سیرابی کئے بغیر نچلی زمینوں تک پانی کو پہنچنے کے لیے چھوڑ دے چاہے ایسا کرنے سے نچلے حصے کی زمین کے مالکان کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے (پچھلا حوالہ دفعات ۷۷، ۷۶)۔

پانی کی ملکیت منتقلی اور فروخت

سنی عقیدہ رکھنے والوں میں مالکی اور شافعی مسالک کے ماننے والے اس اصول پر عمل پیرا ہیں کہ سوائے اس کنویں کے پانی کے جسے موسیثیوں کو پانی پلانے کے لیے کھودا گیا ہو، باقی ہر طرح کے فراہم شدہ پانی کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق بیچے یا صرف کرے (Khalil ibn Ishak ۱۸۷۸ء، دفعہ نمبر ۱۲۲۰ پیرا نمبر ۱۶، ۱۷؛ Malik ben Anas ۱۹۱۱ء، ص: ۱۲۲؛ Ali ibn Muhammad ۱۹۰۳ تا ۱۹۰۸ء، ص: ۳۲۰)۔ البتہ فروخت کا مقصد پہلے سے معلوم اور طے شدہ ہونا چاہیے۔ دوسری جانب، حنفی اور حنبلی مکاتب فکر کے نزدیک پانی صرف اس صورت میں بیچا جاسکتا ہے جب کہ اسے برتنوں میں رکھا گیا ہو۔ (Ibn' Abidin ۱۸۶۹ء، ص: ۴۴۱)۔

اس کے برعکس آبپاشی کا حق زمین کے ساتھ منسلک ہے اور زمین کے بارے میں جو بھی معاملہ کیا جائے آبپاشی کے حق کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اگر مالک زمین کو فروخت کر دے اور آب پاشی کا حق اس میں شامل نہ ہو تو ایسے معاملے میں مختلف مسالک میں آبپاشی کے حق کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ فقہ حنفی آبپاشی کے حق کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے مطابق یہ تو صرف وراثت میں ہی منتقل ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک فرد اپنے کسی آبپاشی کے حق کو کسی دوسری زمین کے ساتھ منسلک کر سکتا ہے جس کے ساتھ ایسا کوئی حق نہیں ہو۔ یہ دوسری زمین پہلے سے اس کی ملکیت ہو سکتی ہے یا اس نے اسے بعد میں حاصل کیا ہو اور اس کے بعد وہ زمین کے ساتھ حق آبپاشی بھی فروخت کر سکتا ہے۔ اس طرح زمین زیادہ قیمتی ہو جاتی ہے (Ibn' Abidin ۱۸۶۹ء، ص: ۴۴۱)۔ اس کے برخلاف مالکی حضرات آبپاشی کے حق کے سلسلے میں پوری آزادی دیتے ہیں۔ بالخصوص وہ بیچنے کے حق کو تسلیم کرتے ہیں البتہ پانی کے استعمال کے حق کو چند مخصوص دنوں کے لیے محفوظ رکھتے ہیں۔ وہ

آپاشی کے اوقات میں شراکت داری فروخت کرنے کا حق بھی تسلیم کرتے ہیں جبکہ خود حق آپاشی کو اپنے لیے محفوظ رکھتے ہیں اور اس کی فروخت یا کرایہ پر دینے کے اختیار کو زمین کی ملکیت سے جدا رکھتے ہیں (Malik ben Anas ۱۹۱۱ء، ۲۲-۱۰:۱۴۱)۔

دوسری طرف شیعہ اصولوں کے تحت پانی کو صرف وزن سے یا ناپ کر بیچا جاسکتا ہے یعنی کسی بڑے برتن یا ٹینک کے ذریعہ۔ ان کے بغیر پانی کی منتقلی ناممکن ہے کیونکہ ”کھلے پانی میں بیرونی کثافتیں شامل ہو جانے امکان رہتا ہے۔“ (Query ۱۸۷۲ء، دفعہ نمبر ۶۷)۔

ملکیت اراضی اور آبی حقوق

اسلام کا آغاز کسی انتظامی ڈھانچے کے ساتھ نہیں ہوا۔ اس لیے اس کا ارتقاء رسم و رواج کی بنیاد پر ہوا۔ زمین کی ملکیت جس طرح اسلام میں آج پائی جاتی ہے، زیادہ تر مسلمانوں کے اراضی کے ان قوانین کے مطابق طے پاتی ہے جو مسلمانوں کی فتوحات کے بعد کی صدیوں میں تشکیل پائے۔ ان کی بنیاد عمومی طور پر بازنطینی نظریے پر تھی جس کے تحت ریاست کا حکمران اعلیٰ ترین صاحب الملاک ہوتا تھا۔

ارضی کے ٹیکس کے قواعد نبی کریم ﷺ کی دی ہوئی عمومی مثالوں کی روشنی میں بنتے گئے۔ کل آبادی دو حصوں میں منقسم تھی، مسلم اور غیر مسلم یا ذمی۔ مسلمان جو ٹیکس دیتے تھے وہ عشر (دسواں حصہ) کہلاتا تھا جو تیار فصل کی قیمت کا ۵ تا ۱۰ فیصد کے درمیان ہوتا تھا اور اس کا انحصار اس پر ہوتا تھا کہ زمین کی آپاشی (قدرتی یا مصنوعی طور پر) کی گئی تھی یا نہیں۔ ذمیوں کو دو مختلف اقسام کے ٹیکس دینا ہوتے تھے جزیہ اور خراج جو جلد ہی بالترتیب افرادی ٹیکس یعنی تحفظ مہیا کرنے کا معاوضہ اور اراضی ٹیکس کے مطلب میں لیا جانے لگا۔

مسلمان فقہانے ریاست کو مسلم اُمہ کا لقب دے دیا اور اُمت کے مصدقہ نمائندے کو امام کہا جو پہلے خلیفہ کہلاتا تھا اور بعد میں سلطان کہلایا۔ ائمہ اصولی اعتبار سے، روایتی قانون کے مطابق نجی زمینوں (’امیری’ جائیداد جس پر مالک کو تصرف کا کلی اختیار ہوتا تھا) کی آپاشی کے لیے پانی کی تقسیم پر کوئی قانونی اختیار یا طاقت نہیں رکھتے تھے۔ تاہم ان کا اقتدار اس پانی پر تھا جو ’امیری’ جائیداد سے وابستہ تھا یعنی وہ جائیداد جو کل اُمت مسلمہ کی اجتماعی ملکیت تھی۔

’امیری’ جائیداد کی اصل مالک ریاست ہے جبکہ زمیندار کا رتبہ محض ظاہری مالک کا ہے۔ وہ اس جائیداد کو فروخت کر سکتا ہے، کرائے پر اٹھا سکتا ہے، رہن رکھ سکتا ہے یا مالکانہ حقوق منتقل کر سکتا

ہے لیکن وصیت کے ذریعہ کسی اور کے نام نہیں کر سکتا۔ عملی طور پر جائیداد بیٹوں کو ورثے میں مل سکتی ہے اگرچہ ابتداء میں اس کی اجازت نہیں تھی لیکن اگر کوئی وارث نہ ہو تو پھر جائیداد ریاست کو واپس چلی جاتی ہے۔ ریاست اس کی نگرانی کا حق رکھتی ہے۔ یہ اصول کہ جو اراضی کاشتکاری کے لیے دی جائے اس کے حصول کنندہ یا قابض فرد پر لازم ہے کہ اُسے کاشتکاری ہی کے لیے استعمال کرے اور سرکاری محصولات ادا کرتا رہے، درست قرار دیا گیا۔ ایسی اراضی کی منتقلی اسی صورت میں قانونی حیثیت اختیار کر سکتی ہے جبکہ ریاست یا اس کے نمائندے اس کی تصدیق کریں۔

اجتماعی ملکیت کی بہت سی شکلیں ہیں۔ ان میں سب سے اہم النوات، البوات یا المشاء، الخراج اور الوقف ہیں۔ النوات، البوات یا المشاء غیر آباد ”مردہ زمین“ کو کہتے ہیں۔ انہیں سعودی عرب، عراق، اردن، لبنان اور شام میں مسلم کمیونٹی کی اجتماعی ملکیت تصور کیا جاتا ہے۔ زمین کی اس قسم کی ملکیت کسی فرد کو اس کے قبضے میں شراکت داری کی اجازت دیتی ہے کیونکہ یہ گاؤں یا قبیلے کی اجتماعی ملکیت ہوتی ہے لیکن کسی بھی فرد واحد کو مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہوتے۔ ایک گردش نظام کے تحت ہر فرد کو باری باری ہر سال ایک مختلف حصہ مل جاتا ہے۔ اگرچہ خلیفہ کا یہ اختیار مطلق سب تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اس غیر آباد زمین کے قطعات کسی کو بھی عطا کر سکتا ہے اور وہ یا تو زمین اور اس پر واقع پانی کے منبعوں دونوں کی ملکیت تفویض کر دے یا زمین اور پانی کے حقوق علیحدہ علیحدہ کسی کے نام کر دے۔ تاہم مختلف فقہی مکاتب فکر نے دوسرے تصورات پر بھی کام کیا ہے۔ حنفیوں کا دعویٰ ہے کہ حاکم وقت کی اجازت کے باوجود غیر آباد اراضی پر نجی قبضہ نہیں جمایا جاسکتا۔ مالکیوں کا کہنا ہے کہ وہ اراضی پر جو آباد کی جا چکی ہو، حاکم وقت کی اجازت سے نجی ملکیت ہو سکتی ہے (Malik ben Anas ۱۹۱۱ء؛ ۱۹۵؛ ۱۵)۔

الخراج یا مفتوحہ اراضی آباد اور زرخیز زمین ہوتی ہے اس پر خراج عائد کیا جاتا ہے۔ ایسا تمام مفتوحہ زمینوں پر ہوتا آیا ہے۔ وہاں سے حاکم وقت آباد کاروں کو نڈو نکالتا ہے اور نہ ان کی زمینوں کو ضبط کرتا ہے خواہ انہوں نے اسلام قبول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ چونکہ یہ مسلم کمیونٹی کی جائیداد ہے اس لیے ان زمینوں کا انتظام خلیفہ خود کرتا ہے۔ مالک، اصولی طور پر، جائیداد کا پوری طرح مالک نہیں ہوتا وہ صرف ثمری تصرف کا حقدار ہوتا ہے۔ مسلمان انتظامی افسران ان زمینوں پر پانی کے بارے میں ہر سوال کے لیے جواب دہ ہوتے تھے۔

الوقف وہ زمین ہے جو ریاست کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس سے ہونے والی آمدنی ریاست کی آمدنی ہوتی ہے جسے متبرک اور کار خیر کے اداروں کے لیے وقف کر دیا جاتا ہے مثلاً مسجد، قبرستان،

فواروں، اسکولوں وغیرہ وغیرہ کے لیے۔

موجودہ صورت حال

اسلام میں پانی کے وسائل عوامی ملکیت (سرکاری یا عوامی اختیار میں) ہوتے ہیں۔ اس سے پانی کی مناسب دیکھ بھال اور انتظام میں سہولت ہوتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ زیادہ تر مسلمان ملکوں نے جہاں حال میں آبی قوانین نافذ کیے گئے ہیں، پانی کو ریاستی یا عوامی اختیار میں دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پانی کے استعمال کے لیے اجازت نامہ یا معاہدہ درکار ہے۔ ان اجازت ناموں کے ذریعہ جو عارضی ہوتے ہیں (ایک سال تا ۵۰ سال) انتظامیہ وہ تمام شرائط نافذ کر سکتی ہے جو اپنے مستقبل کے منصوبوں کے لیے یا عوامی مفاد میں ضروری سمجھتی ہے۔

یہی طریقہ کار شرح پانی، فیس یا دوسرے مالی مطالبات کی ادائیگی کے وقت اختیار کیا جاتا ہے۔ اگر اصولی طور پر پانی پرنٹس عائد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے تو آبی خدمات یا سرکاری اجازت کے ساتھ مختلف مقاصد کے لیے پانی کی فراہمی پرنٹس لگانا قطعاً جائز ہے اور بہت سے مسلمان ممالک میں یہی معمول رہا ہے۔

پانی کے ناظم اس کی منتقلی کے معاملے کو بھی اپنی مرضی کے مطابق چلا سکتے ہیں۔ یہ بعض مخصوص حالات میں پانی کے استعمال کے حق کو ایک جگہ سے کم کر کے دوسرے کو دے سکتے ہیں۔ اگر ناظمین استعمال کنندگان کے ایک گروپ سے جائز مقاصد کے لیے تمام وسائل آب واپس لے لیں تو ان کو اس کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ اس کے لیے مناسب وجوہات موجود ہوں اور محروم کئے جانے والوں کو معاوضہ بھی دیا جائے۔

اسلام پانی کی تجارت پر کوئی پابندی نہیں لگاتا۔ پانی چونکہ عوام کی ملکیت ہے اس لیے اس کو منتقل تو نہیں کیا جاسکتا لیکن اس کے استعمال کو منتقل کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک استعمال کنندہ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اگر اس کے پاس پانی کے استعمال کا اجازت نامہ یا معاہدہ موجود ہے تو وہ یہ پانی کسی دوسرے چھوٹے یا بڑے استعمال کنندہ کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے بشرطیکہ ناظم جو سرکاری پانی کا ٹرسٹی ہے اجازت دے دے۔

مسلمان ملکوں میں غیر مربوط آبی قوانین اور بے عمل آبی ادارے ہی آبی وسائل کی بدانتظامی کے ذمہ دار رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی جامع قانون سازی اور اس کے نفاذ کے لیے مناسب ادارے موجود نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر زیر زمین پانی اور بالخصوص اٹھلے زیر زمین آبی

ذخائر کے پانی کی آلودگی جو بغیر صاف کئے ہوئے ضائع شدہ پانی کی ملاوٹ سے پیدا ہو جاتی ہے، پر کنٹرول کے لیے قانون سازی کی ضرورت ہے۔ اسی طرح، پرمٹ کے طریقہ کار کی بھی ضرورت ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ اخراج کی سطح اور معیار کو قائم رکھتے ہوئے آلودگی پر کنٹرول کیا جائے۔ علاوہ ازیں، یہ انتہائی ضروری ہے کہ آبی حقوق کی ایسی جامع انتظامیہ بنائی جائے جو پانی کے ہر طرح کے استعمال پر کنٹرول رکھے۔ ۲۰ نومبر ۱۹۹۶ء کو عمان میں اقوام متحدہ کے معاشی و سماجی کمیشن برائے مغربی ایشیا (ESCWA) کے ماہرین کے گروپ کی ایک میٹنگ آبی قانون سازی کے موضوع پر منعقد ہوئی تھی اس میں فیصلہ کیا گیا کہ ”پانی اور اس سے متعلق دوسری کارروائیوں کے ضابطہ نگار، ترقی اور انتظام کے مربوط نظام کے لیے ایک موثر قانونی ڈھانچہ بنانے سے ہی پانی کے بارے میں مربوط انتظام اور ترقی ممکن ہے۔“ (ESCWA ۱۹۹۶ء)۔ آبی قوانین کی منظوری جس میں آبی وسائل کے انتظام پر زور دیا گیا ہو تمام مسلمان ملکوں میں فی الحقیقت لازمی ہے اور آبی وسائل اور اس کے تمام تر پہلوؤں کے باقاعدہ انتظام کی راہ میں اسلام کے مذہبی اصول حارج نہیں ہیں۔

حواشی

- ۱۔ ۸۰:۹۹۔
- ۲۔ ۳۰:۲۱۔
- ۳۔ ابوداؤد ۳۲۷۸۔
- ۴۔ مسلم ۳۹۵۸۔
- ۵۔ البخاری ۲۰۱۰۲ (Hadith Encyclopedea)۔
- ۶۔ البخاری ۳۰۵۵۰۔
- ۷۔ البخاری ۲۰۱۰۳۔

REFERENCES

حوالے

- ابن عابدین، (۱۸۶۹ء، ۱۲۹۶ھ) الدر المختار، جلد ۵، بلاق۔
 • لک بن النسی (۱۹۱۱ء) الموطا، جلد ۱۵، ترجمہ ایف۔ میلیئر، اے جازن، الجزائر۔
 محمد بن علی السبوسی (۱۹۲۳ء)، شفاء الصدر (مسائل الاشریہ صدر)، جلد ۸، مطبع قدور بن مراد الشری، الجزائر۔

Ahmad ibn Husain, Abu al-Shuja, al Isbahani (1859), *Précis de jurisprudence*

- musulmane selon le rite des Chaféites*, tr. Keijzer, E. J. Brill, Leiden.
- Ali ibn Muhammad, al Mawardi (1903–8), *Traité de droit public musulman*, tr. L. Oshorog, Leroux, Paris.
- Al-Wanschansi, Ahmad (1909), *La pierre de touche des Fetwas*, tr. E. Amar, vol. 2, Leroux, Paris.
- Caponera, Dante A. (1973), *Water Laws in Moslem Countries*, FAO Publications 20, no. 1, Organisation. Food and Agriculture Organisation, Rome.
- ESCWA (UN Economic and Social Council, Secretariat) (1996), *Water Legislation in Selected ESCWA Countries*, Publication E/ESCWA/ENR/1996/WG II/WP, ESCWA, Amman.
- Féliu, E. (1909), *Etude sur la législation des eaux dans la Chebka du Mzab*, Mauguin, Blinda.
- Khalil ibn Ishak, al-Jundi (1878) *Code musulman par Khalil, rite Malékite*, tr. N. Seignette, A. Jourdan, Algiers.
- Querry, A (1872). *Recueil des lois concernant les musulmans Schytes*, vol. 2, Imprimerie Nationale, Paris.
- Van Den Berg, L. W. C. (1896), *Prncipes du droit musulman selon les rites d'Abou Hanifah et de Chafei*, tr. De France and Damiens, Algiers.
- Yahya ibn Adam (1896), *Kitab al kharadj: Le livre de l'impôt foncier*, E. J. Brill, Leiden.

ایران میں پانی کی منڈیاں اور قیمتوں کا تعین

حکاظم صدر

عرب میں ایک ایسی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد سے جو حتی الامکان شرعی قوانین پر کاربند رہنے کی کوشش کرتی ہے، پانی کی منڈی نے پانی کی فراہمی اور تقسیم کے حوالے سے بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے اور جیسے جیسے مسلمان ممالک کی معیشت ترقی کر رہی ہے منڈی کا یہ کام بھی مسلسل جاری ہے۔ اس باب میں آبی بازار کے ڈھانچے اور رویے کے حوالے سے ایران کے تجربے پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اسلامی انقلاب سے پہلے اور بعد کے دور کے اُن نئے طریقوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو مبادلے اور قیمتوں کے تعین کی متبادل صورتوں کی شکل میں سامنے آئے ہیں۔

آبی وسیلے کی ملکیت اور استفادے کے حقوق

آبی وسائل کی ملکیت کے حقوق کی اسلامی شریعت یا زیادہ بہتر الفاظ میں، اسلامی فقہ کی کتابوں میں تشریح کی گئی ہے ان کے ساتھ ہی کانوں کی ملکیت کے حقوق کا ذکر بھی ملتا ہے۔ آخر الذکر کو دو گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اول اٹھلی یا ”کھلی“ کانیں، دوئم گہری یا ”داخلی“ کانیں۔ پانی کو

میں اپنے رفیق کار جناب اسے نوری اسفند یاری کا شکر گزار ہوں جنہوں نے یہ مضمون لکھنے میں میری ہمت افزائی کی۔ انہوں نے جو خیالات اور معلومات بہم پہنچائیں وہ مضمون میں جگہ جگہ موجود ہیں تاہم جو غلطیاں ان میں درآئی ہیں ان کا میں خود ذمہ دار ہوں۔ میں ڈاکٹر ایچ خمیری کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس باب کی ادارت اور حوالوں کی تلاش میں کافی وقت صرف کیا۔ مزید برآں بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC) کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ”عالم اسلام میں آبی وسائل کے انتظام“ کے موضوع پر ورکشاپ میں شرکت کا موقع فراہم کیا۔

بالعموم اول الذکر گروپ میں ڈالا جاتا ہے اور اسی کے ساتھ اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ فقہا کا اس پر اجماع ہے کہ زیر زمین اور بالائے زمین دونوں قسم کے آبی وسائل یا تو عوام کی ملکیت ہیں (Ibn Barraji ۱۴۱۰ھ تا ۲۵۸۲:۶) یا ”انفال“ کا حصہ ہیں یعنی ایسے امام کی ملکیت ہیں جو عادل اور شرعی حاکم ہو۔ حکومت ان پر براہ راست عمل داری کر سکتی ہے یا انہیں نجی کارندوں کو پٹے پر دے سکتی ہے۔ (Kolaini ۱۳۸۸ھ تا ۱:۵۳۸)۔

ان وسائل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اگر کوئی حصہ دار سرمایہ کاری کرتا ہے تو اسے اس طرح حاصل شدہ پانی کے استعمال پر نجی ملکیت یا ترجیحی حق حاصل ہو جاتا ہے لیکن وہ دریا یا پانی کے اس ذخیرے پر کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا جہاں سے پانی آرہا ہو۔ کنویں، قنوات (کئی کنویں جن کی تہیں ڈھلوان سطحوں کی نہروں کے ذریعہ آپس میں ملی ہوتی ہیں۔ ان نہروں میں پانی کشش ثقل کی وجہ سے ایک کنویں سے دوسرے کنویں کی طرف بہتا ہے) یا چینلز جو پانی تک رسائی حاصل کرنے کے لیے سرمایہ کاری کی متبادل شکلیں ہیں، سرمایہ کار کی نجی ملکیت ہوتے ہیں۔ وہ پانی بھی جو ان میں پمپ کیا جاتا ہے یا ان سے بہہ کر آتا ہے، سرمایہ کار ہی کی ملکیت ہوتا ہے۔ لیکن آبی وسیلہ آبادی کی مشترکہ ملکیت ہوتا ہے۔

اگرچہ آبی منبع کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا تاہم بعض موقعوں پر منبع کی نوعیت کے حساب سے کوئی فرد اس سے پانی نکالنے یا استعمال کرنے کے لیے خصوصی حقوق حاصل کر سکتا ہے۔ اس نوعیت کی مختلف صورتوں کا بیان آگے دیا جا رہا ہے۔

آبی منابع پر حقوق کی اقسام

پہلی بات تو یہ ہے کہ سمندر، جھیل اور بڑے بڑے دریا اسلامی شریعت کے مطابق عام ملکیت ہوتے ہیں اور کسی کو حق نہیں ہے کہ ان پر اجارہ داری کرے۔ طوسی (تاریخ نامعلوم ۲۸۲:۳) نے اس نکتے پر تمام فقہاء کا اجماع بتایا ہے۔ ایران کے دیوانی قانون (دفعہ نمبر ۱۵۵) اور اسلامی جمہوریہ ایران کے آئین (دفعہ نمبر ۴۵) نے اس نکتے کی توثیق کی ہے۔ بہر حال، ان منابع سے پانی کی فراہمی بالعموم طلب سے زیادہ ہوتی ہے اس لیے کوئی بھی ان کے لیے خصوصی یا ترجیحی حقوق حاصل نہیں کرتا۔ ہر ایک کو پانی لینے کے یکساں حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

پھر، اگر پانی قدرتی طور پر بغیر کسی کوشش یا سرمایہ کاری کے چشموں یا نہروں سے بہہ نکلتا ہے تو یہ بھی اسی طرح سب کی مشترکہ ملکیت ہوتا ہے۔ لیکن آبادی میں اضافے یا معاشی ترقی کے نتیجے

میں ان منبجوں سے پانی کا بہاؤ بہت جلد طلب سے کم ہو سکتا ہے۔ اس لیے مختص کاری کی شرائط کی وضاحت ضروری ہے۔ بعض فقہانے اس کی بنیاد ”پہلے آؤ پہلے پاؤ“ بنائی ہے۔ کوئی بھی فرد جو دوسروں کے مقابلے میں پہلے پانی کے بہاؤ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے وہ پانی کے استعمال میں ترجیحی حق حاصل کر لے گا۔ تاہم زیر زمین یا بالائے زمین پانی کے ذخیرے آبادی کی مشترکہ ملکیت ہی رہیں گے۔

اس قاعدے کی بنیاد کہ جو پہلے آئے سو پہلے پائے دراصل اس حدیث نبویؐ پر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کوئی فرد جو دوسروں کے مقابلے میں پہلے کسی ملکیت کو زیر استعمال لاتا ہے وہی اس کا زیادہ حقدار ہوتا ہے (Beihaqi تاریخ نامعلوم: ۶: ۱۳۲؛ Noori: ۶: ۱۳۰۸ھ ۶: ۶)۔ پھر بھی یہ ترجیحی حق استعمال کنندہ کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ پانی پر قبضہ جمائے کیونکہ منبع ہنوز سب کی ملکیت ہے اور یہ ترجیحی حق دوسروں کے حقوق کی نفی نہیں کرتا۔ یہاں یہ بتانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے کہ پہلے آؤ پہلے پاؤ کے تحت ملنے والا استحقاق مکمل ملکیت کا حق نہیں دیتا۔

اگر ایک مشترکہ ملکیت کے منبع سے پانی کی فراہمی تمام شراکت داروں کی جائز مانگ کو بھی پورا نہ کر سکے تو پھر اس کی تقسیم کیونکر ہونی چاہیے؟ بعض فقہانے مشورہ دیا ہے کہ قرعہ اندازی کر لی جائے۔ بعض دوسروں نے منبع سے فاصلے کی بنیاد پر ترجیحات قائم کی ہیں تاکہ یکے بعد دیگرے سب کھیتوں کی آبپاشی ہو جائے۔ اس طرح سب سے زیادہ دوری پر واقع کھیت کو آخری قطرے مل جائیں گے۔ نجفی (۱۳۹۲ھ ۱۱۰: ۳۸) نے اس تدبیر کو پہلی تدبیر پر فوقیت دی ہے۔ یہ طریقہ کار بھی ایک حدیث پر مبنی ہے اور بہت سے مسلمان ملکوں میں اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ ایران کا قانون دیوانی (دفعہ نمبر ۱۵۶) صاف صاف کہتا ہے کہ اگر ایک نہر تمام متصل زمینوں کو پوری طرح سیراب نہیں کر پاتی اور مالکان زمین کے درمیان اس پر تنازعہ کھڑا ہو جاتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی اپنا ترجیحی حق ثابت کرنے سے عاجز ہے تو پھر جو کوئی پانی کے نزدیک ہے اس کو ان پر فوقیت ہوگی جو نسبتاً فاصلے پر ہیں۔ لیکن وہ صرف اتنا ہی پانی استعمال کرے گا جتنا ضروری ہو۔

اس صورت میں جبکہ ایک مشترکہ ذخیرہ آب تک رسائی کے لیے کنواں کھودا جائے یا نہر نکالی جائے تو سرمایہ کار نکالے جانے والے پانی پر نجی ملکیت کا حق حاصل کر لیتا ہے۔ نجفی لکھتے ہیں کہ اگر مشترکہ ملکیت محصور ہو (یعنی گڑھے یا نہر میں) تو پھر وہ ’حائز‘ (جس نے پانی کو محصور کیا ہو) کی بلا شرکت غیرے ملکیت بن جاتی ہے بشرطیکہ اس سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچے۔ نجفی (۱۳۹۲ھ؛ ۳۸: ۱۱۶) مزید اضافہ کرتے ہیں کہ اس معاملے میں فقہانے درمیان فیصلے میں کوئی اختلاف نہیں

ہے۔ طوسی (تاریخ نامعلوم؛ ۲۸۲: ۳۹) اعلان کرتے ہیں کہ اگر کوئی اس پانی کو چراتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ یہ پانی مالک کو واپس کرے۔ ایران کے قانون دیوانی کی دفعات ۱۳۹، ۱۵۰ اس حق کو تسلیم کرتی ہیں۔

اگر کوئی شخص خود اپنے کھیت یا بنجر زمین میں اس نیت سے کنواں کھودتا ہے کہ اس سے پانی حاصل کرے گا تو فقہاء کی اکثریت کی رائے ہے کہ وہ اس کنوئیں اور اس کے پانی دونوں کا واحد مالک ہو جاتا ہے۔ (Najafi ۱۳۹۲ھ؛ ۱۱۶: ۳۸)۔ تاہم طوسی (تاریخ نامعلوم؛ ۲۸۲: ۳) کا کہنا ہے کہ وہ صرف پانی کے استعمال کا حق رکھتا ہے اور اپنی ضرورت سے زیادہ پانی کو بیچ نہیں سکتا۔ طوسی کی رائے چند احادیث نبویؐ پر مبنی ہے جو حضرت جابرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں اور جن کا مفہوم یہ ہے کہ فالتو پانی کا بیچنا ممنوع ہے (Beihaqi تاریخ نامعلوم؛ ۱۵۱: ۶)۔ تاہم فقہاء کی اکثریت استدلال کرتی ہے کہ یہ تعبیریں آزادانہ مبادلے کے حق کو محدود نہیں کر سکتیں۔ نہ صرف یہ کہ مؤخر الذکر قاعدہ عام نوعیت کا اور قبود سے مبرا ہے بلکہ دوسری حدیثیں ایسی بھی ملتی ہیں جن میں فالتو پانی کے تبادلے کی خاص طور پر اجازت دی گئی ہے۔ غرضیکہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کے حوالوں کا یہ مفہوم لیا جاسکتا ہے کہ 'حیازة' سے قبل ضرورت سے زیادہ پانی کی فروخت ممنوع ہے یا یہ کہ اس کا روبار کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ ابن جعفر دونوں فروخت کی اجازت دیتے ہیں خواہ وہ ایک قنات کے اپنے حصے کے بدلے میں نقدی کی شکل میں ہو یا گندم کی شکل میں (Al-Hurr al-Amiliyy ۱۳۰۳ھ؛ ۲۷۸، ۲۷۷ ص: ۳۳۲)۔

پس، فقہاء کی اکثریت کا نظریہ یہ ہے کہ اگر کسی کو ایسی نہر پر قبضے کا حق حاصل ہے جس میں پانی مشترکہ ملکیت کے منبع سے چھوڑا گیا ہو یا پمپ کیا گیا ہو تو وہ اس کا پانی کلی یا جزوی طور پر آزادی سے فروخت کر سکتا ہے۔ اس حق کو ایران کے قانون دیوانی کی دفعہ ۱۵۲ میں تسلیم کیا گیا ہے۔

حکومت اور حقوق آب کے وسائل

آبی وسائل عوام کی مشترکہ ملکیت ہوتے ہیں نہ کہ سرکاری دائرہ اختیار میں۔ اس لیے ہر فرد کو ان سے پانی حاصل کرنے کا یکساں حق ہے اور اس نجی کارروائی کا احترام کیا جاتا ہے اور اس میں مداخلت نہیں کی جاسکتی تا وقتیکہ اس سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ مگر اس حق پر عملدرآمد پانی کے کثرت استعمال کی طرف لے جاتا ہے اور بالخصوص زیر زمین پانی کے ذخائر زیادہ سے زیادہ پمپ چلانے کی وجہ

سے نہ صرف متاثر ہو سکتے ہیں بلکہ ختم بھی ہو سکتے ہیں۔ ان صورتوں میں نقصان نہ پہنچنے اور کثرت استعمال کی ممانعت کی شرائط آزادی عمل پر غالب آجاتی ہے۔ تب مقامی یا قومی سطح کے سرکاری اور ان قوانین کے مطابق جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، عوامی مفاد میں کارروائی کی جاتی ہے۔ اس نوعیت کے دوسرے قوانین کا تذکرہ اگلے سیکشن میں آ رہا ہے۔

بعض اوقات حکومتوں کو ایسے تنازعات حل کرنے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے جو مشترکہ پانی کی املاک کے استعمال کنندگان کے درمیان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر دریاؤں پر بند تعمیر کرنے سے بالعموم پانی کی فراہمی پینے اور آبپاشی دونوں کے لیے بڑھ جاتی ہے۔ لیکن زرعی سرگرمیوں میں توسیع یا آبادی میں تیز رفتار اضافے یا دونوں سے پانی کی قلت کسی ایک یا دونوں شعبوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسی صورتوں میں حکومت استعمال کی ترجیحات متعین کرنے کے لیے مداخلت کر سکتی ہے۔ اس کے نتیجے میں وافر پانی تک رسائی سے مستفید ہونے والا ایک گروپ محرومی کا شکار ہو جائے گا۔ اس صورت میں دوسروں کو نقصان نہ پہنچنے والی شرط پوری نہیں ہو سکے گی لیکن نقصان اٹھانے والوں کو حکومت معاوضہ دے کر مسئلہ کا حل نکال سکتی ہے۔

حکومت اور آبی پانی کی منڈیاں

ابتدائی اسلامی ریاست

اسلامی معاشی نظام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ معاشی سرگرمیاں نہ تو پوری طرح منڈی کی تنظیموں کے سپرد کردی جاتی ہیں اور نہ سرکاری شعبے کے منصوبہ بندی کے اداروں کے حوالے کی جاتی ہیں۔ معاشی امور دونوں شعبوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اور ہر ایک اپنا اپنا فراہمی، مختص کاری اور تقسیمی کام سرانجام دیتا ہے۔ دراصل نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء کے دور میں دو ممتاز معاشی اداروں میں سے ایک منڈی تھا جو نجی مال بشمول پانی کی فراہمی اور تقسیم کا کام سرانجام دیتا تھا اور دوسرا سرکاری خزانہ یا بیت المال تھا جو معاشی منصوبہ بندی اور بنیادی ڈھانچے میں سرمایہ کاری، اس کی تشکیل اور اس کو چلانے کا ذمہ دار تھا۔ اس میں پانی کے بند اور ذخائر کی تعمیر کا کام بھی شامل تھا۔

ابتدائی اسلامی دور میں ہر منڈی میں بہت سے کاروباری سرگرم عمل رہتے تھے اور ان کے طور طریقوں کی نگرانی انسپکٹر کیا کرتے تھے (Sadri ۱۹۹۶ء)۔ خریدار اور فروخت کنندگان کو یہ آزادی حاصل تھی کہ وہ دستیاب معلومات کی بنیاد پر سب سے زیادہ منافع بخش کاروبار اختیار کریں اور انہیں پوری آزادی تھی کہ وہ جن چیزوں کی تجارت کرنا چاہیں کریں اور جسے چھوڑنا چاہیں چھوڑ دیں۔

قیمتوں کے تعین کے لیے حکومت کا مداخلت کا حق بڑا محدود تھا۔ ابتدائی دور کے اس طریقہ کار کی بنیاد پر ایک عام اتفاق رائے وجود میں آتا دکھائی دیتا ہے گرچہ تمام فقہاء کا اس پر اجماع نہیں ہے کہ اگر منڈی صحیح خطوط پر چل رہی ہے تو کسی کو قیمتوں کے تعین کے ذریعے مداخلت کی اجازت نہیں (Rajae ۱۹۹۶ء، ص: ۵۷ تا ۹۸)۔ جہاں تک قیمتوں کے تعین کی بنیاد کا تعلق ہے زیادہ تر فقہاء ”منصفانہ قیمت“ پر اصرار کرتے ہیں یعنی وہ قیمت جس کا تعین منڈی ہی کرے گی بشرطیکہ شریعت کے قوانین نافذ العمل ہوں اور بازار کی حالت معمول کے مطابق ہو۔ (Khomeini ۱۹۸۹ء، ص: ۳۱۸ تا ۱۹۳)۔ وگرنہ وہ قیمتیں معتین کی جائیں جو عام حالت میں متوازن قیمتوں کے مساوی ہوں۔ یہ بنیاد فقہی کتب میں بالعموم ”مشابہ قدر“ کے نام سے پکاری جاتی ہے (طوسی ۱۴۰۲ھ - ۲۳:۴)۔

اس طرح اسلام کے ابتدائی دور میں ہی ذخیرہ اندوزی اور تجارتی اجناس اور اندوختہ کے ضیاع کو روکنے اور پڑوسی کارکنوں پر بیرونی اخراجات کے نفاذ کی مثالیں قائم کر دی گئی تھیں۔ اس کی وجہ سے اسلامی ضابطہ معاہدہ پر مکمل عمل درآمد کے علاوہ بازار میں مبادلے کی بڑی فعال صورت پیدا ہوگئی۔ کوٹا، کسٹم اور محصولات کی عدم موجودگی نے تجارت کو مزید آگے بڑھنے کا موقع فراہم کیا۔ اس طرح جو قیمتیں بازار میں معتین ہوئیں وہ زیادہ ”کارگر“ ثابت ہوئیں یعنی اگر اس کے علاوہ دوسری قیمتیں معتین ہوتیں تو وہ صارفین کے اطمینان یا فروخت کنندگان کے فائدے کو مزید بڑھانہ سکتی تھیں (Sadr ۱۹۹۶ء، ص: ۱۸۸)۔

آبی بازار کا فروغ

دنیا کے بہت سے حصوں مثلاً ایشیا اور افریقہ میں پانی انسانی آبادکاری اور تہذیب کا باعث رہا ہے (Issawi ۱۹۷۱ء، ص: ۲۱۳)۔ لوگ دریاؤں اور چشموں کے نزدیک آباد ہوتے رہے ہیں تاکہ خشک آب و ہوا میں وہ روزی کا بندوبست کرنے کے قابل ہوں۔ ان آبادیوں کے ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں پانی کی فراہمی عام طور سے مانگ سے زیادہ ہی ہوتی ہے لیکن بعد کے ادوار میں آبادی بڑھنے، آمدنی میں اضافے اور مختلف معاشی سرگرمیوں کی وجہ سے پانی کی طلب بڑھ جاتی ہے اور بالآخر فراہمی کے مقابلے میں زیادہ ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آبادی کے رسم و رواج کی روشنی میں بالعموم پانی کی راشن بندی کرنی پڑتی ہے۔ چونکہ راشن بندی کے طریقہ کار کو کمیونٹی کے ارکان خود مشاورت سے طے کرتے ہیں اس لیے وہ مربوط ہوتے ہیں اور کمیونٹی کے تسلیم شدہ قواعد و ضوابط کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس طرح پانی کی تقسیم کی جائز تدابیر کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پھیلتے ہوئے معاشروں میں رسد کے مقابلے میں طلب بڑھ جاتی ہے تو بازار کے نئے ادارے وجود میں آتے ہیں کیونکہ اس طرح پہلے سے رائج قاعدے قانون ایک کارگر مختص کاری تک نہیں پہنچتے۔ ان قطعہ بند آبی بازاروں میں جن کا سائز پانی کی فراہمی پر منحصر ہوتا ہے، مبادلہ کا انتہائی قابل اعتماد اور قابل رسائی ذریعہ خود پانی ہی ہے کیونکہ اسے کسی بھی فصل کی کاشت میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مشرق وسطیٰ کے بعض علاقوں مثلاً ایران میں جہاں ۸۰ فیصد زیر کاشت زمین گندم اور جو کے لیے استعمال ہوتی ہے یہ قدرتی بات ہے کہ یہی فصلیں آبی بازاروں میں مبادلے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ یہ طریقہ کار یعنی نقد کے بجائے چیزوں کی شکل میں لین دین، غالباً اس تاثر کا سبب بن گیا کہ پانی کوئی تجارتی جنس نہیں ہے اس لیے بازار میں اس کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی۔

اسلام میں حقوق کا قانونی نظام، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، تقسیم آب کے لیے بازار یا منڈی کے ادارے کو تسلیم کرتا ہے۔ جن واقعات کا سفیلیجاد (Safinejad ۱۹۹۶ء، ۱۹۸۵ء) اور دوسرے ماہرین بشریات حوالہ دیتے ہیں، اس کی شہادت دیتے ہیں۔ ان کی رپورٹوں میں جن مبادلے کے ذرائع کا ذکر ملتا ہے وہ بنیادی ضرورت کی اشیاء، غذائی اجناس اور پانی ہیں، رقم شاید ہی کبھی۔

نجی و سرکاری آب رسانی

صرف منڈی ہی ایک ایسا ادارہ نہیں ہے جو آبادیوں میں سامان کی رسد و طلب اور خدمات کا انتظام کرتا ہے۔ متعدد سرکاری ادارے اور اجتماعی تنظیمیں اس کام کو چلانے کے لیے وجود میں آچکی ہیں۔ (Buchanan ۱۹۶۸ء) پیش میں ہے کہ متغیر مگر مسلسل نوعیت کی تنظیمیں سرکاری و نجی مال کی ترسیل یا مختص کاری کر رہی ہیں۔ اس کے تجزیے کی بنیاد اشیاء کی فراہمی کے سلسلے میں خارجی فیصلہ سازی کی لاگت ہے (Buchanan, Tullock ۱۹۷۱ء)۔ وہ نجی مال کے لیے منڈیوں کے قیام کی اور سرکاری مال کے لیے اجتماعی یا برادری کی تنظیموں کی پیش بینی کرتا ہے اور خالص سرکاری مال حکومت کی تحویل میں دینا چاہتا ہے (Buchanan ۱۹۶۸ء)۔ بہت سے معاشروں میں اس کی پیش گوئیوں کی تصدیق ہو چکی ہے لیکن مسلمان ممالک میں پانی ایک ایسی جنس ہے جس کے لیے تینوں قسم کی تنظیمیں کام کر رہی ہیں کیونکہ اسے بعض اوقات ایک نجی مال سمجھا جاتا ہے اور کبھی سرکاری مال گردانا جاتا ہے۔

اجارہ داری اور سرکاری نگرانی

بہت سی معیشتوں میں، گیس، پانی، بجلی اور ٹیلیفون کی خدمات کا بازار ایک قدرتی اجارہ داری کے

ڈھانچے کی طرف بڑھتا دلھائی دیتا ہے۔ ان خدمات کی فراہمی میں ابتدائی مقررہ سرمایہ کاری کا حصہ بڑا ہے اور بدلتی ہوئی لاگت کا حصہ چھوٹا ہے۔ نتیجتاً، نئی توسیع کی پیشکش نئے گاہک کو خدمات مہیا کرنے کی اوسط متغیرہ اور ضمنی لاگت بہت کم ہے؛ ان خدمات کا کوئی نیا فراہم کنندہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو پہلے سے بازار میں موجود ہے۔ یہ اجارہ داری کی صورت حال اور صارفین کے درمیان خرید و فروخت کی اونچی لاگت فروخت کنندگان کو لالچ دیتی ہیں کہ وہ امتیازی قیمتیں وصول کریں۔ یوں پانی، شہری صارفین، صنعت کاروں اور کاشتکاروں کو مختلف قیمتوں پر دستیاب ہوتا ہے۔

دوسرے قسم کا امتیاز یہ برتا جاتا ہے کہ زیادہ مقدار میں چیزیں خریدنے پر قیمتیں کم کر دی جاتی ہیں تاکہ صارف زیادہ سے زیادہ خریداری پرائل ہو۔ حال ہی میں، یہ سوچ کر کہ پانی کی طلب میں لچک نہیں ہے، بہت سے فروخت کنندگان نے بندرتج بڑھتے ہوئے بلاک کی قیمتوں کے تعین کے طریقہ پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے (Sadri 1996ء)۔ آخری بات یہ ہے کہ فروخت کنندگان کبھی کبھی اس پوزیشن میں ہو جاتے ہیں کہ وہ دونوں قسم کی تکنیک استعمال کرتے ہوئے کامل امتیاز برتنے لگیں۔ ان کارروائیوں نے حکومتوں کو مجبور کیا ہے کہ وہ مفاد عامہ کی خدمات کے اداروں کی کارکردگی اور ان کی قیمتوں کی حکمت عملیوں کی نگرانی کریں۔

ایران میں پانی کی قیمتوں کے تعین کے طریقے

ایران میں بڑے بڑے دریا زیادہ تر پہاڑی علاقوں میں بہتے ہیں جہاں بالائے زمین پانی ہی آبپاشی کا اصل ذریعہ ہے۔ باقی ملک زیر زمین پانی پر انحصار کرتا ہے جو قنوات سے نکالا جاتا ہے۔

بالائے زمین پانی

کاشتکار دریاؤں کو بہ اعتبار فاصلہ استعمال کرتے ہیں (قانون دیوانی کی دفعہ نمبر ۱۵۶)۔ لیمپٹن (Lampton 1969ء) کے بیان کے مطابق شمال مشرقی ایران کے شہر مشهد کے نزدیک ایک گاؤں 'طُرق' میں آبپاشی ان بستیوں کے بعد ہوتی ہے جو مقامی دریا سے قریب تر ہیں۔ یہی صورت حال کردستان کی ہے جہاں دریا کے قریب کے گاؤں اپنی ضرورت کے مطابق پانی استعمال کرتے ہیں۔ جو پانی بچتا ہے وہ دور دراز کے گاؤں والوں کے کام آتا ہے۔ لیکن کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ دریا کے راسے میں کوئی بند یا سیلابی دروازہ تعمیر کرے۔ موسم گرما میں بہت سے دریاؤں میں پانی کا بہاؤ کم ہو جاتا ہے اس لیے جن گاؤں والوں نے پانی کے حقوق حاصل کر رکھے ہیں انہیں اس کے استعمال میں ترجیح دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر لیمپٹن کے بیان کے مطابق زیاندرود (Zayandevod) کا

پانی صفویوں کے زمانے سے آج تک ایک ہی طریقے سے تقسیم ہو رہا ہے۔ ۱۵ نومبر سے ۱۵ جون تک پانی لینے پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ تاہم موسم گرما میں مختلف علاقوں اور دیہاتوں کو پانی الاٹ کیا جاتا ہے۔ جاد جروود (Jadroud) سے بھی دریا کا پانی قدیم رواج کے مطابق تقسیم ہوتا ہے۔ کچھ دیہاتوں نے خصوصی حقوق حاصل کر رکھے ہیں جبکہ دوسروں کو قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

۱۹۳۳ء سے بالائے زمین پانی کی فراہمی اور انتظام کا کنٹرول سرکاری آبی انجینسری کے سپرد ہے (Ministry of Energy ۱۹۹۳ء، ۱۶ تا ۲۱)۔ بعد میں علاقائی آبی تنظیمیں وجود میں آ گئیں جنہوں نے ہر خطے میں کارکردگی پر گہری نظر رکھی اور دیہات والوں میں پانی تقسیم بھی کیا۔ ۱۹۶۸ء سے جب کہ آبی قانون کے قومیانے کا ایکٹ نافذ ہوا ہے، علاقائی آبی تنظیموں کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ منقسم پانی کی اتنی قیمت وصول کریں کہ اوسط اخراجات پورے ہو جائیں۔ اس قیمت میں دیکھ بھال کے غیر متعین اخراجات اور فرسودگی کی وجہ سے قدر میں تخفیف اور سود کے متعین اخراجات بھی شامل ہوتے ہیں۔ (Ministry of Energy ۱۹۹۳ء، ص: ۳۹۲) ۱۹۸۲ء میں اس قانون پر پارلیمنٹ سے نظر ثانی اور توسیع کرائی گئی۔ اب اس کا نام ”منصفانہ تقسیم آب کا قانون“ رکھا گیا ہے۔ اس کے مطابق آپاشی کے پانی کی قیمت پہلے ہی کی طرح غیر متعین لاگت کے اوسط اور فرسودگی کی بنا پر اس کی قدر میں تخفیف کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقرر کی جاتی ہے۔ مگر سود کو اس میں شامل نہیں کیا جاتا۔ ان علاقوں میں جہاں میٹروں کی تنصیب مشکل ہے، پانی کی قیمت کھیتوں کے ساز و اور فصل کی نوعیت کے اعتبار سے مقرر کی جاتی ہے۔ (Ministry of Energy ۱۹۹۳ء، ص: ۲۳۳ تا ۲۴۰)۔

وزارت توانائی نے ۱۹۹۰ء سے زرعی پانی کی قیمت کا جو طریقہ کار منظور کیا ہے وہ مندرجہ

ذیل ہے:

- ”جدید میٹ ورک“ یعنی بند سے نکلنے والی ابتدائی و ثانوی نہروں کے جال سے لیے جانے والے پانی کی اوسط قیمت لگائی ہوئی فصل کی کل آمدنی کا ۳ فیصد ہے؛ روایتی نہروں کے پانی پر ایک فیصد اور دونوں قسم کی نہروں سے لیے ہوئے طے جملے پانی پر ۲ فیصد ہے۔
- ہر خطے میں فصلوں کی اوسط پیداوار وزارت زراعت کے سالانہ اعداد و شمار سے معلوم کی جاتی ہے۔ ہر فصل کی مالیت یا تو ضمانت شدہ قیمت سے ناپی جاتی ہے اگر ایسی کوئی قیمت مقرر کی گئی ہو، یا پھر اس کا تعین اس قیمت سے کیا جاتا ہے جو فصل کے لیے کھیت ہی پر لگائی جائے۔ ان اعداد و شمار کی روشنی میں آبی ادارے پانی کی قیمت فی مکعب میٹر کے حساب سے متعین کرتے ہیں۔ (Ministry of Energy ۱۹۹۳ء، ص: ۲۹۵ تا ۲۹۶)۔

۱۹۹۰ء میں متعلقہ بل کی پارلیمنٹ سے منظوری کے بعد فراہمی و نکاسی آب کی کمپنیاں بلدیہ کے تحت قائم کی گئی تھیں۔ اس بل میں کہا گیا ہے کہ نجی شعبہ، بینک اور بلدیات ان پلانٹس میں سرمایہ کاری اور اس کے انتظام میں شرکت کر سکتے ہیں جو بطور کمپنی تجارتی قانون کے تحت چلائی جائیں گی۔ یہ بل جو واضح طور پر نجی شعبے کی شہری علاقوں میں پانی کے امور میں شرکت کے لیے ایک قانونی اساس مہیا کرتا ہے، سابقہ پالیسی میں تبدیلی کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ فراہمی و نکاسی آب کی خدمات کے معاوضے کی شرح، کمپنیوں کے بورڈ آف ڈسٹریبیوٹرز پلانٹ کو چلانے کے اخراجات اور فرسودگی سے قدر میں تخفیف کو سامنے رکھتے ہوئے طے اور تجویز کریں گے اور اس کا نفاذ حکومت کی معاشی کونسل کی منظوری کے بعد ہوگا۔

پانچ مکعب میٹر ماہانہ پانی کا خرچ معاوضے سے مستثنیٰ ہوگا تاکہ کم آمدنی والے لوگوں کو پینے، حفظان صحت اور مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لیے پانی کی دستیابی یقینی ہو۔ زیادہ مقدار میں پانی صرف کرنے والوں کے لیے بتدریج اضافے والی شرح کا بلاک نظام رکھا گیا ہے۔ صوبہ تہران کے لیے اس طرح کی شرحیں جو ۱۹۹۵ء میں نافذ کی گئی تھیں، جدول نمبر ۱ میں دکھائی گئی ہیں۔ اسی قسم کی شرحیں دوسرے صوبوں کے لیے بھی نافذ کی گئی ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں قیمتیں بڑھا دی گئی تھیں۔ اس میں بھی ۵ مکعب میٹر تک کا ماہانہ خرچ مفت تھا۔ ۲۵ مکعب میٹر استعمال تک کے لیے قیمت ۱۹۹۵ء والی ہی رکھی گئی تاہم ۲۵ تا ۳۵ مکعب میٹر پانی خرچ کرنے والوں پر شرح میں ۲۵ فیصد اضافہ کر دیا گیا اور ۳۶ مکعب میٹر سے زیادہ خرچ کرنے والوں کی شرح میں ۳۰ فیصد اضافہ کیا گیا۔ ۱۹۹۸ء میں تجارتی و صنعتی استعمال پر محصول گھریلو استعمال والوں کے مقابلے میں بڑھا دیا گیا۔ اس طرح گذشتہ سالوں کی بہ نسبت پالیسی اٹھی کر دی گئی۔

زیر زمین پانی

زیر زمین پانی کے ذخائر سے پانی نکالنے کے لیے عام طور پر قنوت کی ٹیکنالوجی استعمال کی جاتی ہے۔ گرچہ حال ہی میں ان کی جگہ کنوؤں نے لے لی ہے جن سے پمپ کے ذریعہ پانی نکالا جاتا ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ ایران کے بنجر خطوں میں پانی کے استعمال کے حقوق، مبادلہ کی اقسام اور قیمتوں کا تعین سب قنوت سے منسلک ہیں اس لیے یہاں بحث صرف ان آبی بازاروں پر مرکوز ہوگی جو پانی کے اس قسم کے پانی کے اخراج سے تعلق رکھتے ہیں۔

ابتداء ہرقاۃ کا پانی حصہ داروں میں تقسیم کی جاتا ہے؛ یوں جہاں کہیں یہ ٹیکنالوجی استعمال کی

جاتی ہے وہاں پانی کی باری کے طریقے پر عمل ہوتا ہے۔ مگر اس کا دورانیہ موسم گرما یا بہار میں قدرتی طور پر کم ہوتا ہے بمقابلہ دوسرے موسموں کے، کیونکہ اس زمانے میں تبخیری عمل اور فصلوں کا صرفی استعمال زیادہ ہو جاتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ قنوات کے پانی کی ایک سے زیادہ دیہاتوں میں تقسیم نے، جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع ہوں (Yazdani ۱۹۸۵ء) ہنرمند کاریگروں کی تربیت ضروری بنا دی ہے تاکہ چلتی ہوئی قنوات کی دیکھ بھال اور کاشتکاروں کی کثیر تعداد کے درمیان کسی ضیاع کے بغیر پانی کی تقسیم ہو سکے۔

جدول نمبر ۱۔ صوبہ تہران میں ۱۹۹۴ء میں بتدریج اضافہ ہوتی ہوئی قیمتیں
(ریال فی مکعب میٹر؛ خرچ کے بلاک مکعب میٹر میں ہیں)

مکعب میٹر	۱۰۵۵	۱۵۵۱۱	۲۰۵۲۱	۳۰۵۳۱	۴۰۵۴۱	۵۰۵۵۱	۶۰۵۶۱	۷۰۵۷۱	+۷۰
ریال	۱۵	۲۵	۳۰	۳۶	۶۷	۱۰۰	۱۳۳	۱۶۸	۳۰۰

ذریعہ: وزارت توانائی، دفتر شہری آب رسانی و نکاسی۔

ایک امریکی ڈالر = ۳۰۰۰۰ ریال (۱۹۹۷ء میں)۔

اس طرح دو قسم کے روزگاروں کی گنجائش پیدا ہوگی۔ پہلا اعلیٰ فنی معیار کا، جس میں قنوات کی تعمیر اور ان میں سے مٹی نکالنے کا علم ضروری تھا۔ دوسرے میں ایسی صلاحیت ضروری ہے جس کی مدد سے تقسیم آب کی ایسی اسکیم تیار ہو سکے جہاں پانی کا ضیاع کم سے کم ہو۔ مزید برآں، تقسیم کار پر سب کا اعتماد ہونا چاہیے کیونکہ وہ ہر ایک کے حصے میں الٹ پھیر کر سکتا ہے۔ اس کام کی اہمیت کے نتیجے میں تقسیم کنندہ کے انتخاب کے لیے فیصلہ ساز گروپ کی تشکیل کے کئی متبادل طریقے سامنے آئے ہیں۔ ان تمام صورتوں میں ایک مشترکہ چیز یہ ہے کہ آبی حقوق رکھنے والے آپاشی کی ایک ٹاسک فورس منتخب کرتے ہیں جو ایک تقسیم کنندہ اعلیٰ نامزد کر دیتی ہے۔ بعد میں یہی آبی حقوق رکھنے والے افراد اکثریتی ووٹ کے ذریعہ نامزد و تقسیم کنندہ اعلیٰ کے انتخاب کی توثیق کر دیتے ہیں۔ (Safinejad ۱۹۸۵ء)۔

مٹی کھودنے والے کی اجرت عام طور سے جنس میں ادا کی جاتی ہے جو عموماً پانی میں ایک حصے کی شکل میں دی جاتی ہے۔ شمال مشرق کے ایک گاؤں غون آباد میں ہر کھیت موسم گرما میں ہر ۱۴ دن بعد اور دوسرے موسموں میں ہر ۲۱ دن کے بعد سینچا جاتا ہے۔ مٹی کھودنے کی اجرت آپاشی سے قبل ایک اضافی حصے یا سیرابی کے ایک دن کی صورت میں دی جاتی ہے۔ غون آباد ہی کے ایک دوسرے

گاؤں میں آبپاشی کے دو ادوار کے درمیان کا عرصہ ۱۶ سے بڑھا کر ۱۷ دن کر دیا گیا اور غابلیں میں یہ عرصہ ۱۷ سے ۱۸ دن کر دیا گیا اور ایک بار پھر کھدائی کی اجرت ایک دن اضافی پانی کی شکل میں دی گئی (۱۹۸۵ Yazdani)۔ صوبہ یزد کے ایک گاؤں (وسطی ایران) میں تقسیم کنندگان کے ایک چار رکنی گروپ کو جو اجرت دی گئی وہ ساڑھے اٹھارہ گھنٹے کے پانی کے برابر تھی۔ یہ پانی وہ اپنے کھیتوں کو بھی دے سکتے تھے اور فروخت بھی کر سکتے تھے (۱۹۹۶ Safinejad)۔ ایک مرتبہ طفرش نامی گاؤں میں ایک بڑے سیلاب کے نتیجے میں ایک قنوت ڈھے گئی۔ اس کے غریب کاشتکار مالکان کے لیے اس کی مرمت کافی مہنگی تھی۔ زمین کے مالک نے ایک تجویز پیش کی۔ وہ ہر چکر میں ایک اضافی دن کے پانی کے بدلے میں قنوت کی تعمیر نو کا خرچ اٹھالے گا یعنی ہر چکر کے ایام آٹھ سے بڑھا کر ۹ کر دیے جائیں گے۔ (۱۹۸۵ Safinejad)۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اجرت کی ادائیگی نقد یا جنس کی شکل میں ادا کرنے کا رواج پڑ گیا۔ اسی گاؤں فردوس میں ملک کے دوسرے حصوں کی طرح پانی کی تقسیم ”آبی گھڑی“ کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا آلہ ہے جو استعمال شدہ پانی کا حساب کتاب اس معاملے میں مقامی اکائی فجان میں رکھتا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں ہر فجان پانی کے بدلے میں پچاس ریال وصول کیے گئے۔ اس میں پانی نکالنا اور تقسیم کرنا دونوں شامل تھے (۱۹۹۷ء میں)۔ ایک دوسرے گاؤں میں بھی ۱۹۷۶ء میں یہی قیمت وصول کی گئی۔ جبکہ یزد کی ایک دیہی آبادی میں ۱۹۷۸ء میں ایک جرت پانی کی قیمت ایک ہزار ریال تھی اور پانی کے حصہ داروں نے کل ۲۶۶ ملین ریال (۲۵۰ US\$) ادا کیے (۱۹۹۶ Safinejad)۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کیونٹی کی ترقیات کے ابتدائی مراحل میں تقسیم آب کا کام پہلے سے موجود رسوم و رواج کے مطابق ہی کیا جاتا ہے لیکن بالآخر جبکہ منڈی کی تنظیم ہو جاتی ہے تو ابتداً کاروبار جنس کے تبادلے کی صورت میں ہوگا۔ لیکن جب کیونٹی ترقیات کے آخری مراحل میں پہنچے گی تو یہ نقد ہونے لگے گا۔ آج ایران کی دیہی آبادیوں میں پانی کا نقد حساب اتنا عام ہو گیا ہے کہ وزارت زراعت کا محکمہ شماریات ملک کے مختلف حصوں میں پانی کی قیمتوں کے بارے میں معلومات باسانی اکٹھا کر سکتا ہے۔ اسی معلومات سے فصل کی پیداوار کی اوسط قیمت کا حساب لگایا جاتا ہے اور اس طرح حکومت کو گندم اور دوسری ایسی فصلوں کی ضمانت شدہ قیمتوں کا اندازہ ہو جاتا ہے جن کے لیے حکومت امدادی قیمتیں ادا کرتی ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے زیر زمین ذرائع سے پانی کے حصول کے سلسلے میں نجی

شعبہ بڑا فعال ہے۔ فی الوقت قنوت کی جگہ کنویں لے رہے ہیں کیونکہ ان کے مقابلے میں کنوؤں کی تعمیر میں وقت بھی کم لگتا ہے اور خرچ بھی کم آتا ہے۔ تاہم اس کی وجہ سے کثرت سے کنویں کھودے جانے لگے اور اس کے نتیجے میں پانی بھی زیادہ کھینچا جانے لگا۔ متعدد زیر زمین پانی کے ذخائر پر بوجھ پڑا۔ اس لیے حکومت نے مزید کنویں کھودنے پر پابندی لگا دی۔

منصفانہ تقسیم آب کا قانون وزارت توانائی کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ زیر زمین پانی کے منبعوں سے پانی نکالنے کی سرگرمیوں کی نگرانی کرے۔ اس کام کے لیے نگرانی کا محصول بھی عائد کیا جاسکتا ہے جو فصل کی مالیت کا کچھ فیصد ہو سکتا ہے۔ (جدول نمبر ۲)

جدول نمبر ۲

پانی کی مالیت کا فیصد جو پانی کی نگرانی کے سلسلے میں وزارت توانائی وصول کرتی ہے

۰.۲۵	گندم
۰.۶	چاول
۰.۸۵	سنگتراہ، کھجور اور سبزیاں
۱.۰	پستہ اور بادام
۰.۸	پھلوں کے درخت
۰.۵	دوسرے

ذریعہ: وزارت توانائی، دفتر آبی امور

ان محاصل کا حساب ہر خطے کے لیے علیحدہ کیا جاتا ہے اور اس کے مساوی نقدی وصول کی جاتی ہے۔ یہ طریقہ کار ہمارے اس قیاس کی مزید تصدیق کرتا ہے کہ معیشت کی ترقی کے ساتھ ساتھ آبی بازار بھی قائم ہوتے جائیں گے۔ شروع میں قدر کی اکائی غذائی اجناس اور خود پانی ہوتا ہے کیونکہ یہ ذریعہ مبادلہ دوسروں کے مقابلے میں تجارتی لین دین کو تیز تر کر دیتا ہے۔ بالآخر جب تجارت میں اضافہ ہوتا ہے تو پھر اس مقصد کے لیے نقدی استعمال کی جانے لگتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں پانی کی منڈی اسی طرح کے ارتقائی منازل سے گزری ہے۔

نتائج

اس حقیقت کے باوجود کہ اسلامی ثقافت میں پانی ایک مقدس جنس ہے اور اسلامی قانون کے تحت اس

کے قدرتی منبع مشترکہ ملکیت ہیں، عرب میں اسلامی ریاست کے قیام کے وقت سے آبی طلب و رسد کے انتظام میں منڈی نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسلام میں ملکیت کے حقوق کے نظام کی اجازت دی گئی ہے۔ جو لوگ مشترکہ ملکیت کے منبع سے پانی نکالنے کے لیے سرمایہ اور محنت خرچ کرتے ہیں وہ نجی ملکیت کے حقوق حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ دوسرے استعمال کنندگان کے حقوق محفوظ رہیں۔ اس تسلیم حق نے یہ موقع فراہم کر دیا کہ پانی کا تبادلہ دوسرے مال سے کیا جاسکے۔ یعنی پانی کی منڈی بنائی جائے جس کی مختلف تنظیمی شکلیں ہمارے مسلمان ملکوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ لیکن ابتدائی دور کی اسلامی ریاست میں بندگی تعمیر اور پانی کے ذخائر قائم کرنے کے لیے بیت المال سے سرمایہ کاری ہوتی تھی۔ ان ہی دو اداروں نے — نجی اور سرکاری — پانی کی فراہمی، منتقلی اور تقسیم کی کارروائیوں کی بنیاد بھی ڈالی اور انہیں چلایا بھی۔

اگر فراہمی و تقسیم دونوں کو منڈی کے حوالے کر دیا جائے تو یہ مفاد عامہ کے کام اجارہ داری کے ڈھانچے کی طرف چل پڑتے ہیں۔ نہ تو اسلامی شریعت اور نہ معاشی منطق کُل آبی شعبے کی نجکاری کو درست قرار دیتی ہے۔ اس کے بجائے یہاں جس چیز کی سفارش کی جاتی ہے وہ ہے سرکاری اور نجی شعبوں کے درمیان پانی سے متعلق سرگرمیوں میں باہمی رابطہ۔ پانی کی فراہمی اور تحفظ کے لیے بالائی سرمایہ کاری سرکاری شعبے سے ہو لیکن منتقلی آب اور تقسیم کا کام نجی شعبہ انجام دے۔ اگر منڈی میں اسلامی قواعد و ضوابط اور اقدار کا خیال رکھا جاتا ہے تو امید کی جاتی ہے کہ ایک ایسی قیمت متعین کی جائے گی جو مناسب ہوگی۔ یہی قیمت اس پانی کے لیے بھی ایک معیار کا کام دے گی جس کی فراہمی اور فروخت سرکاری شعبے کے ذمہ ہوگی اور اس کی قیمت اتنی ہوگی کہ اس پورے کام کی کل یومیہ لاگت نکل سکے۔ عملی طور پر پانی کی قیمتوں کے تعین میں کوئی امتیاز نہیں برتنا چاہیے۔ یہ تجویز اسلام کے شرعی نظام اور ایران میں پانی کی مانگ اور فراہمی کے انتظام کے عین مطابق ہے۔

REFERENCES

حوالے

- ابن براج، سعد الدین (۱۳۱۰ھ) جواہر الفقہ الدارالاسلامی قم۔
 بیہقی، احمد بن حسین (تاریخ معلوم) السنن الکبریٰ، دارالمعارف، بیروت۔
 الحر العالی (۱۳۳۰ھ) وسائل الشیعہ، دارإحیاء التراث العربی، بیروت۔
 مُسنی، روح اللہ (۱۹۸۹ء) کتاب البیعة، اسماعیلیاں، قم۔
 طوسی، محمد (۱۴۰۳ھ) النبیان فی تفسیر القرآن، دارإحیاء التراث العربی، بیروت۔

طوسی، محمد (تاریخ نامعلوم) المبسوط فی فقہ الامامیہ، جلد ۳، مکتبہ مرتضوی، تہران۔
ثبئی محمد حسن (۱۳۹۲ھ) جواہر الکلام، دارالکتب الاسلامیہ، تہران۔
نوری، مرزا حسن (۱۴۰۸ھ) مستدرک الوسائل، طبع بیروت۔

- Buchanan, J (1968), *The Demand and Supply of Public Goods*, Rand McNally, Chicago.
- Buchanan, J. and Tullock, G. (1971) *The Calculus of Consent*, University of Michigan Press, Ann Arbor.
- Issawi, C. (ed.) (1971), *The economic history of Iran: 1800-1914*, University of Chicago Press, Chicago.
- Kolaini, Mohammad (1388 A.H.), *Alkafi* [The sufficer], Darul Ketab Al Islamiah, Tehran.
- Lampton, Ann (1969), *Landlord and Peasant in Persia*, Oxford University Press, London.
- Ministry of Energy (1994), *Water and Electricity Legislations: From the Beginning up to 1993*, vol. 1, Ministry of Energy, Tehran.
- Rajaei, Kazem (1996), "Ghaymat gozari" [Price setting in Islamic economics], M.S. thesis, Mofeed University, Qum.
- Sadr, S. Kazem (1996), "Water Price Setting: The Efficiency and Equity Considerations," *Water and Development* 4 (3), pp. 44-53.
- Safinejad, Javad (1985), *A Study of the Economic and Social Effects of Changing Water Rotation Period*, International Seminar on Geography, Islamic Research Foundation, Mashhad, Iran.
- (1996), "Financing the Traditional Farm Irrigation by Qanats," *Water and Development* 4 (3), pp. 98-110.
- Yazdani, Lotfollah (1985), *The Characteristics of the Southern Khorasan Qanats and Their Water Distribution*, International Seminar on Geography, Islamic Research Foundation, Mashhad, Iran.

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں بین الشعبہ جاتی آبی منڈیاں

ناصر ائی فاروقی

جیسا کہ اس کتاب کے ابتدائے میں لکھا گیا ہے، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں پانی بڑی تیزی کے ساتھ ترقیات کا کلیدی مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ اس خطے کے بیشتر حصے کا قدرتی منجرین، آبادی میں تیز رفتار اضافے اور شہروں کو منتقلی کے بڑھتے ہوئے رجحان کے ساتھ مل کر شدید عدم مساوات پیدا کر رہا ہے۔ چونکہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے کم ترقی یافتہ مسلم ممالک کے شہروں کی آبادی میں اضافے کی شرح تمام کم ترقی یافتہ ممالک کی گھل اوسط شرح سے زیادہ ہے (۱۹۹۵ء تا ۲۰۱۵ء کی مدت کے لیے ۳.۲ فیصد بمقابلہ ۲.۹ فیصد)۔ اس لیے پورے خطے میں شہروں کی بے قاعدہ آبادیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ یہ شہری یا مضافاتی آبادیاں مفاد عامہ کی خدمات سے شاذ ہی مستفید ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو یہ بغیر کسی منصوبہ بندی کے وجود میں آتی ہیں اور یا مفاد عامہ کی خدمات کی فراہمی کی راہ میں قانونی یا سیاسی رکاوٹیں حائل ہیں۔

ان آبادیوں میں رہنے والے بہت سے لوگ نجی آب فروشوں کی غیر رسمی فراہمی آب پر انحصار کرتے ہیں۔ کم ترقی یافتہ ممالک میں یہ خاندان اوسطاً فی پونٹ دس سے بیس گنا زیادہ قیمت ادا کرتے ہیں بمقابلہ ان کینوں کے جو پائپ کے ذریعہ پانی لیتے ہیں۔ بعض بلدیات میں یہ نسبت ۱۰۰ گنا زیادہ تک پہنچ جاتی ہے (Bhattia and Falkenmark ۱۹۹۳ء)۔ مسلمان ملکوں کے ایسے غریب شہریوں کے بارے میں جو پانی کی بلدیاتی خدمات سے محروم ہیں جب یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ پانی کی کیا قیمت ادا کرتے ہیں تو یہ انکشاف ہوا کہ اس موضوع پر مواد تقریباً ناپید ہے۔

بہر حال اردن کے دارالحکومت عمان کو ۱۹۹۸ء کے موسم گرما کی شدید گرمی میں پانی کی زبردست قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے ساتھ ساتھ پانی میں بدبو کا بھی مسئلہ تھا۔ چنانچہ عوام نجی پانی فروشوں سے پانی خریدنے پر مجبور ہو گئے اور ٹینکروں سے فراہم کردہ پانی کی قیمت چور بازار میں ۱۳ امریکی ڈالر فی مکعب میٹر تک پہنچ گئی (Bino and Al-Beiruti ۱۹۹۸ء)۔ اردن میں عام موسمی حالات میں بھی بعض غریب گھرانوں کو بڑی اونچی قیمتیں ادا کرنا پڑتی ہیں۔ عمان کے ایک پناہ گزینوں کے کیمپ ”الحسین“ میں ایک غیر رسمی سروے (IDRC نے دسمبر ۱۹۹۸ء میں یہ سروے کیا) سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو بلدیہ کا پانی میسر نہیں ہے وہ اپنے پڑوسیوں سے جنہیں بلدیہ کا پانی ملتا رہتا ہے، ۲ امریکی ڈالر فی مکعب میٹر تک قیمت دے کر پانی خرید رہے ہیں جو موخر الذکر کی ادا کی ہوئی سرکاری قیمتوں کے مقابلے میں ۴ گنا زیادہ ہے جبکہ اس محصول میں نکاسی آب کا معاوضہ بھی شامل ہے۔ ۲ امریکی ڈالر فی مکعب میٹر کی یہ قیمت پڑوسی ملک سعودی عرب میں سمندر کے پانی کے کھارے پن کو دور کرنے اور اسے تقسیم کرنے پر آنے والی زیادہ سے زیادہ متوقع لاگت یعنی ۸۰ امریکی ڈالر فی مکعب میٹر سے بھی زیادہ ہے (عبدالرحمن۔ زیر نظر کتاب میں)۔ اسی طرح جکارتہ میں بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز کی نگرانی میں شہری پانی کی تخمین سے معلوم ہوا کہ بعض حالات میں خدمات سے محروم باشندے اپنی آمدنی کا ۲۵ فیصد پانی پر خرچ کرتے ہیں۔

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ممالک میں پانی اور عدل کا موضوع باقاعدہ اور رسمی مطالعوں کے ذریعہ مزید تحقیق کا متقاضی ہے۔ یہ بات اس لیے بھی ضروری ہے کہ خدمات سے محروم نادار لوگ بھلا دی جانے والی کچی آبادیوں میں ناخوشگوار ماحول میں رہتے ہیں۔ اس لیے محققین کی بڑی جماعتیں ان کو نظر انداز کر جاتی ہیں۔ بہر حال، اس پر یقین کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ممالک کے وہ غریب شہری جو خدمات سے محروم ہیں، پانی کی قیمت دوسرے ممالک میں رہنے والے ایسے لوگوں سے کم ادا کرتے ہیں جن کے بارے میں معلومات مہیا ہیں۔ یہ واضح ہے کہ موجودہ صورت حال غیر منصفانہ ہے اور اسلام نے پانی کے استعمال کا جو بنیادی حق، پیاس بجھانا (حق الشفہ) قرار دیا ہے اس سے گریز کیا جا رہا ہے۔

اس صورت حال سے کیونکر نمٹا جاسکتا ہے؟ شہری علاقوں میں دستیاب پانی سے پورا فائدہ اٹھانے کے لیے بلدیات کو طلب آب کے انتظام کے سلسلے میں متعدد اقدامات کرنے پڑیں گے جن میں سے ایک محصول بڑھانا بھی ہے۔ اگرچہ گھریلو استعمال میں بچت کے ذریعہ کچھ پانی بچایا جاسکتا ہے تاہم اس کی مقدار محدود ہوگی کیونکہ ان خطوں کے لوگ پہلے ہی پانی کی کفایت سے خرچ کرتے

ہیں۔ چونکہ آبادی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اس لیے گھریلو استعمال کے لیے مزید پانی مختص کرنا ضروری ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر اسرائیل کی پالیسی یہ ہے کہ جوں جوں شہری آبادی بڑھے، پانی مختص کرنے کے سلسلے میں پہلی ترجیح ہمیشہ شہری گھریلو استعمال کو دی جاتی ہے اس کے بعد صنعتی ضروریات کو اور آخر میں زراعت کو۔ شہری آبادی میں اضافے کی موجودہ رفتار اور مشترکہ صنعتی و گھریلو پانی کے خرچ کی نہ بدلنے والی شرح جو فی کس ۳۴۲ لیٹر یومیہ ہے، کے پیش نظر اندازہ لگایا جاتا ہے کہ سال ۲۰۳۰ء تک اسرائیلی تازہ پانی کا ۸۰ فیصد شہروں اور صنعتوں میں استعمال ہونے لگے گا اور ۲۰ فیصد زراعت میں (Lundqvist and Gleick ۱۹۹۷ء)۔ اتنی بڑی مقدار میں پانی کہاں سے آئے گا؟ اگرچہ یہ تناسب ہر ملک کے لیے مختلف ہے، تاہم مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ممالک میں پانی کی تقسیم کسی حد تک یوں ہے کہ ۱۰ فیصد صنعتوں کو، ۱۰ فیصد گھریلو استعمال کو اور ۸۰ فیصد زراعت کے لیے۔ گھریلو مانگ برابر بڑھتی جا رہی ہے اور خراب پانی کو دوبارہ قابل استعمال بنانے کے باوجود اس خطے کے ممالک کی صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ اس مقصد کے لیے بھی پانی کی مانگ بڑھتی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ پانی زرعی شعبے سے ہی لیا جائے گا۔ اس بین الشعبہ جاتی منتقلی آب کی صورت کیا ہوگی؟ بہت سے لوگ یہ سفارش کرتے ہیں کہ منڈی کو اجازت دی جائے کہ وہ پانی کو دوبارہ مختص کرے۔ کم محصول کے باوجود پانی کی قیمت شہروں میں بمقابلہ زراعت کے دس گنا زیادہ ہے (Gibbons، بحوالہ Bhattia وغیرہ ۱۹۹۵ء، ص: ۶)۔

ضابطے کے تحت چلنے والے آبی بازار ریاستہائے متحدہ امریکا اور چلی جیسے ترقی یافتہ ممالک میں بڑے کامیاب رہے ہیں۔ ۱۹۹۱ء کے خشک سالی کے زمانے میں کیلی فورنیا واٹر بینک نے کسانوں سے تقریباً ۱۰ء امریکی ڈالر فی مکعب میٹر کے حساب سے پانی خریدا۔ اس طرح انہیں فصلیں اگانے کے مقابلے میں ۲۵ فیصد زیادہ منافع ہوا۔ اب یہ پانی اوسطاً ۱۰ء امریکی ڈالر فی مکعب میٹر کے حساب سے انتہائی ضروری شہری اور زرعی استعمال کے لیے فروخت کر دیا گیا (Bhattia and Falkenmark، ۱۹۹۳ء)۔ چلی کا قانون اب بھی ایسی منتقلی کی اجازت دیتا ہے۔ شہر لاسیرینا (La Serena) نے بڑھتی ہوئی پانی کی مانگ کو کسانوں سے پانی خرید کر پورا کیا۔ یہ پانی مجوزہ پنکلا را ڈیم (Puclara Dam) کی تعمیر کی لاگت کے مقابلے میں بہت کم قیمت پر لیا گیا۔ اب اس ڈیم کی تعمیر غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دی گئی ہے (Postel ۱۹۹۵ء)۔ اردن میں حکومت نے کسانوں کو ۱۲۰ امریکی ڈالر فی ایکڑ کے حساب سے ادا کیے تاکہ وہ ۱۹۹۱ء میں سبزیاں اور سالانہ فصلیں نہ اگائیں۔ یہ تسلیم شدہ آبی حقوق کی تجارت کی ایک واضح مثال ہے (Shatanawi and Al-Jayyousi ۱۹۹۵ء)۔

کیا منڈی کے ذریعہ بین الشعبہ جاتی آبی مختص کاری مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے خطوں میں مصفاہ، پائیدار اور معاشی اعتبار سے قابل عمل ہو سکتی ہے اور کیا یہ اسلام سے مطابقت بھی رکھ سکتی ہے؟ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام ایک ایسی سماجی و ثقافتی قوت ہے جو اس خطے میں عقائد اور پالیسیوں کی تشکیل کرتی ہے۔ زیر نظر باب میں اسلام میں منڈیوں کی اجازت کے موضوع پر بات کرتے ہوئے دیگر مسائل پر بھی بحث کی گئی ہے جن میں پائیدار آبی منڈی کے لیے شرائط، بے ضابطہ بازاروں کے ساتھ منسلک مسائل، خوراک کے تحفظ کا مسئلہ اور مربوط آبی انتظام کے طریقہ کار کی ضرورت بھی شامل ہیں۔

اسلام میں آبی منڈیاں

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں آبی منڈیوں کے ذریعے زیادہ عادلانہ آبی انتظام کے امکانات پر غور و خوض کرنا لا حاصل ہے اگر ایسی منڈیاں اسلام کے اصولوں سے مطابقت نہ رکھتی ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام کا اثر ہر ملک پر جداگانہ ہے۔ مثال کے طور پر بعض ممالک مثلاً تیونس بالکل مغرب کے رنگ میں رنگ گئے ہیں جبکہ دوسروں مثلاً ایران اور سعودی عرب کے آئین شریعت پر مبنی ہیں۔ لیکن عام طور سے اس خطے کے تیس کروڑ مسلمانوں پر اسلام کا گہرا اثر ہے۔

اسلام میں پانی کے بازاروں کی اجازت دینا اس پر منحصر ہے کہ آیا مندرجہ ذیل شرائط پر سختی سے کاربند ہوا جا رہا ہے: افراد یا گروہ پانی پر خصوصی حقوق رکھتے ہیں؛ یہ حقوق قابل منتقلی ہیں؛ اور یہ کہ ان حقوق کو فروخت کرنے کی صورت میں لاگت کی وصولی ہو سکتی ہے۔

اسلام میں پانی کی درجہ بندی بشکل نجی مال، محدود نجی مال اور سرکاری مال، اس کتاب کے ایک باب میں قدوری، جہار اور نہدی زیر بحث لائے گئے ہیں۔ اسی باب میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ نجی مال اور محدود نجی مال کو ذاتی ملکیت میں بھی رکھا جاسکتا ہے اور فروخت بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر پانی پر آنے والے اخراجات کی وصولی کے لیے اس کی قیمت رکھی جاسکتی ہے اور اسے بیچا بھی جاسکتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی تجارت اپنے شعبے کے اندر بھی ہو سکتی ہے اور دوسرے شعبوں کے ساتھ بھی۔ اپنے شعبے کے اندر خصوصاً زراعت میں، مسلمان ملکوں مثلاً ایران میں پانی فروخت کرنے کی روایت رہی ہے اور یہ اسلام کی آمد کے بعد کے فارس میں اور حال میں اسلامی انقلاب رونما ہونے کے بعد کے ایران میں، دونوں ادوار میں ملتی ہے۔ اسلام کا قانونی نظام، پانی کے لین دین کے حوالے سے منڈی کے ادارے کو تسلیم کرتا ہے۔ ایران اور سعودی عرب دونوں ملکوں میں پینے کے پانی کی فراہمی پر ہونے

والے اخراجات کی وصولی کے لیے ایک محصول کا نفاذ نہ صرف جائز ہے بلکہ قانوناً تسلیم کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ واضح ہے کہ اسلام نجی اور سرکاری دونوں قسم کے آبی بازاروں کی اجازت دیتا ہے اور پانی کی پیشتر کنٹریکٹ پر ہونے والے اخراجات کی وصولی کے لیے محصول کا نفاذ جائز قرار دیتا ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بین الشعبہ جاتی آبی بازاروں کی دوبارہ مختص کاری اسلام کے حوالے سے پسندیدہ ہے؟

اس سوال کا جواب اسلامی آبی قانون میں پانی کے استعمال کی ترجیحات پر غور کرنے سے دیا جاسکتا ہے۔ علمائے اسلام تسلیم کرتے ہیں کہ روایتی طور پر اسلامی معاشروں میں پانی کی ترجیحات کچھ یوں ہیں۔ اول، گھریلو مقاصد کے لیے (پیارا بھانے کا حق اور صاف رہنے کی ضرورت اور اس کا حق)۔ دوم، پالتو جانوروں کے لیے اور سوئم، زراعت کے لیے (Mallat ۱۹۹۵ء) جیسا کہ عبدالرحمن نے (اس کتاب میں) تذکرہ کیا ہے۔ حالانکہ اس کا ذکر اسلامی ذرائع میں با تفصیل نہیں ہوا ہے، سعودی عرب جیسے ممالک عام طور سے گھریلو، پالتو جانوروں اور زرعی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد صنعتی اور تفریحی مقاصد کے لیے پانی مختص کرتے ہیں۔

ظاہر ہے جوں جوں آبادی بڑھتی ہے اور آبادیوں کے انداز تبدیل ہوتے ہیں یعنی معاشرہ دیہی اور زرعی سے شہری اور صنعتی بنتا جاتا ہے تو پانی کی دوبارہ مختص کاری کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ یہ عدل اور پیار بھانے کے بنیادی حق کے تحفظ کے لیے ضروری بھی ہے۔ نظری اعتبار سے گھریلو استعمال اور جانوروں کو پانی پلانے کی واضح بنیادی حیثیت کو زراعت پر ترجیح دینے کے لیے دوبارہ مختص کاری مسلمان ملکوں میں غیر مسلم ممالک کے مقابلے میں انتہائی آسان ہو جاتی ہے۔ اس صورت حال میں، ریاست جو عوام کی نمائندہ کے طور پر کام کرتی ہے اور کمزوروں کو تحفظ فراہم کرتی ہے، مداخلت کر سکتی ہے اور اسے کرنا بھی چاہیے تاکہ پانی کے استعمال کی ترجیحات کا تعین ہو سکے۔

منڈیوں کے لیے ضروری شرائط

امریکا کے بعض حصوں اور چلی میں موثر اور منصفانہ آبی منڈیوں کی ضروری شرائط پوری ہو جاتی ہیں۔ لیکن کیا دوسری جگہوں پر بھی ایسا ہے؟ کم سے کم ضروری شرائط میں مناسب قانونی ڈھانچہ، ادارے، انضباطی میکانیات، معاشی پالیسیاں اور بنیادی ڈھانچہ شامل ہیں۔

مختص کاری کے لیے آبی منڈیوں کے قیام سے پہلے پانی پر ملکیت کا واضح حق ہونا چاہیے جو زمین کی ملکیت سے جدا ہو اور یہ حقوق ایسے ہوں جن کی تجارت ہو سکتی ہو۔ امریکا اور چلی کے علاوہ،

حال ہی میں آسٹریلیا کی کئی ریاستوں اور میکسیکو اور پیرو نے بھی پانی کی ملکیت کے حقوق طے کر دیے ہیں (۱۹۹۶ Chaudhuri)۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ پانی پر واضح، قابل تجارت نجی ملکیت کے حقوق جو زمین کی ملکیت سے جدا ہوں، اسلام میں قابل قبول ہیں۔ لیکن مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے بعض ممالک میں لادینی قانون سازی کے تحت یہ لازماً واضح نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں، ماحول کے تحفظ یا تیسرے فریق کے آبی حقوق کے تحفظ کے لیے قانون سازی لازماً ہونی چاہیے تاکہ بہت زیادہ پانی نکالے جانے سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ اسلام میں ماحول اور دوسروں کے آبی حقوق کا تحفظ جن میں پیڑ، پودے اور جانور بھی شامل ہیں، ضروری ہے۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ”کسی بھی جاندار کی خدمت کی جزا ہے“ اور ”اگر کوئی صحرا میں کنواں کھودتا ہے... تو وہ اس کنویں سے کسی جانور کو اپنی پیاس بجھانے سے نہیں روک سکتا“۔^۲ (قانون مدنی عثمانی) اُس ممنوعہ علاقے کو ”حریم“ کا نام دیتا ہے جہاں کنواں کھودنا ممنوع ہے کیونکہ اس سے پہلے سے موجود کنوئیں کے پانی کی فراہمی یا معیار متاثر ہو سکتا ہے۔ اسلام پانی کو روک رکھنے یا غلط استعمال کرنے والے کو جواب دہ سمجھتا ہے۔ اس میں صاف شدہ پانی کو آلودہ کرنا یا گدلا کرنا بھی شامل ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تین لوگوں سے صرف نظر کرے گا اور ان کو معاف نہیں کرے گا، ان کے لیے سخت عذاب کی وعید ہے۔ ان میں سے ایک وہ آدمی ہوگا جس کے پاس راہ میں فاضل پانی ہوگا لیکن وہ مسافروں کو نہ لینے دے گا“۔^۳

اس کے علاوہ، ایسے ادارے بھی ضروری ہیں جو خریدار اور فروخت کنندگان کے مابین بیچ کے آدمی کا کردار ادا کر سکیں تاکہ کاروبار انصاف پر مبنی ہو۔ پانی کے استعمال کنندگان کی انجمنیں بھی بڑا اہم کردار ادا کر سکتی ہیں یہاں تک کہ وہ رسمی قانونی کارروائی کا متبادل ثابت ہو سکتی ہیں اور سرکاری اہلکاروں کی کارکردگی بڑھانے کے لیے ”پریشر گروپ“ کے طور پر کام کر سکتی ہیں۔ اس طرح اس بات کا امکان پیدا ہو سکتا ہے کہ روایتی آبی شراکتی انتظامات، تقسیم کے نیٹ ورک۔ مثلاً یمن کا پانی میں شراکت کا نظام بذریعہ ”سیلابی آپاشی“ (چھوٹے بند جنہیں سیلابی موسم میں آبادیوں کے تعاون سے تعمیر کیا جاتا ہے)۔ اور مختص کاری کا طریقہ کار، آبی حقوق کے نیٹ ورک کو بتدریج وجود میں لاسکتا ہے۔

حال ہی میں آبادی کے تعاون سے وسائل کے انتظام اور شراکتی ترقی کے بارے میں جو کتابی تصورات سامنے آ رہے ہیں وہ اسلام میں ہمیشہ سے موجود تھے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ ”مسلمانوں کا تین چیزوں میں مشترکہ حصہ ہے، گھاس، پانی اور آگ (لکڑی)“^۴ اپنے اندر یہ مفہوم رکھتا ہے کہ ان تین مشترکہ ملکیتی وسائل کے انتظام میں سب کو شراکت کا حق ہے۔ مزید یہ کہ قرآن

کریم مومنین کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے کہ ”جو اپنے معاملات باہم مشورے سے (چلاتے) ہیں۔ خود نبی کریم ﷺ کو بھی شورا ایت (یعنی حکمرانوں کا اپنے عوام سے مشورہ کرنا) کی ہدایت کی گئی تھی۔“

منصفانہ تجارت کو یقینی بنانے کے لیے ضابطے بنانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حکومت ضابطوں سے اس حد تک آزادی دے دے کہ نجی ادارے رکھی طور پر پانی کی منڈی میں داخل ہو سکیں اور قیمتوں میں اضافہ ہو سکے۔ درحقیقت اگرچہ اسلام میں ایک عادل حکمراں جو ریاستی انتظام کو ضابطے کے مطابق چلا رہا ہوتا کہ کمزور کی حفاظت ہو سکے، بڑی اہمیت رکھتا ہے تاہم بازار میں بہت زیادہ سرکاری مداخلت جس میں قیمتوں کا تعین بھی شامل ہے، مستحسن نہیں ہے۔

شہری علاقوں میں پانی کی قیمتیں بڑھانے سے سرکاری نیٹ ورک سے پانی حاصل کرنے والوں کی طلب کم کرنے میں مدد ملے گی اور اسی کے ساتھ ساتھ بین الشعبہ جاتی آبی بازاروں کے لیے معاشی ترغیب کا سبب بھی بنے گی۔ سرکاری پانی حاصل کرنے والے متوسط اور اونچے طبقوں کے لیے پانی کی قیمت بڑھانے کی کافی گنجائش ہے۔ کم ترقی یافتہ ممالک میں پانی کی شرحیں کل لاگت کا صرف چھٹا حصہ ہیں (Bronsro ۱۹۹۸ء)۔ پانی کی فراہمی کی خدمات پر ہونے والے کل حقیقی اخراجات مختلف ملکوں میں مختلف ہیں لیکن اسرائیل مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کا وہ واحد ملک ہے جہاں شہری علاقوں میں پانی کی کل لاگت وصول کی جاتی ہے۔ یہ قیمت ضائع شدہ پانی کی صفائی پر آنے والے اخراجات سمیت ایک امریکی ڈالرنی مکعب میٹر ہے۔

پوری لاگت کے برابر قیمت متعین کرنا اسلام میں جائز ہے۔ ایران میں جہاں قانون شریعت کے مطابق ہے، آبپاشی کا پانی اوسط لاگت کی بنیاد پر ہونا لازمی ہے۔ (اس میں سٹم کو چلانے اور اس کی دیکھ بھال پر آنے والے اخراجات اور مشینوں کی فرسودگی کی وجہ سے قیمت میں کمی، دونوں شامل ہیں)۔ یہ شرط ۱۹۸۲ء کے قانون برائے منصفانہ تقسیم آب میں واضح طور پر درج ہے۔ اس قانون کا سرنامہ ہی پوری لاگت کے مطابق قیمت کے تعین کی توجیہ کر دیتا ہے۔ شہری علاقوں کے لیے ۱۹۹۰ء کا قانون کل (اوسط) لاگت کی وصولی کی اجازت دیتا ہے جس میں اصل سرمایہ اور فرسودگی کی وجہ سے تخفیف دونوں شامل ہیں۔ اس قانون کے نتیجے میں ۱۹۹۶ء میں ان خاندانوں کے لیے پانی کا محصول ۲۵۰ تا ۳۰۰ فیصد بڑھا دیا گیا جہاں پانی کا ماہانہ خرچ ۳۵ مکعب میٹر سے زیادہ ہے اور صنعتی و تجارتی استعمال کا محصول گھریلو استعمال والوں سے زیادہ کر دیا گیا ہے۔ اس طرح پھیلی پالیسی کو اٹا کر دیا گیا ہے (صدر۔ اس کتاب میں)۔

اس سب کچھ کا غریبوں پر کیا اثر پڑتا ہے؟ پہلی بات تو یہ کہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے تقریباً ہر شہر میں پانی کی قیمت حقیقت پسندانہ ہوگی جس میں یہ گنجائش بھی نکل سکے گی کہ ان غریب شہریوں کو جنہیں ابھی نلوں سے پانی نہیں مل رہا ہے، یہ سہولت بہم پہنچائی جاسکے۔ یہ قیمت اس قیمت سے کم ہوگی جو یہ لوگ اس وقت نجی فروخت کنندگان کو ادا کر رہے ہیں لیکن اس قیمت سے زیادہ ہوگی جو اس وقت نلوں سے پانی حاصل کرنے والے شہری ادا کر رہے ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں آئیوری کوسٹ میں صرف ۳۰ فیصد شہری آبادی اور ۱۰ فیصد دیہی آبادی کو صاف ستھرے پانی تک رسائی حاصل تھی۔ ۱۹۸۹ء تک ۷۲ فیصد شہری آبادی اور ۱۰ فیصد دیہی آبادی کو صاف ستھرے پانی تک رسائی حاصل ہوگئی (جگہ جگہ لگائے گئے نلکوں کے ذریعے)۔ اس بہتر صورت حال کی وجہ یہ تھی کہ نجی پانی کی کمپنی Société de Distribution d'Eau de la Côte d'Ivoire (SODECI) کو شہری محصولات میں اضافے کی اجازت دے دی گئی تھی خصوصاً صنعتی صارفین کے لیے۔ یہ اضافہ اتنا تھا کہ کمپنی کے طویل المیعاد ضمنی اخراجات پورے کئے جاسکیں (Bhattia وغیرہ ۱۹۹۵ء)۔ دوسرے یہ کہ محصولات کی ساخت کچھ اس طرح کی رکھی جاسکتی ہے کہ ہر ایک کو، ایرانیوں کی طرح، زندگی قائم رکھنے کے لیے پانی کی مناسب مقدار مل سکے۔ ایران میں پہلے ۳۰ لیٹر فی کس یومیہ کے حساب سے ہر گھر کو پانی دیا جاتا ہے یا اگر فی خاندان ۶ آدمی اوسطاً فرض کر لیے جائیں تو پانچ ہزار لیٹر ماہانہ ہر خاندان کو دیے جاتے ہیں (صدر، اس کتاب میں)۔ یہ قریب قریب اتنا ہی ہے جتنا کہ Lundqvist اور Gleick نے ۱۹۹۷ء میں انسان کی بنیادی ضرورت کا معیار یعنی ۵۰ لیٹر فی کس یومیہ تجویز کیا تھا۔ بہت سے ماہرین معاشیات مشورہ دیتے ہیں کہ حکومتوں کو چاہیے کہ وہ آمدنی میں زراعت بڑھائیں نہ کہ پانی کی قیمت میں، اور اس دلیل کی اسلام میں گنجائش نکلتی ہے کیونکہ یہاں زکوٰۃ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جو ہر مسلمان پر بشرط نصاب فرض ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ ایک ایسے اساسی ڈھانچے کا نظام ہونا چاہیے جو غیر ضروری اخراجات کے بغیر پانی کو خریدار سے فروخت کنندگان کی طرف منتقل کر سکے۔ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے تمام ممالک میں اس نوعیت کا انتظام تو نہیں ہے البتہ بعض ملکوں مثلاً اردن میں ہے۔ اسی طرح اس خطے کے باہر کے مسلمان ملکوں مثلاً پاکستان میں بھی ایسا نظام موجود ہے۔

مسائل اور رکاوٹیں

مسئلہ دراصل یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے متعدد ممالک اور دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں

آبی منڈیوں کے قیام کے لیے بنیادی سہولتیں موجود ہی نہیں ہیں۔ ان سہولتوں کو مہیا کرنے میں جو رکاوٹیں موجود ہیں وہ آبی انتظامات کی حدود سے بالاتر ہیں۔ بہت سے ملکوں میں یہ رکاوٹیں اتنی وزنی ہیں کہ انہیں دور کرنا چیلنج کا درجہ رکھتا ہے۔ ان میں کمزور ادارے اور زمینی اور پانی کے حقوق تک غیر منصفانہ رسائی جیسے مسئلے شامل ہیں۔ ان مشکلات کے باوجود بے ضابطہ بین الشعبہ جاتی آبی بازاروں کو وجود میں آنے سے نہیں روکا جاسکا جیسا کہ بنگلہ دیش، برازیل اور ہندوستان میں ہوا اور مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں اردن اور فلسطین میں ہے۔ درحقیقت پانی کی تجارت بین الشعبہ جاتی نہیں تو شعبہ کے اندر ہی سہی، اس خطے کے ہر شہر میں کچھ نہ کچھ ہو رہی ہے۔ لیکن اس قسم کے بلا منصوبہ اور بے ضابطہ بازار، تیسرے فریق کے مفادات یا ماحول کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ آگے دی گئی بحث ان چیلنجوں پر روشنی ڈالتی ہے جو آبی منڈیوں کی منصفانہ اور موثر ترقی کی راہ میں حائل ہیں۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ حکومت کی طرف سے کسی ضابطے کی غیر موجودگی کی وجہ سے اکثر تیسرے فریق پر بھی اثرات پڑے ہیں اور خارجی معاملات پر بھی۔ غریب کسان ہندوستان کے صوبے بہار میں اپنا زیر زمین پانی امیر کسانوں کو بیچ رہے ہیں یا مضافاتی باشندوں کو گھریلو استعمال کے لیے دے رہے ہیں۔ حکومت کی طرف سے زر تعاون کی بنیاد پر سستی بجلی کی فراہمی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ لوگ پھپھوں کے ذریعے بہت زیادہ پانی نکال رہے ہیں اور بعض مقامات پر تو کثرت سے پانی کے اخراج کے نتیجے میں زیر زمین پانی کی سطح گرتی جا رہی ہے۔ اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غریب کسان جو امیروں کے مقابلے میں زیادہ گہرے کنویں نہیں کھود سکتے ہیں وہ زیر زمین پانی سے محروم ہو چکے ہیں۔ زیر زمین پانی کی سطح نیچی ہو جانے کی وجہ سے وہ چشمے جو وہاں سے پانی حاصل کرتے ہیں، خشک ہو جائیں گے۔

مزید برآں، ہر چند کہ اسلام نے معاشرے کے غریب یا کمزور ارکان کے لیے عدل کو یقینی بنانے کی ضرورت پر زور دیا ہے تاہم غریب طبقے میں اثر و رسوخ یا طاقت کا فقدان مسلمان اور غیر مسلم دونوں طرح کے ملکوں کے درمیان مشترک ہے۔ مسلمان ملکوں میں بہت سے مطلق العنان حکومتیں شوراہت کے تصور سے روگردانی کرتے ہوئے اپنے شہریوں کو ان مختلف منصوبوں کو بنانے اور چلانے میں جو ان پر اثر انداز ہوتے ہیں، شریک نہیں کرتی ہیں۔ اردن میں آبی بازاروں کی مخفی صلاحیت کے بارے میں ایک مطالعے میں یہ سفارش کی گئی کہ پانی کے استعمال کنندگان کی انجمنوں کو مضبوط کیا جائے بالخصوص سطح مرتفع اور جنوبی غور کے علاقوں میں تاکہ حکومت پر موثر دباؤ ڈالنے اور پالیسی اور فراہم کردہ خدمات، دونوں میں پسندیدہ تبدیلی لا کر چھوٹے کاشتکاروں کی مدد کی جاسکے۔

(Shatanawi and Al-Jayyousi ۱۹۹۵ء)۔ دوسری طرف اہل ثروت حکومت کی پالیسیوں پر شدید دباؤ ڈالنے کے اہل ہیں۔ خاص طور سے بڑے بڑے زمیندار اور شہری علاقوں کے اونچے طبقے اپنے مفادات کے حصول کے لیے بڑی مضبوط لابی رکھتے ہیں۔ اگرچہ اس صورت حال میں پانی کا موصول بڑھانے کی اسلام نے اجازت دی ہے تاہم یہ ایک اہم چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے خاص طور سے اس وقت جبکہ خدمات کا معیار پست ہو۔

آخر میں، پانی کے اخراج کے بیرونی عوامل کا انضباط، پانی کا خرچ، معیار میں تبدیلیاں اور اسی طرح کے دوسرے امور بڑے وسیع قانونی اور جانچ کا نظام چاہتے ہیں جس کا مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے بیشتر ممالک میں فقدان ہے۔ بعض حالات میں قوانین تو موجود ہوتے ہیں لیکن حکومت میں بدعنوانیوں پر گرفت یا قابو پانے کی صلاحیت کمزور ہوتی ہے۔

ان مسائل میں سے کوئی بھی اسلام کا پیدا کردہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تمام ترقی پذیر ممالک میں مشترک ہیں۔ درحقیقت اسلام تو یہ کہتا ہے کہ ابتدائی لوازمات جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے، مختص کاری کے لیے آبی بازاروں کے قیام سے قبل پورے کرنا ضروری ہیں تاکہ عدل کو یقینی بنایا جاسکے۔ مزید برآں بعض ضروری قانونی ڈھانچے مثلاً تیسرے فریق اور ماحول کا تحفظ جو اسلامی قانون میں پہلے ہی راہ پا چکے تھے، جدید مغربی قانون میں بعد میں لائے گئے۔

غذائی سلامتی

زرعی ضروریات کے لیے فراہم کردہ تازہ پانی کی مقدار کم کرنے سے قومی غذائی فراہمی اور غریب کسانوں اور کھیت کے دوسرے کارکنوں پر سماجی و اقتصادی اثرات کے بارے میں تشویش سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ یہ پریشانی جائز ہے اور اس کے بارے میں دو نکات اٹھائے جاسکتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ زراعت کو ملنے والا پانی مختلف بلکہ کم معیار کا ہو لیکن مقدار میں بین الشعبہ جاتی منتقلی کی پالیسی کو اپنانے کے ساتھ ساتھ شہروں کے ضائع شدہ پانی کی اس مقدار کو بڑھایا جائے جس کی صفائی کی جاتی ہے اور اس صاف کئے ہوئے پانی کو زرعی استعمال کے لیے دے دیا جائے۔ مثال کے طور پر، اسرائیل کا منصوبہ یہ ہے کہ زراعت کے لیے مختص کیا ہوا کل تازہ پانی جو ۱۹۹۶ء میں ۷۰ فیصد تھا، وہ ۲۰۳۰ء تک کم کر کے ۲۰ فیصد کر دیا جائے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ زراعت کے لیے بچے ہوئے تازہ پانی کی مقدار ۲۰ فیصد سے بھی کم ہو سکتی ہے اگر اسرائیل اپنے حصے کا کچھ تازہ پانی آگے چل کر اپنے پڑوسیوں کو ان کے ساتھ امن کا معاہدہ کرنے کی خاطر دے

دے (Shuval بحوالہ Lundqvist and Gleick ۱۹۹۷ء، ص: ۷۳)۔ زراعت کے تازہ پانی میں یہ کمی ضائع شدہ پانی کی صفائی کے کام میں توسیع کے ساتھ ساتھ ہوگی تاکہ شہروں کا ۸۰ فیصد ضائع شدہ پانی صاف ہو کر دوسرے چکر میں زراعت کو دے دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عملی طور پر اسرائیل زراعت کو اسی قدر پانی مہیا کرتا رہے گا جتنا وہ آج کر رہا ہے۔

اسرائیل اور چند دوسرے ممالک مثلاً تیونس کو چھوڑ کر، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں ضائع شدہ پانی کا بہت ہی چھوٹا سا حصہ صاف کر کے دوبارہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں مثلاً پانی کے محصول کی شرحیں ضائع شدہ پانی کی صفائی پر آنے والے خرچ کو پورا نہیں کرتیں، ترقی یافتہ ممالک سے درآمد شدہ انتہائی پیچیدہ مشینی پلانٹ کی ناپائیداری اور یہ خیال کہ ضائع شدہ پانی کا استعمال خلاف اسلام ہے۔ جیسا کہ عبدالرحمن اس کتاب میں بیان کرتے ہیں سعودی عرب کے ممتاز علمائے کرام کی ایک مجلس کے فتوے کے مطابق اسلام میں ضائع شدہ پانی کا دوبارہ استعمال بالفعل ہر مقصد کے لیے جائز ہے بشرطیکہ لوگوں کی صحت پر بُرا اثر نہ پڑے۔ سعودی عرب آج کل اپنا ۲۰ فیصد ضائع شدہ پانی زرعی فصلوں کی آبیاری اور سڑکوں اور باغات کے سبزہ زاروں پر اور تیل صاف کرنے کے کارخانوں میں دوبارہ استعمال کر رہا ہے۔

ان حقیقتوں کے پیش نظر کہ مشرق وسطیٰ کے لوگ پہلے ہی پانی کے استعمال میں بڑے کفایت شعار ہیں اور یہ کہ زراعت کے شعبہ میں تازہ پانی کا استعمال کم سے کم ہوتا جائے گا، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں طلب آب کے انتظام کا سب سے اہم قدم یہ ہے کہ زراعت کے شعبے میں ضائع شدہ پانی کے استعمال کو وسعت دی جائے۔ مزید یہ کہ دوبارہ محفوظ استعمال اس بات پر منحصر ہے کہ ضائع شدہ پانی کا ہر قطرہ کسی نہ کسی صفائی کے عمل سے ضرور گزرے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے لازمی ہے کہ آبی محصولات کی شرحوں میں اضافہ کیا جائے اور ضائع شدہ پانی کی صفائی کو بڑے پیمانے پر وسعت دی جائے۔ صفائی کے پلانٹ کم لاگت کے ہوں اور لامرکزی ہوں، ضائع شدہ پانی کی صفائی قدرتی نظام کے مطابق ہو اور یہ پلانٹ جہاں پانی کو استعمال کرنا ہو وہیں یعنی موقع پر لگائے جائیں۔ بین الاقوامی ترقیات کا تحقیقی مرکز (IDRC) آج کل گدلے پانی کی صفائی کے ایک رہبر منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ اس منصوبے کے تحت بیت المقدس کے چاروں اطراف کی پہاڑیوں پر کم تھمی آبادیوں میں گھروں کے باغات کے لیے موقع پر ہی چھوٹے پیمانے پر قطرہ قطرہ پانی پکانے والے فلٹروں کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح دادی اردن اور مراکش کی دلدلی زمین میں آبی پودوں کو استعمال کیا جا رہا ہے اور مصر میں low-mechanical content-activated sludge پر

کام ہو رہا ہے۔

غذائی تحفظ کے حوالے سے دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے زیادہ تر ممالک میں اتنا پانی ہے ہی نہیں کہ کسی بھی صورت سے قومی غذائی خود کفالت حاصل کی جاسکے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے۔ پانی کی قلت کے معیار کے حوالے سے پانی کی کم سے کم مقدار ۱۰۰۰ مکعب میٹر فی کس سالانہ سمجھی جاتی ہے۔ اس میں غذائی خود کفالت کے لیے پانی کی ضروری مقدار بھی شامل ہے (Lundqvist and Gleick ۱۹۹۷ء)۔ لیکن جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں اوسط فراہمی آب ۲۰۰۵ء تک ۷۲۵ مکعب میٹر فی کس سالانہ ہو جائے گی اور اردن، تیونس اور یمن میں اس سے بھی خاصی کم ہوگی۔ جب اس قدر کم پانی دستیاب ہو تو پہلی ترجیح زراعت کے بجائے پینے کے پانی اور گھریلو ضروریات کو دی جانی چاہیے۔ نتیجتاً، غذائی خود کفالتی کے نظریے کی جگہ قومی غذائی سلامتی (Lundqvist and Gleick ۱۹۹۷ء) یا علاقائی غذائی خود کفالت اور غذاؤں و تیار شدہ مصنوعات کی موزوں ترین جگہوں سے خریداری کے ذریعہ ”مجازی پانی“ کی درآمد کی جائے۔ اسرائیل کے علاوہ بونسوانا جیسے قلت آب کے مارے ہوئے ممالک، اس حقیقت کو پہلے ہی تسلیم کر چکے ہیں۔ مؤخر الذکر غذائی خود کفالت کی پالیسی پر عمل پیرا نہیں ہے بلکہ وہ اجناس کے فراہم کنندگان کے ساتھ سالانہ گفت و شنید کے ذریعہ غذائی سلامتی کو یقینی بنانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ شوول (بحوالہ Lundqvist and Gleick ۱۹۹۷ء) کی رائے ہے کہ تازہ پانی کا تھوڑا سا حصہ یعنی ۲۵ مکعب میٹر فی کس سالانہ گھریلو طور پر تازہ سبزیوں کی کاشت کے لیے مختص کر دیا جائے کیونکہ اس کی غذائی اور معاشی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس طرح کی پیداوار کا کچھ حصہ تو شہری زراعت میں سبزیاں لگانے کے بڑھتے ہوئے رجحان سے حاصل ہوگا۔ دیہاتوں میں ٹریکٹر کے استعمال سے فصلوں کے لیے جتنی زمین اور پانی کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں شہروں میں بڑے پیمانے پر سبزیاں اُگانے میں صرف ۲۰ فیصد پانی اور ۱۷ فیصد زمین استعمال ہوتی ہے (اقوام متحدہ، ترقیاتی پروگرام بحوالہ Lundqvist and Gleick ۱۹۹۷ء، ص: ۲۵)۔ اس طرح شہروں کے باغات میں اُگائی جانے والی سبزیاں عام طور سے غریبوں کے لیے درآمد شدہ سبزیوں کے مقابلے میں سستی پڑیں گی۔ خشک ممالک میں بیشتر دوسری فصلیں زیادہ سے زیادہ صاف کئے ہوئے ضائع شدہ پانی استعمال کر کے اُگائی پڑیں گی اور پھر ایک وقت آئے گا کہ وہاں زراعت کے لیے صرف یہی پانی استعمال کیا جائے گا۔

آبی وسائل کا مربوط انتظام

بین الشعبہ جاتی انتقال آب بجائے خود مسئلے کا حل نہیں ہے بلکہ یہ معاشرے میں پانی سے حاصل شدہ مفادات میں توازن برقرار رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ جب تمام مکملہ مقاصد کے لیے وافر پانی دستیاب نہ ہو تو پھر یہ مشکل فیصلے کرنے پڑتے ہیں کہ کن کن شعبوں، سرگرمیوں اور خطوں کو پانی دیا جائے اور کتنا دیا جائے۔ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ممالک کی حکومتوں کو چاہیے کہ وہ پانی کو ایک بیش قیمت قدرتی وسیلہ تصور کریں اور اسے مختص کرنے کے لیے ایک طریقہ کار وضع کریں جو مربوط آبی انتظام کے تحت ہو اور جو تمام آبی مسائل کو ایک دوسرے سے بندھا ہوا تسلیم کرتا ہو۔ اور باتوں کے علاوہ اس طریقہ کار میں ایسے فیصلے کرنے پڑیں گے جن سے کثیر مالی مفادات پر اثر پڑے گا اور جس میں سرکاری محکموں کے درمیان تعاون کی بھی ضرورت ہوگی۔

مختص کاری کا عمل مقامی سطح پر شروع ہونا چاہیے تاکہ تمام متاثرہ وابستگان کی آواز بھی سنی جاسکے اور مختص کاری کی ترجیحات محض وہ لوگ نہ طے کریں جو زیادہ طاقتور ہیں۔ اس طریقہ کار سے کچھ کو جو پانی مل رہا تھا وہ بالکل نہ مل سکے گا اور اس طرح کم از کم مختصر مدت کے لیے پانی کی تقسیم غیر منصفانہ ہو جائے گی۔ لیکن اگر مختلف شعبوں اور خطوں کے مطالبات آب کو قومی مختص کاری کے عمل میں داخل کر دیا جائے تب ہی قومی سطح پر خطوں اور شعبوں کے درمیان عدل کے مضمرات کا تجربہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ عمل غالباً بار بار کرنا پڑے گا لیکن جب کسی ایک طاس کے لیے مختص کاری طے ہو جائے تو پھر پانی کے انتظام میں مرکزیت کو ختم کر دینا چاہیے اور فیصلے مناسب چلی سطح پر کئے جانے چاہئے۔ مزید یہ کہ اس مختص کاری پر ایک خاص مدت کے بعد نظر ثانی کی جانی چاہیے کیونکہ ملک کے حالات میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اسرائیل جیسے ممالک ایک ایسے نظام کی جانب بڑھ رہے ہیں جہاں پانی حاصل کرنے کے لیے اجازت نامے مختصر معیاد کے لیے جاری کیے جاتے ہیں اور ان کی تجدید صرف اسی وقت ہوتی ہے جبکہ اس ملک میں پانی کے مجموعی بہترین استعمال کی حکومت کی طرف سے مقررہ مدت کے بعد جانچ پڑتال ہو جاتی ہے۔

عمومی سطح پر ماڈلنگ کی ضرورت کی ایک اچھی مثال حال ہی میں عالمی بینک کے الجزائر کے ایک تحقیقی مطالعے کے بعد فراہم ہوئی ہے۔ اس مطالعے سے معلوم ہوا کہ آبپاشی کا ایک مجوزہ پروجیکٹ اور شہری علاقے کو فراہمی آب کا ایک منصوبہ، دونوں پانی کے ایک ہی وسیلے کے استعمال پر مبنی ہیں (Rogers ۱۹۹۳ء)۔ ایسی صورت میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ قومی معیشت کو جانچنے والے

ضمنی فوائد (بشمول غریبوں پر پڑنے والے اثرات) کا جو آبپاشی میں اضافی سرمایہ کاری سے ہوں گے، بڑی احتیاط کے ساتھ شہری شعبے میں سرمایہ کاری کے فوائد سے مقابلہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے پانی کے مختلف معیارات کی لاگت چھوٹے کاشتکاروں اور زرعی مزدوروں کو گھر سے بے گھر کرنے کے قلیل المدت اور طویل المدت اثرات مرتب اور متبادل ملازمتوں کے مواقع کے اندازوں کی ضرورت پڑے گی۔ وسائل کے دوسرے شعبوں، مثلاً توانائی میں بڑے ترقی یافتہ طریقہ کار موجود ہیں جن سے شعبہ جاتی اور عمومی منصوبوں کا موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ پانی کی مختص کاری کے لیے چند عمومی سطح کے منصوبے تشکیل دیئے گئے مگر ان کا استعمال بس کہیں کہیں ہوا ہے (Rogers ۱۹۹۳ء)۔

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کی زیادہ تو نہیں مگر متعدد اقوام کو یہ ناگزیر فیصلہ کرنا ہے کہ وہ غذائی خود کفالت کی پالیسی کے بجائے غذائی سلامتی کی پالیسی اختیار کریں۔ اس مقصد کے لیے کئی بیرونی اور داخلی معاملات کو مربوط بنانا ہوگا۔ خطے میں کہیں اور اگنے والی غذائی اجناس خریدنے کے لیے ریاستوں کو لازم ہوگا کہ وہ صنعتی برآمدات اور فروغ سیاحت سے کافی زرمبادلہ کمائیں اور تجارتی روابط کو مستحکم بنائیں۔ بیرونی تعاون کے علاوہ اس کام کے لیے مربوط داخلی پالیسیاں بنانی ہوں گی جس کے تحت مختلف سرکاری محکموں بشمول زراعت، تجارت، سیاحت اور صنعت میں باہمی تعاون درکار ہوگا۔

حکومتوں کے لیے قومی آبی مختص کاری کے سلسلے میں بصیرت سے کام لینا ہوگا اور منڈیوں کو اس طور پر چلانا ہوگا کہ منتقلی آب، آہستہ مگر مسلسل ہو اور سوچ سمجھ کر ہو۔ ان ہی اعداد و شمار کو استعمال کرتے ہوئے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اگر ہم یہ فرض کریں کہ سارے ملک میں ۱۰۰ یونٹ قابل تجدید پانی موجود ہے تو زراعت سے ۸ یونٹ منتقل کرنے کے لیے شعبہ جاتی استعداد میں محض ۱۰ فیصد اضافے کی ضرورت ہوگی۔ لیکن اس کے نتیجے میں گھریلو استعمال کا پانی تقریباً دوگنا ہو جائے گا اور اس کا بھی امکان ہے کہ اسی قدر پانی صاف کئے ہوئے ضائع شدہ پانی کے طور سے دوبارہ زراعت کو مل جائے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر استعمال کنندگان کو ایسی معاشی ترغیب حاصل ہو کہ وہ از خود پانی کے استعمال کے حق کو فروخت کرنے لگیں تو دیہی علاقوں میں طلب آب کا انتظام کہیں زیادہ آسان ہو جائے گا۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ پانی کو کم استعمال کرنے کے باوجود زرعی پیداوار کو نہ صرف اپنی سطح پر قائم رکھا جاسکتا ہے بلکہ اس کو بڑھایا بھی جاسکتا ہے۔ بالخصوص اگر کم استعداد کے آبپاشی کے ان طور طریقوں سے آغاز کیا جائے جو مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ممالک میں عام ہیں۔ اس

طریقے کو کام میں لا کر افریقہ کے ممالک، کینیا (مچاکوس) اور تانزیریا (کینیا) میں پانی کا استعمال کم کر کے یا زمین کے بچرین کے عمل کو اٹنا کر کے زرعی پیداوار میں بہت زیادہ اضافہ کیا گیا ہے (Templeton and Scherr ۱۹۹۷ء)۔

نتیجہ

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے خطے میں پانی کی قلت کی صورت حال خطرناک ہوتی جا رہی ہے اور شہری آبادی میں اضافے کی بڑھتی ہوئی شرح حکومتوں پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ وہ دیہی علاقوں سے جہاں پانی کا استعمال سب سے زیادہ ہے، پانی کو شہری علاقوں کی طرف منتقل کر دیں جہاں خطے کے غریب طبقے کی اکثریت پہلے ہی سے رہائش پذیر ہے۔ دیہی علاقوں میں پانی تک رسائی کے سلسلے میں ناانصافیوں کے ساتھ ساتھ شہروں میں بھی ناانصافیاں بڑھتی جا رہی ہیں جہاں سرکاری سہولتوں سے محروم غریب طبقہ شہر میں پھیلے ہوئے غیر رسمی آبی بازاروں سے بڑی اونچی قیمتوں پر پانی لینے کے لیے مجبور ہے۔ مزید یہ کہ جوں جوں شہروں میں پانی کی کمی کس فراہمی کم ہوتی جائے گی، شہری غریبوں کی حالت مزید بدتر ہوتی جائے گی۔

شہری علاقوں میں دستیاب پانی سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کے لیے طلب آب کے انتظامی اقدامات کے ساتھ ساتھ بین الشعبہ جاتی آبی بازاروں کی سفارش کی گئی ہے جن کے ذریعہ سے دیہی علاقوں کے کسانوں سے تازہ پانی لے کر (جو اسے اپنی مرضی سے فروخت کرتے ہیں) شہری علاقوں میں پہنچا دیا جائے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ضائع شدہ پانی کی صفائی کے انتظامات کو وسعت دی جائے اور اسے زراعت، بالخصوص مضافاتی علاقوں میں زراعت کے لیے استعمال کیا جائے۔ ترقی یافتہ ممالک مثلاً امریکا اور چلی میں ایسے آبی بازار جو ضابطوں کے تحت چلتے ہیں بڑے کامیاب رہے ہیں۔ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں بھی آبی بازاروں کے ذریعہ بین الشعبہ جاتی منتقلی آب ناگزیر ہے۔ پانی کی بڑھتی ہوئی قلت اور بلیک مارکیٹ میں اس کی اونچی قیمتیں اس خطے کے اردن، فلسطین اور لبنان جیسے ممالک میں بے ضابطہ آبی بازاروں کے وجود میں آنے کا سبب بنی ہیں۔ ایسے بے ضابطہ بازاروں کے سبب سے جہاں نہ کوئی قاعدہ اور قانون ہو، نہ کوئی تنظیم ہو اور نہ کوئی معاشی کنٹرول، ایسے طور طریقے جنم لیتے ہیں جو فراہمی آب کو غیر یقینی بنا دیتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسا ہی ہوا ہے جہاں کسان اپنے حصے کا پانی دوسرے کسانوں یا شہر والوں کو بیچ دیتے ہیں جس کے نتیجے میں زیر زمین پانی کی سطح خطرناک حد تک نیچے چلی گئی ہے۔

اسلام کے مطابق بیشتر اقسام کے پانی کی تجارت جائز ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ چونکہ اسلام نے پانی کے حقوق کی ترجیحات کے بارے میں واضح رہنما اصول بتادیئے ہیں اس لیے پانی کے کچھ حصے کی وہی علاقوں سے شہروں کی طرف منتقلی نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے۔ چنانچہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ممالک کی حکومتوں کو مطالعے کر کے ضروری قانون بنانے چاہئیں، ادارے قائم کرنا چاہئیں اور معاشی اصلاحات کرنی چاہئیں اور ایک ایسا طریقہ کار وضع کرنا چاہیے جس میں مربوط آبی انتظام کے ساتھ ساتھ کثیر مقادرات سے منسلک افراد کے مشورے بھی شامل ہوں تاکہ پانی سوچ سمجھ کر مختص کیا جاسکے اور معاشرے کے اہداف پورے ہو سکیں۔ حکومتوں کا یہ بھی فرض ہے کہ کسانوں اور کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے لیے ملازمتوں کے مواقع فراہم کرے۔ اس قسم کے قائدانہ اقدامات کے بغیر بڑھتے ہوئے بے قاعدہ بازاروں کے نتیجے میں اور نا انصافیاں جنم لیں گی کیونکہ اس طرح پانی امیروں اور بااختیار لوگوں کے پاس ہی زیادہ سے زیادہ پہنچتا رہے گا اور غرباء اور بے سہارا لوگوں کے لیے شاید ہی کچھ بچے گا۔

حواشی

- ۱۔ البخاری ۸۰۳۸۔
- ۲۔ البخاری ۵۵۵۰ (Hadith Encyclopedia میں)۔
- ۳۔ البخاری ۷۰۵۲۔
- ۴۔ ابوداؤد ۳۴۷۸۔
- ۵۔ ۳۸:۴۶۔

REFERENCES

- Bhattia, R., Cesti, R., and Winpenny, J. (1995), *Water Conservation and Reallocation: Best Practice Cases in Improving Economic Efficiency and Environmental Quality*, Joint Study, World Bank–Overseas Development Institute, Washington, D.C.
- Bhatia, R. and Falkenmark, M. (1993), *Water Resources Policies and Urban Poor: Innovative Approaches and Policy Imperatives*, Water and Sanitation Currents, UNDP–World Bank Water and Sanitation Programme, Washington, D.C.
- Bino, M. J. and Al-Beiruti, Shihab N. (1998), "Inter-Islamic Network on Water Resources Development and Management (INWRDAM)," *INWRDAM Newsletter* 28 (October).
- Bronsrø, A. (1998), "Pricing Urban Water As a Scarce Resource: Lessons from Cities around the World," in *Proceedings of the CWRA Annual Conference*, Victoria, B.C.,

- Canada, Canadian Water Resources Association, Cambridge, Ont.
- Chaudhuri, S. (1996), "To Sell a Resource." *Down to Earth*, 15 February 1996. pp. 35-37.
- Lundqvist, Jan and Gleick, Peter (1997), *Comprehensive Assessment of the Freshwater Resources of the World –Sustaining Our Waters into the 21st Century*, Stockholm Environment Institute, Stockholm.
- Mallat, Chibli (1995), "The quest for water use principles," in M.A. Allan and Chibli Mallat (eds.), *Water in the Middle East*, I. B. Tauris, New York.
- Postel, S. (1995), "Waters of Strife," *Water* 27 (November-December), pp. 19-24.
- Rogers, Peter (1993), "Integrated Urban Water Resources Management," *Natural Resources Forum* 10 (February), pp. 33-42.
- Shatanawi, M. R. and Al-Jayyousi, O. (1995), "Evaluating Market-Oriented Water Policies in Jordan: A Comparative Study," *Water International* 20 (2), pp. 88-97.
- Templeton, S. R. and Scherr, S. J. (1977), *Population Pressure and the Micro-economy of Land Management in Hills and Mountains of Developing Countries*, Discussion Paper 26, Environment and Production Technology Division, International Food Policy Research Institute, Washington, D.C.

مشترکہ پانی کا انتظام: بین الاقوامی اور اسلامی قانون کا موازنہ

ایاد حسین اور عودہ الجیوسی

بین الاقوامی آبی وسائل میں سطح زمین کا پانی مثلاً جھیلیں، دریا اور ان کے معاونین اور زیر زمین پانی مثلاً اکوئیفرز اور گڑھے شامل ہوتے ہیں، اگر یہ سب دو یا دو سے زیادہ ملکوں کی حدود میں واقع ہوں۔ پانی کے ایسے مشترکہ وسائل کے انتظام میں کئی عوامل پر نظر رکھنی ہوتی ہے مثلاً مرد و جہ تو انہیں، موجودہ قانونی اور ادارہ جاتی ڈھانچے، حال اور مستقبل کے آبی وسائل اور ان کا استعمال، آب و ہوا اور خطے یا دریا کے طاس میں پانی کی دستیابی، مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والے پانی کی لاگت اور استعمال کنندگان کی ادائیگی کی صلاحیت۔ اس باب میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ قانونی ڈھانچے کا جو تصور نظریاتی طور پر پہلے ہی سے اپنا وجود رکھتا ہے، مشترکہ آبی وسائل کے انتظام میں کام آسکتا ہے۔ لیکن بین الاقوامی آبی وسائل پر ہر جگہ کسی ایک قانون کا اطلاق نہیں ہوتا۔

مور (Moor ۱۹۹۲ء) استدلال کرتے ہیں کہ پانی کی تقسیم کے مسئلہ پر بین الاقوامی آبی قانون کے تحت، استعمال کرنے والوں کے مابین عدل کی کوئی ایسی تعریف نہیں ملتی جسے آفاقی طور پر تسلیم کیا جاتا ہو۔ چونکہ ہر بین الاقوامی وسیلہ آب کی خصوصیات (Hydrology) اداروں کے دائرہ کار اور قانونی پہلوؤں کے اعتبار سے الگ ہوتی ہے اس لیے ایسے قواعد و ضوابط جو آفاقی نفاذ کے لیے ہوں، اس وقت تک حقیقت پسندانہ نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ وسیع البدیاد اور چکدار نہ ہوں۔ سالہا سال سے ان ملکوں کے درمیان جہاں دریا ہوں اور اس کے پانی میں شراکت داری ہو، تنازعات کھڑے ہوتے رہتے ہیں کیونکہ خود مختاری کے مسئلہ پر ہر ایک کی سوچ مختلف ہوتی ہے۔ تنازعہ ہمیشہ ان

ریاستوں کے درمیان ہوتا ہے جہاں دریاؤں کے ابتدائی اور آخری حصے واقع ہوتے ہیں۔

بین الاقوامی آبی قانون اور اس پر عمل

اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ کسی ملک کی قومی آبی پالیسی بین الاقوامی قانون کے مقابلے میں اس بات سے زیادہ متاثر ہو کہ دریا کے طاس میں اس ملک کی پوزیشن کیا ہے۔ کیا وہ اس کے بالائی حصے میں ہے یا نچلے حصے میں۔ آبی پالیسی بناتے ہوئے یہ خوف بھی دامن گیر رہتا ہے کہ کہیں کوئی ایسی مثال نہ قائم ہو جائے جو مستقبل میں پڑوسی ممالک سے معاملہ کرتے ہوئے ناموافق ثابت ہو یا جسے بین الاقوامی برادری رد نہ کر دے۔ روایتی طور پر بین الاقوامی دریاؤں کا استعمال پانچ اصولوں کے تحت ہوتا ہے (Utton and Teclaff ۱۹۷۸ء):

- مطلق علاقائی حاکمیت (the Harmon Doctrine) جو ان ریاستوں کو جہاں سے دریا پہلے بہنا شروع ہوتے ہیں (Upper riparian states)، اپنی سرزمین میں بہنے والے دریاؤں پر مکمل حاکمیت دیتا ہے۔
 - مطلق علاقائی سالمیت، جو ایسی ریاستوں کو جہاں دریا بعد میں بہتے ہوئے پہنچتے ہیں، دریا کے استعمال کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ دریا کی حالت تبدیل نہ کی جائے۔
 - محدود علاقائی حاکمیت یا منصفانہ استفادے کا نظریہ، جو دریا کے استعمال کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ دوسرے ملکوں کو جہاں وہ دریا جاتے ہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔
 - محدود علاقائی سالمیت، جو دریاؤں والے ملکوں میں مفادات سے وابستہ کمیونٹی کے وجود کو تسلیم کرتا ہے اور جس کے نتیجے میں دو طرفہ حقوق اور فرائض کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اور
 - دریاؤں کے طاس میں بہاؤ کی ترقی یا مفادات سے وابستہ کمیونٹی کا نظریہ جس کے تحت تمام دریاؤں والے ممالک پر مشترکہ طور پر دریاؤں کی ترقی کے لیے کام کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔
- اس آخری نظریے کی بین الاقوامی قانونی برادری بڑے وسیع پیمانے پر وکالت کرتی ہے (Utton and Teclaff ۱۹۷۸ء)۔ مفادات سے وابستہ کمیونٹی کا یہ نظریہ تسلیم کرتا ہے کہ دریا کے بہاؤ کے بالائی حصے اور زیریں حصے کے ممالک، دونوں آبی وسائل پر جائز مفاد کے حامل ہیں۔ یہ نظریہ ان وسائل کے استعمال پر تمام متعلقہ فریقوں کے باہمی مفادات میں توازن قائم رکھنے کی کوشش بھی کرتا ہے (Wilson ۱۹۹۶ء)۔ ۱۹۶۶ء میں بین الاقوامی قانون کی انجمن نے بین الاقوامی دریاؤں کے پانی کے استعمال کے بارے میں ہیلسنکی قواعد (Helsinki Rules) وضع کئے جس میں

یہ تصوّر موجود تھا۔ ان قواعد میں عادلانہ استفادے کا اصول بھی اپنایا گیا ہے۔

یہی تصور اقوام متحدہ کے بین الاقوامی لاکمیشن نے اپنا کر ۱۹۹۱ء میں بین الاقوامی آبی راستوں کے علاوہ دیگر استعمال کے قانون کے لیے مجوزہ دفعات تیار کیں۔ ان قواعد کے مسودے پر اقوام متحدہ کے رکن ممالک کی حکومتوں اور اس شعبے کے ماہرین نے نظر ثانی کی اور پھر دوبارہ ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۴ء میں ان کی آراء کی روشنی میں بین الاقوامی لاکمیشن نے اپنے اجلاسوں میں جائزہ لیا۔ ۱۹۹۴ء کے موسم گرما میں کمیشن نے بالآخر ۳۳ دفعات پر مشتمل ایک متن منظور کیا اور اُسے جنرل اسمبلی میں پیش کیا۔ جنرل اسمبلی نے مئی ۱۹۹۷ء میں ایک قرارداد نمبر ۵۱/۲۲۹ کے ذریعہ اس کی منظوری دے دی۔

بین الاقوامی لاکمیشن کی دفعات (ILC ۱۹۹۷ء) کے اہم تصورات اور اصولوں کا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہے:

ان دفعات کا مقصد کسی بین الاقوامی دریا سے کسی ایک دریائی مملکت (دفعہ ۵) کے ”منصفانہ اور معقول“ استفادے اور دوسرے دریائی ممالک کو جو یا تو پہلے سے اس دریا کو استعمال کر رہے ہوں (دفعہ ۷) یا آئندہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں، ”صریح نقصان“ سے بچانے کی ضرورت کے مابین ایک توازن پیدا کرنا ہے (دفعات نمبر ۵، ۸، نمبر ۲۰، نمبر ۲۱)۔ یہ دفعات دریائی مملکتوں کو پابند بناتی ہیں کہ اپنے مشترکہ دریاؤں کی حفاظت اور اس سے زیادہ سے زیادہ استفادے کے لیے آپس میں تعاون کریں (دفعہ نمبر ۸)۔ ان دفعات میں اس کی بھی اجازت دی گئی ہے کہ دریائی ممالک کے درمیان معاہدے کا اطلاق دریا کے پورے راستے پر بھی ہو سکتا ہے اور کچھ حصے پر بھی۔ (دفعہ نمبر ۳)۔ مگر مؤخر الذکر صورت میں معاہدہ دوسری دریائی مملکتوں کی طرف سے پانی کے استعمال کو نمایاں حد تک بری طرح متاثر نہ کرے۔ دفعہ نمبر ۷ کے پہلے پیراگراف کے الفاظ کچھ یوں ہیں ”آبی راہ کی ریاستیں، اپنے خطوں سے گزرنے والی بین الاقوامی آبی راہ سے استفادہ کرتے وقت ایسے تمام مناسب اقدامات کریں گی جن سے اس آبی راہ کی دوسری ریاستوں کو قابل ذکر نقصان سے بچایا جاسکے۔“ مختلف نوعیت کے استعمال کے مابین تعلق کے بارے میں دفعہ نمبر ۱۰ یہ کہتی ہے ”اگر یہ اصول کسی معاہدے یا رواج سے متصادم نہ ہو تو ایک بین الاقوامی آبی راہ کے کسی ایک استعمال کو کسی دوسری نوعیت کے استعمال پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔“

دریاؤں کے حوالے سے مشترکہ آبی وسائل کے انتظام کے سلسلے میں جو مسائل اور رکاوٹیں درآتی ہیں اور جو مواقع سامنے آتے ہیں وہ دریائے نیل کے معاہدے کے پس منظر اور تاریخ میں

واضح طور پر نظر آتے ہیں (Flint ۱۹۹۵ء)۔ اسی طرح زیر زمین وسائل کے حوالے سے جو مشکلات سامنے آتی ہیں ان کا اندازہ اردن اور سعودی عرب کے درمیان رَم الکونیفر (Rum Aquifer) کے استعمال سے جو مسائل ابھرے ہیں، ان کو دیکھ کر ہوتا ہے (Naff and Matson ۱۹۸۴ء)۔

دریائے نیل سے سیراب ہونے والا علاقہ جو اس کے منبع سے بحیرہ روم تک پھیلا ہوا ہے، آٹھ ممالک کے درمیان مشترک ہے یعنی روانڈا، یوگنڈا، تنزانیہ، کینیا، زائرے، حبشہ، سوڈان اور مصر۔ ان میں دریائے نیل پر سیاسی اور طبعی غلبے کے اعتبار سے سب سے زیادہ ممتاز ملک مصر ہے۔ نیل اور سفید نیل دونوں کے بالائی حصے کے ممالک اپنے سیاسی اور معاشی عدم استحکام کی وجہ سے کمزور حیثیت کے مالک ہیں۔ مصر کی آزادی کے ابتدائی برسوں میں، دریا کے اختتامی دھارے پر غلبہ رکھنے کے لیے سوڈان کے دریائے نیل کے پانی کے استعمال کے معاملے پر حکومت برطانیہ سے مذاکرات کیے گئے۔ ۱۹۲۹ء میں مصر اور سوڈان میں ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت دریائے نیل کا پانی دونوں فریقوں کے درمیان مختص کیا گیا۔ ۱۹۵۹ء میں اس معاہدے کا دوبارہ جائزہ لیا گیا اور اسے آخری شکل دی گئی۔

جولائی ۱۹۹۳ء میں بین الاقوامی قانون پر مبنی ایک عمومی معاہدہ اختتامی دھارے کے ممالک اور حبشہ کی نئی حکومت کے درمیان طے پایا جو باہمی تعاون کے ایک نئے دور کا آغاز کر سکتا ہے۔ اس معاہدے میں ایک دفعہ یہ بھی شامل تھی کہ دریا کے بالائی حصے کے ممالک کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائیں گے جس سے نچلے حصے کے ممالک کو نقصان پہنچے اور ایسے مستقبل کے آبی منصوبوں پر مشاورت اور تعاون جاری رکھیں گے جو باہمی مفاد میں ہوں۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دریائے نیل کی دریائی ریاستیں بین الاقوامی آبی قانون میں تبدیلیوں کی منتظر ہیں جن میں وہ تبدیلیاں بھی شامل ہوں گی جو بین الاقوامی لاکمیشن کے آبی راہوں کے اس مطالعے کی بنیاد پر کی جائیں گی جو مستقبل میں تعاون اور روابط کے حصول کے لیے کیے گیا تھا۔

مشترکہ زیر زمین آبی وسائل کا علاقہ اس مطالعہ میں رَم الکونیفر ہے جو سعودی عرب کے شہر تبوک کے قریب سے شمال کی طرف اردن سے ہوتا ہوا بحر مردار کے شمالی کونے تک چار سو کلومیٹر کے طول میں پھیلا ہوا ہے۔ رَم الکونیفر کے زیر زمین پانی کو مسلسل استعمال کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ”اصل سرمائے“ کو خرچ کر رہے ہیں۔ اس لیے عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس پانی کے استعمال کی رفتار اور دورانیہ میں احتیاط کی جائے اور دوسرے متبادل، طویل المدتی اور پائیدار وسیلے کی ترقی پر

کام کیا جائے۔ فی الحال، پائیدار ترقی کا مسئلہ پیچیدہ ہے کیونکہ تبوک کے خطے میں اس وسیلہ آب کو کثرت سے استعمال کیا جا رہا ہے اور اردن میں بھی زیر زمین آبی ذخائر کے استعمال کے منصوبے موجود ہیں۔ متبادل وسائل کے بارے میں ایک اندازہ یہ تھا کہ طویل المدت قومی طلب آب کو پورا کرنے کے لیے زم اکویفر سے ۵۰ تا ۷۰ ملین مکعب میٹر سالانہ پانی نکالا جائے جو عمان کو پانی کی فراہمی کے لیے ایک باکفایت وسیلہ ہو سکتا ہے۔ دوسرے مطالعے جو زم اکویفر کو ایک متوازن وسیلے کے طور پر دیکھتے ہیں، بتاتے ہیں کہ اگر اس وسیلے سے صرف ۱۱۰ ملین مکعب میٹر سالانہ حاصل کیا جائے تو یہ سو سال تک کارآمد رہ سکتا ہے (Thames Water ۱۹۸۸ء)۔

آج کل تو اردن کے مقابلے میں سعودی عرب زیر زمین آبی ذخائر بہت زیادہ استعمال کر رہا ہے دونوں ممالک میں اس موضوع پر بات چیت بھی ہوئی ہے لیکن کوئی معاہدہ نہیں ہو سکا ہے۔ چونکہ مشترکہ قانونی، ادارہ جاتی طریقہ کار اردن اور سعودی عرب کے درمیان وضع نہیں کیا جاسکا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ بین الاقوامی یا اسلامی قوانین کے اصولوں کی روشنی میں ان کے درمیان کوئی آبی معاہدہ طے کر لیا جائے۔

بین الاقوامی آبی قانون اور اسلامی آبی قانون کے اصول

آبی منصوبہ بندی اور انتظام کے بارے میں بعض اسلامی کلیوں کے پانی کے عادلانہ اور معقول استفادے، اس کی ملکیت، صریح نقصان، مشاورت کی اہمیت اور ماحول اور ماحولیاتی نظام کی حفاظت کے حوالے سے واضح مضمرات ہیں۔ آئندہ سطور میں بین الاقوامی لاکمیشن کی دفعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان ہی موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

عادلانہ اور معقول استفادہ

اسلام میں پانی کے مفید استعمال کو جاننے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ حقوق کے غلط استعمال کے خلاف کیا کچھ کہا گیا ہے۔ حقوق کا استعمال اخلاقی اور قانونی ضوابط کے اندر رہتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ اول الذکر کے لیے اچھے رویے اور دوسروں کا خیال رکھنے کے علاوہ تسلیم شدہ اخلاقی اصولوں کے مطابق چلنا ضروری ہوتا ہے۔

اسلامی شریعت کے مطابق ہر قسم کا ضیاع ممنوع ہے، سب سے بڑھ کر پانی کا ضیاع۔ مسلمان فقہیہ بتاتے ہیں کہ ہر اس شے سے جو مباح ہے ہر فرد کو استفادے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ مباح سے مراد وہ اشیاء ہیں جو ملکیت کی تمام پابندیوں اور ان شرائط سے آزاد ہیں جو کسی طرح بھی نوع انسانی

کے لیے ان کی فراہمی پر قدغن لگائے۔ اس لیے لوگ دریاؤں اور جھیلوں کو جو ان کی ملکیت نہیں ہیں، اسی طرح استعمال کرتے ہیں جس طرح وہ ہوا اور روشنی کو استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ پانی کو مختلف مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے تاہم استعمال کنندہ اس کو اس طرح استعمال کرنے یا استفادہ کرنے میں آزاد نہیں ہے جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے۔

پانی کے بڑے ذخیروں میں جنہیں مختص کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے، مساوی حصہ داری ہوتی ہے۔ چھوٹی نہریں یا جھلیں پہلے ان لوگوں کو مختص کی جاتی ہیں جو ان وسائل آب کے قرب و جوار میں بستے ہیں۔ تاہم اگر پانی اتنا وافر موجود نہیں ہے جس سے سب کی ضروریات پوری ہو سکیں تو آبی حقوق مندرجہ ذیل طریقے سے مختص کیے جاتے ہیں:

- جہاں چشمے یا منبع کا پانی کسی مصنوعی ذریعہ کے بغیر نکالا جاتا ہے وہاں پہلا حق ان لوگوں کا ہے جو منبع کے قریب رہتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا جو کچھ فاصلے پر رہتے ہیں اور اسی طرح ان کے بعد رہنے والوں کا؛ مزید یہ کہ جو بلندی پر رہتے ہیں ان کو نشیبی سطح پر رہنے والوں پر ترجیح دی جائے گی۔
- جہاں پانی کو رواں کرنے کے لیے جدوجہد کرنی پڑتی ہے وہاں اختصاص کئی عوامل کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جس میں ہر ملک کے اخراجات اور محنت، اس کی آبادی اور اس کی گھریلو، زرعی اور صنعتی ضروریات شامل ہیں۔

دونوں صورتوں میں اسلامی قوانین کی ان دفعات کا سختی سے اطلاق کیا جاتا ہے جو فاضل پانی دوسرے استعمال کنندگان کو فراہم کرنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

اگر زیادہ عمومیت کے ساتھ بیان کیا جائے تو اسلامی قانون پانی کے استعمال کے بارے میں مندرجہ ذیل ترجیحات کو تسلیم کرتا ہے۔

- حق الشفہ یا شرب یعنی پیاس بجھانے کا حق۔
- گھریلو استعمال جس میں مویشیوں کو پانی پلانا بھی شامل ہے۔
- زرعی زمینوں کی آبیاری۔
- تجارتی و صنعتی مقاصد۔

بین الاقوامی قانون میں عدل کی کوئی عمومی تسلیم شدہ تعریف نہیں ہے۔ لیکن بین الاقوامی دریاؤں کے پانی کے استعمال کے بارے میں ہیلسکی قواعد کئی عوامل کی نشاندہی کرتے ہیں جن کا عدل کے ساتھ ایک خاص ربط خیال کیا جاتا۔ بین الاقوامی لاکمیشن کے قواعد کے باب دوم کی دفعہ نمبر ۵ میں بین الاقوامی دریائی طاس میں بہنے والے پانی کے عادلانہ استفادے پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے:

آبی راہوں والی ریاستیں اپنے اپنے علاقوں میں بین الاقوامی آبی راہ سے منصفانہ اور معقول انداز سے استفادہ کر سکتی ہیں۔ بالخصوص، ایک بین الاقوامی آبی راہ کو آبی راہ والی ریاستیں اس طور پر استعمال اور ترقی دے سکیں گی کہ ان کا بہترین اور پائیدار استعمال اور استفادہ کیا جاسکے۔ ساتھ ہی متعلقہ آبی راہ کے ریاستوں کے مفادات کا بھی خیال رکھا جائے جو آبی راہ کے مناسب تحفظ سے بھی مطابقت رکھتے ہوں۔

ہر دریائی طاس والی ریاست کا طاس کے پانی میں معقولیت پر مبنی حصہ طے کرتے وقت جن عوامل کا خیال رکھا جائے گا وہ یہ ہیں: طاس کا جغرافیہ، hydrology، آب و ہوا، ماضی میں اس پانی کا استعمال، طاس کی ہر ریاست کی معاشی اور سماجی ضروریات، ہر ریاست میں طاس کے پانی پر انحصار کرنے والی آبادی، ہر مملکت کی معاشی اور سماجی ضروریات کی تکمیل کے لیے متبادل ذرائع پر متقابل اخراجات، دوسرے وسائل کی فراہمی، طاس کے پانی کے استعمال کے دوران غیر ضروری ضیاع سے بچاؤ، اور یہ بھی کہ طاس میں واقع کسی دوسری ریاست کو قابل ذکر نقصان پہنچائے بغیر طاس کی ایک ریاست کی ضروریات کسی حد تک پوری ہو سکتی ہیں۔

پانی کی ملکیت

پانی کی ملکیت کے بارے میں اس کتاب کے مختلف ابواب میں قدوری، جبار اور نہدی و کیپونیرانے کافی روشنی ڈالی ہے۔ جیسا کہ وہاں ذکر ہوا ہے، پانی پر ایسا کنٹرول جو قبضے کے سخت ترین مفہوم سے مختلف ہو، یعنی کسی گڑھے یا ٹنکی میں ذخیرہ آب یا کسی اور طرح سے کسی محدود جگہ میں جمع شدہ پانی کسی کی ملکیت تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح، اگرچہ کنویں یا مصنوعی چشمے پر نجی ملکیت کا دعویٰ کیا جاتا ہے لیکن ان کا پانی کبھی نجی ملکیت تصور نہیں کیا جاتا جب تک ان پر اس شکل میں کسی کا قبضہ نہ ہو یعنی 'حیازہ' نہ ہو۔

اس لیے عام طور سے اسلامی قانون میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگرچہ 'مباح' پانی سے عوام کے فائدہ اٹھانے کا حق پوری طرح مستحکم ہے، اس کے باوجود پانی قانون کی نگرانی اور براہ راست حفاظت میں رہتا ہے۔ اس مفہوم میں عوام کا کوئی فرد پانی کے حق کے حصول یا تحفظ کے لیے عدالتی فیصلے کے لیے چارہ جوئی کر سکتا ہے۔ اس قسم کا دعویٰ اس شخص کے خلاف کیا جاسکتا ہے جو پانی پر اپنا نجی حق جتائے اور اس کے خلاف بھی جو کسی دوسرے کو پانی استعمال کرنے سے روکے۔

اسی طرح بین الاقوامی آبی قانون کے تحت پانی کی ملکیت کا اصول اس بات کو تو اترا سے تسلیم کرتا ہے کہ ریاستیں اپنے قدرتی وسائل کی تلاش اور استفادہ پر حاکمانہ حق رکھتی ہیں۔ لیکن ریاستوں پر توازن پیدا کرنے والی یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی اس نوعیت کی سرگرمیوں کے ان

اثرات سے آگاہ رہیں جو سرحدوں کے پار محسوس کیے جا رہے ہوں اور اس آلودگی کے لیے بھی جوابدہ ہوں جو ان کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔

صریح نقصان اور معاوضہ

نبی کریم ﷺ کی ایک معروف حدیث میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ ”نہ تو خود کو نقصان پہنچاؤ اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچانے کا سبب بنو“۔ اسی اصول کے پیش نظر اسلامی قانون عوامی مفادات کو ترجیح دیتا ہے اور مندرجہ ذیل اصولوں پر عمل کرنے کی ہدایت دیتا ہے:

- مضطر یقینہ کار سے اجتناب برتا جائے۔
- کسی بھی مضطر یقینہ کار کو صرف اس صورت میں برداشت کیا جائے کہ جب وہ کسی اس سے بھی زیادہ مضطر یقینہ کار سے نجات دلانے کا باعث ہو۔
- کسی کو فائدہ پہنچانے سے بہتر ہے کہ اس کو ضرر نہ پہنچنے دیا جائے۔

اسلامی قانون کا نفاذ یا تو براہ راست نگرانی کے ذریعہ ہوتا ہے یا عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ۔ اس لیے وہ پائی جو عوامی ملکیت کے عمومی درجے میں آتا ہے اس کی نگرانی براہ راست حکومت کرتی ہے اور اس ضمن میں تمام قوانین سرکاری افسران نافذ کرتے ہیں۔ ان قوانین کی خلاف ورزی کی سزا یا تاقید ہوتی ہے یا جرمانہ۔ لیکن زیادہ تر سزا جرمانے کی شکل میں دی جاتی ہے۔

بین الاقوامی آبی قانون کے تحت بین الاقوامی لائیکیشن کے Final Articles میں سے دفعہ نمبر ۷ کہتی ہے کہ آبی راہوں کے ممالک ایسے تمام مناسب اقدامات کریں جن سے یہ بات یقینی ہو جائے کہ ان کی کارروائیوں کے نتیجے میں ایسی دوسری مملکتوں کو کوئی صریح نقصان نہ پہنچے۔ مزید برآں، اگر صریح نقصان پہنچ جائے تو جو ملک نقصان کا سبب بنا ہے اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ نقصان زدہ ملک سے رجوع کرے اور یہ معلوم کرے کہ جس استعمال سے یہ نقصان پہنچا ہے کیا وہ منصفانہ اور معقول ہے۔ مزید یہ کہ استعمال میں فوری تبدیلیاں کرے تاکہ نقصان ختم ہو یا اس کی تلافی ہو سکے اور اگر ضروری ہو تو اس نقصان کا معاوضہ بھی ادا کرے۔

مشاورت

اسلام میں شورایت یا عوام سے مشاورت حکومت اور اس کے اہلکاروں کی فیصلہ سازی کی بنیادوں میں سے ایک ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ عام لوگوں کے امور میں فیصلہ کرتے وقت عوام سے مشورہ کر لیا کریں۔ بین الاقوامی قانون آب کے مطابق

ریاستوں کا فرض ہے کہ اگر وہ سرحد پار کے آبی وسیلے سے استفادہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور امکان ہے کہ اس کارروائی سے سرحد پار اثرات ضرور مرتب ہوں گے تو وہ پڑوس کی ریاستوں سے مشورہ کریں۔

ماحول اور ماحولیاتی نظام کا تحفظ

اس کتاب میں عامری نے ماحول کے تحفظ کے بارے میں اسلام کی عطا کردہ اہمیت کو ثابت کیا ہے۔ ماحول کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا اصرار اس حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے۔ ”ایک مسلمان جو پودا لگاتا ہے اگر کوئی آدمی یا جانور یا پرندہ اُسے اپنی غذا بناتا ہے تو یہ اس کے لیے یومِ آخرت تک ایک صدقہ جاریہ ہے“^۲۔ اس طرح بین الاقوامی لائیکیشن کی دفعات واضح کرتی ہیں کہ آبی راہ کے ممالک بین الاقوامی آبی راہ کے ماحولیاتی نظام کی حفاظت اور بچاؤ تنہا یا مشترکہ طور پر کریں گے (دفعہ نمبر ۲۰)۔ مزید یہ کہ وہ آبی راہ کو آلودگی سے بچائیں گے یا اس آلودگی میں کمی پیدا کریں گے یا اسے کنٹرول کریں گے (دفعہ نمبر ۲۱)۔

نتائج

بین الاقوامی آبی قانون اور اسلامی اصولِ آب کے مذکورہ صدر تقابل سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ متعدد مشترکہ بنیادیں موجود ہیں جن کے باہمی ربط سے ایک طریقہ کار وضع کیا جاسکتا ہے۔ معقول حصے داری، معدلت، عوامی مفاد، مشاورت اور عوامی مفاد اور ماحولیاتی نظام کا تحفظ وہ عناصر ہیں جو دونوں (بین الاقوامی آبی قانون اور اسلامی اصولِ آب) میں موجود ہیں۔ لیکن مشترکہ پانی سے متعلق اسلامی پس منظر پر لٹریچر کا فقدان ہے اور ایسی آبی انتظام کی پالیسی کو ترقی دینا جو مشترکہ پانی کا احاطہ کرے، مزید کام چاہتی ہے۔

سفارش کی جاتی ہے کہ مسلمان علماء اور مسلم دنیا کے ماہرینِ آب کی ایک ورکشاپ منعقد کی جائے تاکہ مشترکہ پانی کے بارے میں اسلامی قانون کے حوالے سے اتفاق رائے پیدا کیا جاسکے۔ بعد ازاں، منتخب ماہرین کی ایک مجلس مشاورت تشکیل دی جائے جس میں عالم اسلام کے قانون دان، علماء اور آبی ماہرین شامل ہوں جو پانی کے بارے میں اسلامی پالیسیاں مرتب کریں اور اس طرح ایک اسلامی آبی قانون وضع کریں۔ اگر ایک مرتبہ مشترکہ پانی کے بارے میں اسلامی قانون کی بنیاد مہیا ہوگی تو پھر ایک رہبر منصوبے پر کام ہو سکتا ہے جو مسلمانوں کے مختلف معاملات کو نمٹا سکتا ہے اور یوں اس حقیقی دنیا میں نظریے کو عملی شکل دی جاسکتی ہے۔

حواشی

۱۔ البغدادی، ص: ۳۲ (۱۹۸۲ء)۔

۲۔ الخرووی، ص: ۱۳۵ (۱۹۸۳ء)۔

REFERENCES

حوالے

البغدادی، ابو عبد الرحمن محمد بن حسن (۱۹۸۲ء) جامع العلوم والحکم (پانچواں ایڈیشن) دارالمکتب، قاہرہ۔
 الخرووی، یحییٰ بن شرف (۱۹۸۳ء) ریاض الصالحین، ترجمہ ایس ایم عباسی، جلد اول، دارالحدیث لسٹ، ایف، کراچی۔

- Fiint, C. G. (1995), "Recent Development of the International Law Commission Regarding International Watercourses and Their Implications for the Nile River," *Water International* 20, pp. 197–204.
- ILC (International Law Commission) (1997), *Convention on the Law of the Non-navigational Uses of International Watercourses*, United Nations, General Assembly Resolution 51/229, United Nations, New York.
- Moore, J. (1992), *Water Sharing Regimes in Israel and the Occupied Territories – A Technical Analysis*, Project Report 609, Operational Research and Analysis Establishment, Department of National Defense, Ottawa.
- Naff, T. and Matson, R. (1984), *Water in the Middle East: Conflict or Coordination?* Westview Press, Boulder, Colo.
- Thames Water (1988), *Water Quality in Greater Amman Study*, Ministry of Planning, Amman.
- Utton, A. E. and Teclaff, L. (1978), *Water in a Developing World: The Management of a Critical Resource*, Western Special Studies in Natural Resources and Energy Management, United Nations Development Programme, New York.
- Wilson, P. (1996), *The International Law of Shared Water Resources*. Training Manual on Environmental Law, United Nations Environment Program, Nairobi.

کتاب کے مؤلفین

ناصر آئی فاروقی: آپ بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز (IDRC)، اوٹوا، کینیڈا میں سینئر پروگرام اسپیشلسٹ ہیں جو مشرق وسطیٰ میں پانی کے انتظام کے کام پر خصوصی نظر رکھتے ہیں۔ آپ بین الاقوامی آبی وسائل کی انجمن (IWRA) کے عالمی سطح پر منتخب کردہ اگلی نسل کے چودہ آبی رہنماؤں میں سے ایک ہیں۔

اسیت کے بسواس: آپ میکسیکو سٹی میں تیسری دنیا کے مرکز برائے آبی انتظام (Third World Centre for Water Management) کے صدر ہیں۔ آپ پانی کے بارے میں عالمی کمیشن کے رکن ہیں اور ماضی میں بین الاقوامی آبی وسائل کی انجمن (IWRA) کے صدر رہ چکے ہیں۔

مراد جے بیٹو: آپ عمان میں آبی وسائل کی ترقی اور انتظام کے بارے میں بین الاقوامی نیٹ ورک (INWRDM) کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر ہیں۔ اس سے قبل آپ رائل سائنٹیفک سوسائٹی عمان میں ماحولیاتی تحقیقی مرکز کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں۔

ورکشاپ کے شرکاء

- Abdul Karim Al-Fusail: National Water Resources Authority, P.O. Box 8944, Sana'a, Yemen. Telefax: 231-530
- Asit K. Biswas: International Water Resources Association (CIEMAD-IPN), Viveros de Tlalnepantla No. 11, Viveros de la Loma, Tlalnepantla, Edo. de México, 54080 Mexico. Email: akbiswas@internet.com.mx or akb@pumas.iingen.unam.mx. Tel./Fax: 52-5-754-8604. Switchboard: 52-5-752-0818/586-0838/586-9370.
- Cecilia Tortajada: International Water Resources Association (CIEMAD-IPN), Viveros de Tlalnepantla No. 11, Viveros de la Loma, Tlalnepantla, Edo. de México. Email: cquiros@vmredipn.ipn.mx; akb@pumas.iingen.unam.mx. Tel./Fax: 52-5-754-8604. Switchboard: 52-5-752-0818/586-0838/586-9370.
- Dante A. Caponera: Former Chief, UN/FAO Legislation Branch; Chairman, Executive Council, International Association for Water Law; Consultant on Natural Resources, Water and Environmental Law, Via Montevideo 5, 00198 Rome, Italy. Email: coponera@libero.it. Tel./Fax: 39-6 8548932.
- Dina Craissati: Senior Program Officer, Middle East and North Africa Regional Office, International Development Research Centre, 3 Amman Square (5th floor), Dokki, Cairo, P.O. Box 14 Orman, Giza, Egypt. Email: dcaissati@idrc.org.eg. Tel.: 20-2-336-7051/52/53. Fax: 20-2-336-7056.
- Ellysar Baroudy: Coordinator, Water Demand Management Research Network, Middle East and North Africa Regional Office, International Development Research Centre, 3 Amman Square (5th floor), Dokki, Cairo, P.O.Box 14 Orman, Giza, Egypt. Email: ebaroudy@idrc.org.eg.

- Tel.: 20-2-336-7051/52/53. Fax: 20-2-336-7056.
- Hussein A. Amery: Division of Liberal Arts and International Studies, Colorado School of Mines, Golden, CO 80401-1887 USA. Email: hamery@mines.edu. Tel.: (303) 273-3944. Fax: (303)-273-3751.
- Iyad Hussein: Business Development Manager, Jordanian Consulting Engineer Co., P.O. Box 926963, Amman 11183, Jordan, and Applied Science University, College of Engineering, Amman 11110, Jordan. Email: riverside@hotmail.com. Tel.: (o) 962-6-560-6150/568-7369, (r) 962-6-515-6099. Fax: 962-6-568-2150.
- Karim Allaoui: Office of the Vice President (Operations), Islamic Development Bank, P.O. Box 5925, Jeddah 21432, Saudi Arabia. Email: kallaoui@isdb.org.sa. Tel.: 966-2-636-1400 ext. 6729. Fax: 966-2-636-6871.
- Kazem Sadr: School of Economics and Political Science, Shahid Beheshti University, Tehran 19834, Iran. Tel.: (o) 98-21-240-3020, (r) 98-21-808-3844. Fax: 98-21-880-8382.
- Murad Jabay Bino: Executive Director, Inter-Islamic Network on Water Resources Development and Management (INWRDAM), P.O. Box 1460, Jubayha, Amman 11941, Jordan. Email: inwrdam@amra.nic.gov.jo. Tel.: 962-6-533-2993. Fax: 962-6-533-2969.
- Nader Al Khateeb: Water and Environmental Development Organization (WEDO), P.O. Box 844, Bethlehem, Palestine. Email: wedo@p-ol.com. Tel.: 972-2-747948. Fax: 972-2-745968.
- Naser Irshad Faruqui: Senior Program Officer, Water and Wastewater Projects, Program Branch, International Development Research Centre, P.O. Box 8500, Ottawa, ON, Canada, K1G 3H9. Email: nfaruqui@idrc.ca. Tel.: 613-236-6163 ext. 2321. Fax: 613-567-7749.
- Odeh Al-Jayyousi: Applied Science University, College of Engineering, Civil Engineering Department, Amman 11931, Jordan. Email: jayyousi@go.com.jo. Tel.: (o) 962-6-5237181, (r) 962-6-5851809. Fax: 962-6-5232899.
- Sadok Atallah: Director, Environmental health Programme, World Health Organization (WHO), P.O. Box 1517, Alexandria 21511, Egypt. Email: ceha@who-ceha.org.jo. Tel.: 203-482-0223. Tax: 203-483-8916. (Dr. Atallah is currently on leave from WHO. He can be contacted in Tunis at: Email: baby.world@planet.tn. Tel.: 216-1-887263. Fax: 216-1-238182).
- Saeeda Khan: Former Workshop Coordinator, IDRC, 51 Westfield Cres., Nepean, ON, Canada, K2G 0T6. Email: thekhans@home.com. Tel.: 613-820-0682.
- Shihab Najib Al-Beirut: Head of Services and Programs Section, Inter-Islamic Network on Water Resources Development and Management (INWRDAM), P.O. Box 1460, Jubayha, Amman 11941, Jordan. Email: inwrdam@amra.nic.gov.jo. Tel: 962-6-533-2993. Fax: 962-6-533-2969.

- S. M. Saeed Shah: Head of Hydrology Division, Centre of Excellence in Water Resources Engineering, University of Engineering and Technology, Lahore 54890, Pakistan. Email: centre@cewre.lhr.sdnpk.org. Tel.: 92-42-682-2024/1100.
- Walid A. Abderrahman: Manager, Water Section Center for Environment and Water Research Institute, King Fahd University of Petroleum and Minerals (KFUPM), P.O. Box 493, Dhahran 31261, Saudi Arabia. Email: awalid@kfupm.edu.sa. Tel.: (o) 03-860-2895, (r) 03-860-6962. Fax: 03-860-4518.
- Yassine Djebbar: Project Engineer, South Areas Division, Sewage and Drainage Department, Greater Vancouver Regional District, 4330 Kingsway, Burnaby, BC, Canada, V5H 4G8. Email: yassine.djebbar@gvrd.bc.ca. Tel.: 604-451-6144. Fax: 604-436-6960.

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں پانی بڑی تیزی کے ساتھ ترقیات کا کلیدی مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ یہ خط ساری دنیا میں آبادی میں اضافے کی بلند ترین اوسط شرح رکھنے والے علاقوں میں سے ایک ہے جبکہ یہاں قدرتی پانی کی فراہمی قلیل ہے۔ اس خطے اور دیگر علاقوں میں بھی پالیسی سازوں نے اکثر ایسی پالیسیاں مثلاً اونچے آبی محصولات یا بجکاری، مقامی ثقافت و اقدار کا لحاظ کیے بغیر وضع کیں اور انہیں روپہ عمل لانے کی کوشش بھی کی۔ مگر لوگ کسی ویلے مثلاً آبی ویلے کا انتظام یا ادراک کیونکر کرتے ہیں، اس پر ثقافت بشمول مذہب واضح طور پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ خطہ مختلف عقائد رکھنے والی بڑی بڑی مذہبی اقلیتوں کے ساتھ ساتھ تیس کروڑ مسلمانوں کا بھی وطن ہے۔ اس لیے اسلامی تناظر کی تفہیم کو عام کرنا، مجوزہ آبی انتظام کی پالیسیوں کے حوالے سے مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں کو اس جیسے دیگر ممالک اور اس جیسے دیگر ممالک کی پائیدار اور منصفانہ ترقی کی کنجی ہے۔

اس کتاب میں مجوزہ آبی انتظام کی متعدد پالیسیوں کو اسلامی تناظر میں پیش کیا گیا ہے جس میں طلب آب کا انتظام، ضائع شدہ پانی کا دوبارہ استعمال اور اضافہ شدہ محصولات کے موضوعات شامل ہیں۔ یہ کتاب ان محققین کے لیے وسیع تر مکالمے کی راہیں کھولتی ہے جو آبی انتظام کی ایسی پالیسیوں کی نشاندہی کر رہے ہیں جن سے بہتر امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ یہ کتاب ہماری رکھی اور غیر رکھی پالیسیوں اور طریقوں پر مرتبہ اثرات کے بارے میں ہمارے علم میں اضافہ کرتی ہے اور اس بصیرت کو بڑے پیمانے پر عوام تک پہنچاتی ہے۔ یہ کتاب اقدار و ثقافت کے حوالے سے تعمیر و ترقی کو پرکھنے کے عمل کے فوائد کی ایک ٹیموں مثال پیش کرتی ہے اور آبی انتظام کے مختلف پہلوؤں مثلاً پانی کی فروخت یا ضائع شدہ پانی کے دوبارہ استعمال کے حوالے سے اسلامی نقطہ نظر کے بارے میں عام غلط فہمیوں کا ازالہ کرتی ہے۔

”اسلام میں پانی کا انتظام“ جملہ محققین، اہل علم اور قدرتی وسائل کے انتظام، مطالعہ اسلام، مطالعہ مشرق وسطیٰ، مطالعہ ترقیات اور عوامی رفاه کی پالیسی سازی کے طالب علموں کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگی۔ مزید برآں، پیشہ ورانہ ماہرین جن میں معطلی تنظیمیں، فیصلہ ساز افراد و ادارے، سرکاری محکمے و ایجنسیاں اور شمال و جنوب کے آبی انتظام کار سب ہی کے لیے ذوق و شوق کے ساتھ مطالعے کا سبب بنے گی۔

ناصر آئی فاروقی: آپ بین الاقوامی ترقیات کے تحقیقی مرکز، اونوا، کینیڈا میں سینئر پروگرام اسپیشلسٹ ہیں جو مشرق وسطیٰ میں پانی کے انتظام کے کام پر خصوصی نظر رکھتے ہیں۔ آپ بین الاقوامی آبی وسائل کی ایسوسی ایشن کے عالمی سطح پر منتخب کردہ اگلی نسل کے چودہ آبی رہنماؤں میں سے ایک ہیں۔

اسیت کے بسواس: آپ میکسیکو میں تیسری دنیا کے مرکز برائے آبی انتظام کے صدر ہیں۔ آپ پانی کے بارے میں عالمی کمیشن کے رکن ہیں اور ماضی میں بین الاقوامی آبی وسائل کی ایجنسی کے صدر رہ چکے ہیں۔

مراد جے مینو: آپ عمان میں آبی وسائل کی ترقی اور انتظام کے قابل آپ رائل سائنٹفک سوسائٹی عمان میں ماحولیاتی تحقیقی مرکز کے

330

ف 1612



United Nations
University Press

TOKYO • NEW YORK • PARIS

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

www.oup.com
www.oup.com/pk

ISBN 0-19-597890-0



9 780195 978902

IDRC CRDI

International Development Research Centre
Ottawa • Cairo • Dakar • Montevideo • Nairobi • New Delhi • Singapore

حکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب و رسائل مفت آن لائن دکان
\$25.00